حیات ائمہ اربعہ

مؤلف

حضرت علامہ ومولانا **کریم اللہ** رضویؔ

استاذ دارالعلوم فیضان حافظ ملت بھگت سنگھ نگر نمبرا

ناشر

دارالعلوم فیضان حافظ ملت طیبہ مسجد

بھگت سنگھ نمبرا، لنک روڈ گورے گاؤں (ویسٹ)، ممبئی

نام کتاب:.........حیات ائمہ اربعہ

نام مؤلف:.........حضرت علامہ ومولانا کریم اللہ صاحب رضوی

تصحیح:.........ادیب شہیر حضرت علامہ ومولانا انجم القادر مصباحی

دارلعلوم منظرحق ٹانڈہ، امبیڈکرنگر، یوپی

حضرت علامہ ومولانا حسنین رضا مصباحی

رئیس المدرسین دارالعلوم فیضان حافظ ملت، بھگت سنگھ نگر

نظر ثانی:.........حضرت علامہ ومولانا محمد زماں صاحب مصباحی رضوی

پرنسپل دارالعلوم عیدالاسلام، گونڈی

سن اشاعت:.........۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰۱۲ء

کمپوزنگ:.........مولانا محمد ارشاد احمد مصباحی برکاتی

استاذ دارالعلوم مخدومیہ، جوگیشوری 9833844851

بسعی واہتما:.........حضرت علامہ حافظ وقاری غلام جیلانی صاحب قبلہ

شیخ التجوید درالعلوم فیضان حافظ ملت، بھگت سنگھ نگر

ناشر:.........دارالعلوم فیضان حافظ ملت بھگت سنگھ نگر نمبرا

گورے گاؤں (ویسٹ)، ممبئی۔۱۰۲

فہرس

انتساب

میں اپنی اس حقیر کاوش کو اپنے ان عظیم دینی رہنماؤں کے نام منسوب کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جنہیں دنیائے اسلام امام عشق ومحبت امام اہل سنت الشاہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی، جلالۃ العلم حضور حافظ ملت الشاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی، شیخ المشایخ حضرت شعیب الاولیاء شاہ محمد یار علی ومظہر شعیب الاولیاء حضرت صوفی محمد صدیق احمد المعروف خلیفہ صاحب رضی اللہ عنہم، کے نام سے جانتی ہے۔ نیز اپنے پیرومرشد تاج الشریعہ حضور اختر رضا خان ازہری میاں اور جملہ اساتذہ کرام خصوصاً استاذ الاساتذہ حضرت علامہ ومولانا مفتی الحاج آل مصطفیٰ علیہ الرحمۃ والرضوان، جن کی بے لوث مساعی جمیلہ اور پر خلوص دعاؤں کا یہ صلہ ہے کہ مجھ میں یہ صلاحیت پیدا ہوئی ورنہ اس حقیر کے اندر وہ صلاحیت کہاں کہ خود سے اس کتاب کو آپ کے سامنے پیش کرسکتا۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ان حضرات کی تربت اقدس پر رحمت ونور کی بارش نازل فرمائے اور انہیں کے وسیلہ سے اس ادنیٰ خدمت کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ میرے اور میرے والدین کے لئے ذریعہ نجات بنائے۔ خصوصیت کے ساتھ جس اہل خیر کی امداد سے یہ کتاب منظر عام پر آئی، اللہ تعالیٰ ان کے ہر جائز مقاصد کو پورا فرمائے اور مزید خدمت دین کا شوق عطا فرمائے۔ آمین۔

کریم اللہ رضوی

ضروری گذارش

اہل علم حضرات سے گذارش ہے کہ کمپوزنگ اور طباعت انتہائی عجلت میں ہوئی ہے اس لئے ممکن ہے کہ اس میں آپ کو کچھ کمی یا غلطی نظر آئے تو برائے کرم مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تلافی کرلی جائے۔

رابطہ نمبر: 8108397365

تشکر و امتنان

میں ممنون کرم ہوں شیخ المعقو لات والمنقو لات استاذ العلماء حضرت علامہ مفتی شبیر حسن صاحب قبلہ رضوی مدظلہ العالی، افضل المدرسین استاذی المکرّم حضرت علامہ انجم القادری مصباحی صاحب قبلہ مدظلہ العالی، محبوب المشائخ حضرت علامہ شرافت حسین صاحب قبلہ برکاتی اوراحسن الحفاظ حضرت حافظ وقاری محمود احمد قادری صاحب قبلہ دامت برکاتھم العالیہ کا کہ ان علماے کرام نے اپنی تقدیم وتقریظات اور دعائیہ کلمات کے ذریعہ کتاب مندرجات پر تصدیق ثبت فرمائی۔

ارمغان تشکر پیش کرتا ہوں گرامی قدر حضرت علامہ محمد حسنین رضا صاحب، حضرت علامہ کلیم اللہ صاحب اور دیگر علماے کرام کا کہ انہوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود بڑی عرق ریزی اور لگن کے ساتھ مسودہ پر نظر ثانی اور تصیح فرما کر میری اس حقیر کاوش کی عظمت کو دوبالا کر دیا۔

ان مراحل کے بعد جب سب سے اہم اور سخت مرحلہ (طباعت کا) درپیش ہوا تو جن علماے کرام اور احباب نے میرے ہر کام پر مدد کی اگر میں ان کو فراموش کر دوں تو یہ میری کم ظرفی اور احسان فراموشی ہوگی۔ خصوصیت کے ساتھ فخر القراء حضرت علامہ حافظ وقاری الحاج غلام جیلانی صاحب قبلہ اطال اللہ عمرہ اور ان کے متعلقین ومتوسلین انتہائی مخلصانہ طور پر کتاب کی طباعت میں دلچسپی لے کر سرمایہ کا انتظام فرمایا جس کی وجہ سے میں آپ کی خدمت میں اپنی قلمی کاوش پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

مولیٰ تعالیٰ ہمارے ان کرم فرما علماے کرام کو سماوی وارضی بلاؤں سے محفوظ و مامون رکھے اور ان مخیّر حضرات کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ واکرم التسلیم

فقط طالب دعا

کریم اللہ رضوی

۹ رشعبان المعظم ۱۴۳۳ھ

۳۰ رجون ۲۰۱۲ء

تقریظ جلیل

نازش علم وفن جامع معقولات ومنقولات استاذالعلماء حضرت علامہ ومولانا مفتی شبیر حسن صاحب قبلہ رضوی صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاسلامیہ رونا ہی، ضلع فیض آباد یوپی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی احبیبہ الکریم

امابعد! زیرنظر کتاب ''حیات ائمہ اربعہ'' مولانا کریم اللہ صاحب قبلہ رضوی کی عرق ریزی وجانفشانی کا ثمرہ ہے۔ اس کتاب میں موصوف نے ائمہ اربعہ امام اعظم، امام مالک، امام شافعی اوراحمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کی حیات مبارکہ اوران کی خدمات جلیلہ پر روشنی دالی ہے۔ اورامت مسلہ کے سامنے ان اساطین فقہ وافتاء کے تقویٰ وطہارت، علم وورع، زہدواتقاء، عدالت وثقاہت، ذکاوت وذہانت، فراست وفطانت، بلندی خیال، دقیق النظری وژرف نگاہی، ملکۂ اجتہاداورقوت استنباط کی چند جھلکیاں پیش کرنے کی قابل تعریف جدوجہد کی ہے۔

آج ہم جس پرآشوب دور میں اپنی حیات مستعار کے لمحات گزاررہے ہیں، مذہب بیزاری کا جو رجحان فروغ پارہاہے۔ اورتقلید ائمہ اربعہ کے خلاف جوطوفان بدتمیزی برپا کرکے نسل جدید کوفریب دیا جارہاہے اس کا تقاضہ ہے کہ ان پاکیزہ ہستیوں کی خدمات دینی، تقویٰ وپرہیز گاری، خوف وخشیت ربانی، تفقہ فی الدین، اوراستخراج مسائل کے اصول وقوانین اورمناہج واسالیب کوجدید طرز میں پیش کیاجائے تاکہ نسل نوتقلید کے دشمنوں کے ہاتھوں کھلونا بن کرشتر بے مہارکی زندگی گزارنے سے محفوظ رہ سکے، اورائمہ کرام کے خلاف جوالزام تراشیاں کی جاتی ہیں ان سے آگاہ ہوسکے۔

یوں توایک مخصوص فرقہ کی طرف سے ائمہ اربعہ کے خلاف زہرافشانی کی جاتی رہی، مگرسیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ذات بابرکات اوران کی فقہی خدمات پرجورکیک حملہ کیا گیا وہ بہت دلخراش ہے۔ کبھی ان کی ثقاہت پرکلام کرکے اپنی تنگ نظری کا مظاہرہ کیا گیا، کبھی ان کوقلیل الروایۃ اورقلیل الحدیث قرار دے کرفقہ حنفی کی پرشکوہ ودیدہ زیب عمارت کومتزلزل کرنے کی اپنی سی کوشش کی گئی، اورکبھی ان کومرجئہ کہہ کران کی عدالت وطہارت کومشکوک بنایا گیا۔ اورحیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ آپ کے سلسلہ میں

یہ اوہام وخرافات بعض ذہنوں میں عہد قدیم ہی پائے جاتے ہیں اور عصر جدید میں غیر مقلدین انھیں کا سہارا لے کر عوام کالانعام کو گمراہ کرنے کی پیہم کوشش کررہے ہیں۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ معاندین کی ریشہ دوانیوں سے قوم کو باخبر کیا جائے۔ ان کے الزامات کا تحقیقی جائزہ لے کر عوام کو مطلع کیا جائے تاکہ وہ ان کے دام فریب میں گرفتار نہ ہوسکیں۔ مثلاً سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ثقاہت کے حوالہ سے معدودے حضرات نے جرأت گفتار کی ہے۔ مگر اصول جرح وتعدیل کے پیش نظر ان کا کلام لغو بے کار ہے۔ کیوں کہ ائمہ جرح وتعدیل کے نزدیک یہ ایک مسلمہ حقیقت اور تسلیم شدہ امر ہے کہ جس ثقاہت وعدالت مشہور ومعروف ہواس کے حق میں کسی بھی جارح کی تجریح قابل قبول نہ ہوگی بلکہ مردود ومطرود ہوگی۔ چنانچہ ثبوت عدالت وثقاہت کے طرق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا:

"معرفة العدالة امور، منها (الشهرة) والتواتر (كمالك) الامام (والاوزاعی و) عبدالله (بن المبارک وغیرهم) کالامام ابی حنیفة وصاحبیه وبواقی اصحابه والامام الشافعی واحمد بن حنبل وسائر الائمة الکرام قدس سرهم (لانها فوق التزکیة) فی افادة العلم بالعدالة" (فواتح الرحموت، ۲/۱۸۳)

مولانا کریم اللہ صاحب نے اس کتاب میں ائمہ کے تعلق سے مختلف مباحث کا احاطہ کیا ہے۔ اور انھیں پرکشش اسلوب بیان میں پیش کرنے کی کوشش ہے۔ اور اکثر مقام پر حوالہ بھی سپرد قرطاس کیا ہے۔ جس سے اس کا وزن بڑھ جاتا ہے۔ بالجملہ یہ کتاب لائق مطالعہ ہے۔ اس کتاب سے جہاں ائمہ اربعہ کی پاکیزہ حیات کے متعدد گوشے ابھر کر سامنے آجائیں گے اور قارئین کے لئے نمونہ عمل بنیں گے وہیں ان نفوس قدسیہ کے خلاف شکوک وشبہات بھی زائل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو قبول عام فرمائے، اور مولانا موصوف کے قلم کو سیال بنائے، اور مزید خدمات کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ حبیبه الکریم علیه التحیة والتسلیم۔

فقط دعا گو ودعا جو

شبیر حسن رضوی غفر له القدیر القوی

خادم التدریس والافتاء الجامعۃ الاسلامیہ

قصبہ رونا ہی، فیض آباد، یوپی

۷۸۶/۹۲

تقریظ

ادیب شہیر فاضل جلیل حضرت علامہ ومولانا **وصی احمد صاحب وسیم صدیقی** وائس پرنسپل الجامعۃ الاسلامیہ رونا ہی ،فیض آباد یوپی

اسلامی تاریخ کے سارے ابواب روشن ہیں ۔ البتہ کچھ ابواب روشن ترین ہیں۔ انھیں روشن ترین ابواب میں سے ایک نہایت روشن ترین باب امام الائمہ سراج الامۃ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی حیات وخدمات کا ہے۔ ذہانت وفطانت تقویٰ وثقاہت میں اپنی نظیر آپ ہیں۔

آپ اس امت کے انگلیوں پر شمار کیے جانے والے ان چند عظیم افراد میں سے ایک فرد ہیں جنھوں نے اپنی دینی خدمات کے صلہ میں اہل دنیا سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا۔ نہ آپ نے خلیفہ وقت سے کوئی عہدہ ومنصب طلب کیا نہ ہی کسی سرمایہ دار سے کوئی نذرانہ وصول کیا بلکہ خلیفۂ وقت کی جانب سے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے منصب کی پیشکش کو شان بے نیازی سے ٹھکرا دیا۔ اور اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خدمت کو ہی اپنے لئے سب سے بڑا اعزاز تصور کیا۔ اور اپنی ساری دولت وثروت جو بذریعہ تجارت حاصل کی تھی اشاعت دین کی راہ میں خرچ کر دیا۔

فاضل جلیل مولانا کریم اللہ صاحب نے حیات ائمہ اربعہ سیدنا امام اعظم ،سیدنا امام مالک ،سیدنا امام شافعی اور سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کی حیات وخدمات کے تعلق سے ایک کتاب لکھی ہے جس کا پہلا حصہ جو سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تعلق سے ہے، میری نظر سے گزرا ہے۔ مستند احوال وکوائف پر مشتمل ہے۔ کتاب لائق مطالعہ ہے اور فاضل جلیل قابل ستائش ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کتاب کو مقبول بنائے اور مصنف کتاب کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

وصی احمد وسیم صدیقی

دعائیہ کلمات

باسمہ تعالیٰ و تقدس

جامع علوم عقلیہ ونقلیہ حضرت علامہ **محمد انجم القادری** صاحب مصباحی

استاذ دارالعلوم منظرحق ٹانڈا ضلع امبیڈکرنگر (یوپی)

شافعی، مالک، احمد، امام حنیف
چار باغ امامت پہ لاکھوں سلام

اللہ عزوجل نے ائمہ اربعہ کی جو محبت نیکوں کے دل میں رکھی ہے وہ زمانۂ خیر لیکر اب تل ترقی پذیر ہے ۔ یہ ان کے فضل وکمال، اخلاص عمل، تقرب خداوندی اور رضائے مولیٰ واضح نشانیوں سے ہے کہ ان کے دور سے لیکر اب تک ہزاراں ہزار چھوٹی، بڑی جلد درجلد مختلف زبانون میں کتابیں ان کے تعلق سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو چکی ہیں، اور ہنوز سلسلہ جاری ہے، اور انشاء اللہ تا قیامت جاری رہے گا کہ دنیا کے جس خطے، علاقے میں ان کے مذہب مہذب کا آفتاب درشندہ ہے وہاں ان کے ذکر و مدح کی شعائیں اہل ایمان کی روحانیت کو منور کر رہی ہیں۔

ان نفوس قدسیہ نے اخلاص عمل کی جو شجر کاری دین کی سرزمین پر کی وہ بفضلہٖ تعالیٰ اکناف عالم میں خوب پھیلے، پھولے، پھلے اور اہل اسلام نے خوب، خوب استفادہ کیا اور ان کی عقیدت ومحبت کا چراغ ہر قریہ، ہر شہر میں روشن کیئے کہ اپنے محسن سے محبت اللہ کا عطیہ ہے۔ (**جبلت القلوب علیٰ حب من أحسن اليه**)

اہل زبان وقلم ان کی بارگاہوں میں نذرانۂ عقیدت پیش کر کے ان کے نفع بخش علم وعمل، پاکیزہ سیرت وکردار کی تشہیر کر رہے ہیں، اور انکے خیر وبرکت سے اپنا دامن بھر رہے ہیں (**الخیر مع أكابر كم**)

عزیزم مولانا کریم اللہ (**زادہ اللہ تعالیٰ علماً وفضلاً**) ان اسلاف کرام کی بارگاہوں میں پہلی بار اپنی یہ قلمی سوغات اس امید پر پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں کہ،

ع **لعل الله یرزقنی صلاحاً**

مولیٰ تعالیٰ ان کی خواہش نیک قبول فرمائے، بزرگوں کے فیوض وبرکات سے مالامال فرمائے، زبان وقلم میں قوت وتاثیر پیدا کرے اور خدمت اسلام ومسلمین کا مخلصانہ جذبہ مرحمت فرمائے۔

یہ دور جس میں لکھنے، پڑھنے کے ذوق کو لہولعب کا دیمک چاٹ رہا ہے، دن بدن دینی کتابوں سے دوری بڑھتی جارہی ہے، مولانا کی یہ کاوش بہرحال لائق تعریف تحسین ہے۔ اس نوعمری میں ان کی یہ قلمی کوشش مبارک بادی کی مستحق ہے۔

اللہ تعالیٰ انھیں دین ودنیا کی سعادتوں سے نوازے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

الراجی عفو ربہ وشفاعۃ حبیبہ

محمد انجم القادری مصباحی

دارالعلوم منظرحق، ٹانڈہ (یوپی)

۱۴۳۳/۷/۳۰ھ

۲۰۱۲/۶/۲۱ء

فخریہ کلمات

معمارقوم وملت حضرت حافظ وقاری **محمود احمد** صاحب قبلہ قادری

بانی وناظم اعلیٰ دارالعلوم فیضان حافظ ملت بھگت سنگھ نگر، گورے گاؤں

نحمدہ ونصلی علیٰ رسول الکریم

فاضل جلیل حضرت مولانا کریم اللہ صاحب رضوی صوبہ اترپردیش ضلع گونڈہ کے ایک گاؤں گلرہوا کے رہنے والے ایک نوجوان باصلاحیت عالم دین ہیں۔تقریباً دوسال پہلے دارالعلوم فیضان حافظ ملت میں دوماہ کے لئے ان کی عارضی تقرری ہوئی بعدہ ان کی علمی قابلیت اور انتظامی صلاحیت کودیکھتے ہوئے دارالعلوم کا مستقل استاذ اور نگراں مقرر کردیا گیا۔

اورآج ان کی گراں قدر تالیف ''حیات ائمہ اربعہ'' دیکھ کر میں بجا طور پرفخر کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ الحمدللہ میرا انتخاب بالکل صحیح ودرست تھا۔

تدریسی خدمات اورہمہ وقت نگرانی کی ذمہ داری کے باوجود مولانا موصوف نے ایک جامع اورمعرکۃ الآراء کتاب لکھ کرعظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔

اللہ رب العزت اپنے حبیب پاک صاحب لولاک علیہ التحیۃ والثناء کے صدقہ وطفیل ان کی اس کتاب کوقبول عام کا درجہ عنایت فرمائے۔اورآئندہ مزید دینی تصنیفی خدمات کی توفیق رفیق عطافرمائے۔

آمین بجاہ سیدالمرسلین علیہ واعلیٰ آلہ افضل الصلوۃ والتسلیم

دعاگو

محمود احمد قادری

۸/شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ

۲۹/جون ۲۰۱۲ء

تقدیم

فیض یافتہ بارگاہ سید العلماء حضرت علامہ **شرافت حسین** صاحب قبلہ برکاتی زیدت مکارمہ العالیہ

سربراہ اعلیٰ دار العلوم فیضان حافظ ملت بھگت سنگھ نگر نمبر ا، گورے گاؤں (ویسٹ)، ممبئی۔۱۰۴

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد امت مسلمہ پر سب سے زیادہ احسان فقہا، محدثین اور ائمہ مجتہدین کا ہے۔ جن کی بے پناہ قربانیوں کے باعث مسلک حق اور دین حیف اپنے کلیات وجزئیات کے ساتھ ہمیں میسر ہوا اور اس طویل دور میں اسلام کا حقیقی چہرہ محفوظ رہا۔ انھیں فقہا اور مجتہدین میں ''ائمہ اربعہ'' کی وہ عظیم شخصیتیں ہیں جنھیں کسی قیمت پر فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ کیوں کہ انھیں کے دم قدم سے شریعت کی بہاریں قائم ہیں۔ انھوں نے قرآن وسنت اور اقوال صحابہ نیز قیاس واجتہاد کے ذریعہ ایک ایسا جامع اور مانع اسلامی قانون وضع کیا جو قیامت تک مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ اسی اسلامی قانون کو فقہ حنفی، فقہ مالکی، فقہ شافعی اور فقہ حنبلی سے موسوم کیا گیا جسے ہم مذاہب اربعہ کے نام سے بھی جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اور حق وصواب انھیں چاروں مذاہب کے ساتھ مختص ہے اور نھیں کی تقلید وپیروی کرنے کا علمائے کرام نے حکم دیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسری راہ اپنانا سراسر گمراہی اور مخالفت اجماع ہے۔ زیر نظر کتاب ''حیات ائمہ اربعہ'' انھیں پیشوایان شریعت کے ذکر جمیل میں مرتب کی گئی ہے، جو باب تقلید میں دنیائے سنیت کے پیشوا ہیں۔

مگر افسوس کہ آج کل عام مسلمان ان ائمہ کرام کے مقام ومراتب اور فضل وکمال سے ناواقف ہیں۔ لہٰذا اس ضرورت کی تکمیل کے لئے عزیزم مولانا کریم اللہ صاحب رضوی (استاذ دار العلوم فیضان حافظ ملت بھگت سنگھ نگر نمبر ا، گورے گاؤں) نے بڑی جامعیت ومانعیت کے ساتھ عمدہ انداز میں روشنی ڈالی ہے۔

امید ہے کہ برادران اسلام اس سے استفادہ کر کے مؤلف کو اپنی مخصوص دعاؤں میں یاد کریں گے۔

فقط دعا گو

شرافت حسین برکاتی

تقدیم جلیل

عالم نبیل فاضل جلیل عمدۃ المدرسین حضرت علامہ الحاج **محمد حسنین رضا** مصباحی صاحب قبلہ
صدر المدرسین دار العلوم فیضان حافظ ملت بھگت سنگھ نگر نمبرا، گورے گاؤں (ویسٹ)، ممبئی۔۱۰۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ الذی لاواجب غیرہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ

''پدرم سلطان بود'' کے مقابلے میں ''خود کردہ'' شناخت دل پذیر اور نا قابل شکست ہوتی ہے۔ سچ یہی ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ مکان اپنے مکین سے شہرت پاتا ہے اور شخصیت اپنی خدمات کے آئینہ میں ممتاز اور پرکشش نظر آتی ہے۔ ادیب شہیر حضرت علامہ کریم اللہ صاحب رضوی کی شخصیت اپنی خدمات سے متعارف ہوئی اور انشاء المولیٰ تعالیٰ ان کی شناخت ومقبولیت میں روز افزوں اضافہ وترقی ہوتی رہے گی۔

تعلیم وتدریس، تصنیف وتالیف، مقالہ نگاری ومضمون نویسی خدمات کے الگ الگ دائرے ہیں۔ اگر کسی ایک میدان میں بھی کسی کو مقبولیت مل جائے تو اس کے لئے سرمایہ افتخار ہوتا ہے۔ حضرت علامہ کریم اللہ صاحب رضوی ان تمام میدانوں میں اپنی ایک منفرد شان اور الگ پہچان رکھتے ہیں۔ زیر نظر تالیف ''حیات ائمہ اربعہ'' ان کی فکر وتحقیق، دین ودانش اور زبان وبیان کا شاہکار ہے۔

آج کے اس پرفتن دور میں جب کہ غیر مقلدیت ایک بار پھر اپنے خونی پنجے گاڑ رہی ہے۔ علامہ موصوف نے ائمہ اربعہ علیہم الرضوان والرحمۃ کی حیات وخدمات کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ ''تقلید کی ضرورت کیوں'' کے عنوان سے ایک گراں قدر مقالہ شامل کتاب کرکے جہاں اپنے عظیم مطالعہ کا نچوڑ پیش کیا ہے وہیں کتاب کی افادیت واہمیت میں چار چاند لگا دیا ہے۔

رب عزیز وقدیر اپنے حبیب بشیر ونذیر کے صدقہ وطفیل اس کتاب مستطاب کو قبولیت عامہ اور افادیت تامہ کا درجہ عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سیدالمرسلین علیہ وعلی آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم

محمد حسنین رضا

۸؍شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ ۲۹؍جون ۲۰۱۲ء بروز جمعہ مبارکہ

قلبی احساسات

جامع معقول ومنقول حضرت علامہ ومولانا محمد زماں رضوی صاحب قبلہ

پرنسپل دارالعلوم عیدالاسلام گوونڈی

حامداً مصلیاًمسلماً

انسان تقلید کا خوگر ہے وہ فطری طور پر دوسروں کی پیروی کرتا ہے،تقلید کا وجود ہر زمانے میں رہا۔ جب تک آقائے دوجہاں صلیٰ اللہ علیہ وسلم حیات ظاہری میں تشریف فرما تھے،صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے مسائل آپکی بارگاہ میں پیش کردیا کرتے تھے جو کچھ حکم ہوتا عمل کرتے ،آخر یہ سلسلہ کب تک چلتا ایک دن ''اکملت لکم دینکم'' کا پیغام آہی گیا اور پیغمبر اسلام صلیٰ اللہ علیہ وسلم لوگوں کی ظاہری نظروسے روپوش ہوگئے ،اب نئے مسائل کے حل کے لئے اکابر صحابہ اجتہاد کرتے اور عام صحابہ کرام ان کی تقلید کرتے۔ یہ سلسلہ تابعین کے زمانے تک چلتا رہا لیکن اس اجتہاد واستنباط کے لئے اصول وقوانین مدون نہیں کیا گیا تھا۔اس کام کا آغاز امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں ہوا۔

امام اعظم کے بعد امام مالک ،امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اس کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جس کی تفصیل اس کتاب میں ملاحظہ کریں گے۔

ان ائمہ کرام نے لوگوں کے لئے دین آسان کردیا۔ان کے متعین کردہ اصول وقوانین کی روشنی میں آج تک علمائے ربانین نو پید مسائل کا حل تلاش کرتے رہے۔اہل اسلام کی اکثریت انہیں اپنا امام اور پیشا مانتی چلی آئی۔لیکن کچھ ایسے لوگ پیدا ہوئے جنکے دماغ میں کجی اور دلو پر مہر جلی ہے۔انھوں نے نہ صرف تقلید کی مخالفت کی بلکہ ان ائمہ کرام سے دشمنی کتانے پر تل گئے۔ان کے آسمان علم پر کیچڑ اچھالنے کی ناکام کوشش کی ،ان پر طعن وتشنیع کی۔ان کی ذات سے عوام الناس کو بدظن کرنے کی نازیبا حرکت کی۔

لہذا ضرورت پیش آئی عظیم محسنوں کے دینی خدمات اورمی جلالت کوسادہ انداز میں عوام تک پہونچایا جائے۔اس کارکیر میں متعدد حضرات نے اپنی خدمات پیش کی ہیں اسی سلسلہ کی ایک کڑی زیر نظر کتاب ''حیات ائمہ اربعہ'' بھی ہے جس کومولانا کریم اللہ صاحب رضوی نے بڑی عرق ریزی ست ترتیب دیا ہے۔کتاب علمی ومعلوماتی دونوں حیثیتوں سے کافی اہم آور مفید ہے،آپ اس کے اندر ائمہ

اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے چمنستان حیات کے گونا گوں پھولوں کی خوشبو محسوس کریں گے۔
مولانا کریم اللہ رضوی صاحب بھی ایک ممتاز ادارہ دارالعلوم فیضان حافظ ملت (گوریگاں) کے شیخ الادب ہیں مذکورہ دارہ تعلیمی وتربیتی اعتبار سے اپنی ایک شناخت رکھتا ہے۔طلبہ کے اندر پائی جانے والی علمی لگن اور پابندئی صلوٰہ مدرسین وارکین ادارہ کی سعئ پیہم کی غماز ہے۔
دعاء ہے کہ مولیٰ تعالیٰ کتاب کومقبول عام وخاص فرمائے،موصوف کے علمی پایہ کو بلندی عطا کرے اورادارہ بام عروج بخشے۔آمین

محمد زماں رضوی

تاثر

ہر علم وفن ومولانا عبد القدیر خان قادری صاحب قبلہ

استاذ دار العلوم فیضان حافظ ملت بھگت سنگھ نگر نمبر ا، گورے گاؤں

لك الحمد یا اللہ والصلوۃ والسلام علیك یا رسول اللہ ﷺ

یہ کہتے ہوئے بڑی خوشی ہورہی ہے کہ رفیق ہمدم مولانا کریم اللہ رضوی نے نہایت جاں فشانی اور لگن کے ساتھ ایک ایسی کتاب ترتیب دی ہے جس میں ''ائمہ اربعہ'' (امام اعظم، امام مالک، امام شافعی اورامام احمد بن حنبل) کی حیات وخدمات اور کارناموں کے ذکر کے ساتھ تقلید شخصی کی ضرورت واہمیت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

بلاشبہ یہ دور ایمان وعقیدہ کی سلامتی اور حفاظت کے تعلق سے بہت ہی پریشان کن ہے۔کیوں کہ جتنے باطل مذاہب وادیان اور فرق وملل پائے جاتے ہیں، سب کا پہلا حملہ ایمان وعقیدہ پر ہی ہوتا ہے۔فی زمانناخود کو اہل حدیث کہلانے والے غیر مقلدین اپنا سارا سرمایہ اور پوری کوشش اس پر صرف کررہے ہیں کہ کس طرح مسلمانان عالم کو اپنے اسلاف کی روش سے ہٹا کر شیطان لعین کا بندۂ بے دام بنادیں۔ لیکن بھلا ہو علمائے ربانین اور نائبین مصطفیٰ ﷺ کا کہ وقتاً فوقتاً قرطاس وقلم تقریر وخطابت اور دعوت وتبلیغ کے ذریعہ ان کے مکائد وخرافات کا ابطال اور اپنے عقائد واحوال کا اثبات کرکے نیابت رسول ﷺ کا حق ادا کرتے ہیں۔

انھیں اغراض ومقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے زیر نظر کتاب ''حیات ائمہ اربعہ'' منصۂ شہود پر آئی ہے۔ مولیٰ تعالیٰ اس کے فوائد عام وتام فرمائے اور مؤلف کو ترقی کی راہ پر گامزن فرمائے اور زیادہ سے زیادہ خدمت لوح وقلم کی توفیق بخشے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

عبد القدیر خان

۸/شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ

۲۹/جون ۲۰۱۲ء

تاثر

ادیب شہیر حضرت علامہ ومولانا **محمد کلیم اللہ** صاحب قبلہ قادری
شیخ الادب دارالعلوم برکاتیہ اہل سنت برکاتیہ گلشن نگر، جوگیشوری

قابل قدر حضرت علامہ ومولانا کریم اللہ صاحب قبلہ زید اقبالکم ! درسگاہ اہل سنت دارالعلوم فیضان حافظ ملت بھگت سنگھ نگر نمبرا، ممبئی کے بڑے ہی خلیق، منکسر المزاج اور باصلاحیت مدرس ہیں۔ جنھوں نے مصروفیات کو ترک فرما کر رب کی عطاء کردہ علمی وجاہت وقابلیت کو بروئے کار لایا۔ اور اسلام کی اقتدا میں زبان وقلم سے نکلے ہوئے پرتاثیر کلمات کے انمول موتی کو صفحۂ قرطاس پر تحریر فرما دیا تاکہ ''حیات ائمہ اربعہ'' کے سیاہ حروف کے ذریعے تاریک زندگیوں کو تابناک بنادے۔ (حالانکہ) جبکہ مصروفیات انسانی کے اس دور میں انسانوں کو اپنی ضروریات زندگی سے بالکل فرصت نہیں مل رہی ہے۔ پھر بھی انسانی تاریخ اٹھا کر دیکھیں دنیا اچھے انسانوں سے بھری پڑی ہے۔ اچھے لوگ اپنی خداداد صلاحیتوں اور خوبیوں سے چمکتے دمکتے اور عروج وارتقاء کی منزلیں طئے کرتے رہے۔ اور برے انسان خباثت نفس کی غلامی میں اتنے بدنام ہوئے کہ اسفل السافلین ان کا مسکن بن گیا۔

مگر اس دار فانی میں کچھ نامور ہستیاں ایسی ہوئیں جن میں سے کوئی علم حدیث کا امام، تفسیر میں پیشوا اور فقہ میں مقتدیٰ ہوا۔ زیر نظر کتاب مولانا موصوف کی فکر وفراست اور مخلصانہ کاوشوں کا عطر مجموعہ ہے جو اکناف عالم کو انشاء اللہ تعالیٰ معطر کرتی رہے گی۔

رب کائنات بطفیل سرور کائنات دینی خدمات کو قبول فرماتے ہوئے انھیں دارین کی بیش بہا نعمتوں اور برکتوں سے سرفراز فرمائے اور بڑے پیمانے پر تصنیف وتالیف اور اشاعت کا جذبہ فراواں بخشے۔
آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

محمد کلیم اللہ قادری
مدرسہ عربیہ محمدیہ قدم نگر بہرام باغ جوگیشوری (ویسٹ)، ممبئی۔۱۰۲
مدرس دارالعلوم اہل سنت برکاتیہ گلشن نگر جوگیشوری

۲۸ / جون ۲۰۱۲ء

پیش لفظ

پروردگار عالم نے اپنے دین کی حفاظت وصیانت کے لئے بے شمار علما ومشائخ اور مجتہدین کو پیدا کیا جنہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور ہمت مردانہ کے بل بوتے مسلک حق اور دین حنیف کی خدمت انجام دی اور نیک نامی کے ساتھ دنیائے فانی کو الوداع کہا۔ انھیں عظیم میں ''ائمہ اربعہ'' یعنی سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت، سیدنا امام ملک بن انس، سیدنا امام شافعی بن ادریس الخولانی اور سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم ہیں۔ جنہوں نے ''ادلۂ اربعہ'' یعنی قرآن، حدیث، اجماع امت اور قیاس کے عمیق سمندر میں غوطہ زن ہوکر مسائل کے قواعد وضوابط اور اصول وضع کئے تاکہ ان کی روشنی میں قیامت تک امت مرحومہ پیچیدہ اور مشکل مسائل کا حل تلاش کرتی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرات کو دینی معاملہ میں وہ فقہی بصیرت اور قوت عطا فرمائی تھی جو پوری دنیائے سنیت پر عیاں ہے کہ وہ بصیرت وقوت نہ ان کے ہم عصر علما میں تھی نہ اور اب تک کسی میں پیدا ہو سکی۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کی تقلید و پیروی علمائے اہل سنت کا اتفاق ہے۔

اگر آج پوری دنیائے سنیت کا جائزہ لیا جائے تو اس کا ہر فرد اپنی چار ہستیوں میں سے کسی ایک کی تقلید ضرور کرتا ہوا نظر آئے گا۔ اور اگر کوئی فرد ان ائمہ حقہ میں سے کسی کا مقلد نہیں تو وہ ضرور گمراہی کے دہانے پر نظر آئے گا۔ کیوں کہ ان نفوس قدسیہ نے نبی کریم ﷺ سے جو اقوال اور مسائل نقل کئے ہیں صحیح اسناد سے مروی ہیں اور اسی پر اعتماد کرنا بھی درست ہے۔

انھیں ائمہ کرام کی حیات وخدمات پر اپنی ایک ادنیٰ قلمی کاوش بنام ''حیات ائمہ اربعہ'' پیش کرنے کی سعادت حاصل کرر ہا ہوں۔ ابتدائے کتاب میں تقلید کی اہمیت پر ایک مشتمل مضمون بھی ہے۔ جسے پڑھ کر آپ خود ہی جان لیں گے کہ تقلید کی اہمیت کیا ہے اور تقلید کس قدر ضروری ہے۔ مضمون میں ان اعتراضات کے جوابات بھی ہیں جو غیر مقلد حضرات عام طور پر تقلید کے متعلق کیا کرتے ہیں۔

ہم رب قدیر کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب ﷺ کے صدقہ میں اس حقیر کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور برادران اسلام کو اس سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

کریم اللہ رضوی ۲/ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۳/ جون ۲۰۱۲ء

استاذ دارالعلوم فیضان حافظ ملت بھگت سنگھ نگر گورے گاؤں (ویسٹ)، ممبئی۔۱۰۴

مقام علاء الدین پور گلرہوا، پوسٹ دولت پور، ضلع گونڈہ، یوپی

تقلید کی اہمیت

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ لِوَلِیِّہٖ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ !

آج امت مسلمہ کے سامنے باطل طاقتوں کی جانب سے بے شمار چیلنج اوران گنت فتنے کھڑے ہیں، ان فتنوں کا دفاع اور چیلنجوں کے جوابات کے لئے علمائے اسلام اورائمہ دین متین اپنی اپنی فکری علمی اورعملی صلاحیتوں کے مطابق میدان عمل میں سرگرداں ہیں اورقوم کی صحیح رہنمائی فرما کرنیابت نبوی کا حتی الامکان حق ادافرمارہے ہیں۔

آج کل جن طاغوتی فتنوں نے زیادہ ہی ہنگامہ برپا کر رکھا ہے ان میں وہابیت وغیر مقلدیت سر فہرست ہے۔اس جماعت کا ہرفرد اپنے کومنصب اجتہاد پر فائز سمجھتا ہےاوراکابرین ملت یعنی ائمہ اربعہ بالخصوص امام اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف زہرافشانی اور الزام تراشی کواپنا واجبی حق تصور کرتا ہے بلکہ اسلام ومسلمین پرطعن وتشنیع ہی اس جماعت کا محبوب مشغلہ ہے اور نئے نئے فتنے کھڑا کرنا ان کے نزدیک خدمت قرآن وحدیث ہے اس لئے ضرورت ہے کہ تقلید کی اہمیت ضرورت کوامت مسلمہ کے سامنے پیش کیا جائے اور یہ ظاہر کیا جائے کہ تقلید کیا ہےاورتقلید کیوں ضروری ہےاوراس کے کیا فوائد ہیں اس لئے چنداقتباسات قارئین کے نذر ہیں۔

تقلید کا لغوی معنی: اس کا مادہ ''ق ل د''اوراس کے معنی پٹے کے ہیں۔باب تفعیل میں جاکراس کے معنی گلے میں پٹہ ڈالنے کے ہوگئے (مقالات شارح بخاری، ج ا ص:۲۸)

شرعی اصطلاح: اصطلاح شرع میں تقلید کا مطلب یہ ہے کہ کسی امام مجتہد کےقول وفعل کو یہ جان کر کہ ان کا کلام اورکام ہمارے لئے حجت ہےشرعاً اپنے اوپر لازم کرلینا جیسے حنفی،شافعی، مالکی اور حنبلی وغیرہ شرعی مسائل میں امام اعظم،امام شافعی،امام مالک اورامام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اجمعین کے قول وفعل کوقابل حجت مانتے ہیں اوراسی کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں۔

تقلید کی تعریف: امام غزالی علیہ الرحمہ تقلید کی تعریف کرتے ہوئےفرماتے ہیں۔''اَلتَّقْلِیْدُ ھُوَ قُبُوْلُ قَوْلٍ بِلَا حُجَّۃٍ'' یعنی کسی بات کوحجت کے بغیر مان لینا یہ تقلید کہلاتا ہے۔

صاحب قمرالاقمار بحث تقلید میں یوں تعریف بیان فرماتے ہیں ’’اَلتَّقْلِیْدُ اِتِّبَاعُ الرَّجُلِ غَیْرَہٗ فِیْمَا سَمِعَہٗ یَقُوْلُ اَوْ فِیْ فِعْلِہٖ زَعْمَ فَاِنَّہٗ مُحَقِّقٌ بِلَا نَظْرٍ فِی الدَّلِیْلِ فَکَأَنَّ الْمُقَلِّدَ جَعَلَ قَوْلَ الْغَیْرِ وَ فِعْلَہٗ قِلَادَۃً فی عنقہ‘‘ (حاشیہ حسامی: ص ۸۶،قمر الاقمار حشیہ نور الانوار: ص: ۲۲۰)

تقلید یہ ہے کہ آدمی دوسرے کے قول یا فعل کی اتباع اس ظن کی بنا پر کرے کہ وہ محقق ہے اور اس کی دلیل پر اس ی نظر نہ ہو، گویا مقلد نے دوسرے کے قول یا فعل کو اپنے گلے کا قلادہ بنا دیا۔ علامہ سمہو دی عقدالفرید میں تقلید کی تعریف یوں بیان فرماتے ہیں’’ التقلید قبول القول بأن یعتقد من غیر معرفۃ دلیل‘‘ جانے بغیر اس طرح مان لینا کہ اس پر اعتماد جم جائے۔ (مقالات شارح بخاری، ج ا ص:۲۸)

تقلید کی قسمیں: تقلید کی دو قسمیں ہیں (۱) تقلید شرعی (۲) تقلید غیر شرعی۔

تقلید شرعی: شریعت کے احکام ومسائل میں کسی مسلک اور امام کے قول وفعل کے مطابق عمل کرنے کو تقلید شرعی کہتے ہیں۔ مثلاً روزہ، نماز، حج اور زکوٰۃ وغیرہ۔

تقلید غیر شرعی: دنیاوی باتوں میں کسی کی پیروی کرنے کو تقلید غیر شرعی کہتے ہیں۔ مثلاً طبیب لوگ علم طب میں بوعلی سینا کی، شاعر لوگ داغ، میر یا مرزا غالب کی اور نحوی اور صرفی سیبویہ اور خلیل کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی تقلید غیر شرعی ہے۔

تقلید شرعی کی تین قسمیں ہیں (۱) عقائد (۲) احکام صریحہ (۳) احکام مستنبطہ۔

عقائد: عقائد میں کسی کی تقلید جائز ودرست نہیں ہے کیوں کہ یہ اصول دین اور اعتقادات سے متعلق ہیں۔ اور تقلید صرف فروعات ہی درست ہے۔ چنانچہ صاحب روح البیان فرماتے ہیں’’ذم التقلید وھو قبول قول الغیر بلا دلیل وھو جائز فی الفروع والعملیا ت ولا یجوز فی اصول الدین والاعتقادیات بل لا بد من النظر والاستدلال‘‘ ترجمہ: ایسی تقلید قابل مذمت ہے کہ دوسرے کے قول کو بغیر دلیل کے مان لیا جائے اور ہاں ایسی دلیل فروعات وعملیات میں جائز ہے مگر ایسی تقلید اصول دین اور اعتقادیات میں بالکل درست نہیں ہے بلکہ غور وفکر اور دلیل کی طلبی نہایت ہی ضروری ہے۔

احکام صریحہ: ایسے شرعی احکام ومسائل جن کا ذکر قرآن وحدیث میں صراحت کے ساتھ موجود ہو وہ

احکام صریحہ کہلاتے ہیں۔مثلاً پنج وقتہ نمازیں، ماہ رمضان کے روزے، ایام حج میں حج کی ادائیگی اور مالداروں پر زکوٰۃ کا ادا کرنا وغیرہ اور ایسے احکام صریحہ میں کسی بھی امام ومجتہد کی تقلید و پیروی درست نہیں ہے۔

احکام مستنبطہ : ایسے شرعی احکام جو قرآن وحدیث میں وضاحت کے ساتھ مذکور نہ ہوں لیکن اخبار احاد اور کلام الٰہی کی روشنی میں قیاس کے ذریعہ استنباط واجتہاد کے ذریعہ نکالے گئے ہوں جیسے عورتوں کے ساتھ اغلام بازی کی حرمت اور بھینس کے گوشت کی حلت وغیرہ۔(ماہنامہ جام نور؛جنوری،۲۰۰۷،ص:۱۸)

چنانچہ ایسے مسائل کی وضاحت نہ تو کلام الٰہی میں ہے اور نہ حدیث رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے مگر مجتہدین نے قرآن وحدیث میں مذکورہ احکام صریحہ پر قیاس کرتے ہوئے اغلام بازی کو حرام اور بھینس کے گوشت کو حلال قرار دیا ہے لہذا ایسے ہی شرعی احکام میں تقلید ضروری ہے۔

وجوب تقلید قرآن وتفسیر کی روشنی میں

اولاً وجوب تقلید آیات قرآنیہ اور تفاسیر کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں:

’’یٰایھا الذین اٰمنوا اطیعوا االله واطیعوا الرسول و او لی المر منکم‘‘(۵۹.النساء:۵)

اے ایمان والوں!حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور اپنے اولوالامر کا۔اس آیت کریمہ میں ’’اولو الامر‘‘ سے مراد فقہا ومجتہدین ہیں۔جیسا کہ سید المفسرین حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے تفسیر ابن کثیر میں ہے۔’’قال علی بن ابی طلحه عن ابن عباس’’ و اولی الامر منکم‘‘ یعنی اهل الفقه والدین و کذا قال مجاهد و عطا والحسن البصری وابو العالیة’’او لی الامر ‘‘ یعنی العلماء و الظاهر والله اعلم. أنها عامة فی کل الامر من الامراء والعلماء کما تقدم‘‘(تفسیر ابن کثیر ج:۲،ص:۳۰۴)

علی بن ابی طلحہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اولوالامر سے مراد فقہا و ائمہ دین ہیں، یونہی مجاہد،عطا،حسن بصری اور ابو العالیہ سے منقول ہے کہ اولوالامر سے مراد علماء ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہ کلمہ تمام اصحاب امراء کو عام ہے جیسا کہ بیان ہو چکا۔

دارمی باب الاقتدا بالعلما میں بھی اولوالامر سے مراد اہل فقہا کو بتایا گیا ہے۔امراء کی اطاعت امور شرعیہ میں ماتحتوں پر واجب ہے اور خود امراء پر فقہا کی اطاعت واجب ہے تو فقہا انکے لئے بھی او لوالامر ہوئے۔حدیث میں ہے کہ حضور سید دوعالم صلیٰ اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس کے لئے یہ دعاء فرمائی" اللھم فقھه فی الدین و علمه التاویل" اے اللہ انھیں دین کا فقیہ بنا اور تفسیر قرآن کا علم عطا فرما۔اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ایمان والوں پر اللہ کی اطاعت بھی واجب ہے اور رسول اللہ کی اطاعت بھی واجب ہے اور فقہا کی اطاعت بھی واجب ہے۔جو احکام کتاب اور سنت رسول اللہ سے صراحۃً ثابت نہ ہو بلکہ انہیں فقہائے دین نے کتاب وسنت کے نصوص سے اجتہاد کر کے نکالا ہو،انہیں میں ان کی تقلید واجب ہے۔مگر یہ تقلی دمحض عرفاً ہے کیوں کہ اللہ عزوجل کے حکم سے ان کی اطاعت کی جاتی ہے۔اللہ عزوجل دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے" و لو ردوہ الی الرسول واولی الامر منھم لعلمه الذین یستنبطونه منھم" (۸۳النساء:۵) اور اگراس اس میں رسول اور اپنے اولو الامر کی طرف رجوع کرتے تو ضرور وہ لوگ اس کی حقیقت جان لیتے جو ان میں سے استنباط کرتے ہیں ۔اس آیت سے کریمہ سے معلوم ہوا کہ علم دو طرح کا ہے ایک وہ جو بہ نص قرآن حاصل ہو اور دوسرا وہ جو قرآن وحدیث سے استنباط کے ذریعہ حاصل ہو۔ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو کہ دینی امور میں ہر شخص کو دخل دینا جائز نہیں۔ بلکہ جو اہل ہو اسی کو استنباط کرنا چاہئے اور جو اس کا اہل نہ ہو تو اسے اہل علم کی طرف رجوع کرنا چاہئے قرآن حکیم اسی کا حکم دیتا ہے۔یہ اور اسی نوع کی دوسری آیات کریمہ سے ثابت ہے کہ ہر شخص نصوص قرآن وسنت سے احکام اخذ کرنے کا اہل نہیں ہے۔اس لئے اس پر فقیہ ومجتہد کی اطاعت اور اس کی طرف رجوع لازم ہے۔یہی وہ دلائل ہیں جن کی بنیاد پر ائمہ مذاہب اربعہ کی تقلید کی جاتی ہے اور یہ فی الواقع ان آیات قرآنیہ پر عمل اور اللہ عزوجل کی اطاعت ہے (ماہنامہ اشرفیہ، دسمبر،۲۰۰۷،ص:۱۱)

اللہ عزوجل قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔"فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون" (۴۳؛النحل،۱۴،۷:الانبیاء:۱۷) ترجمہ:اگر تمہیں علم نہ ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔اس آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو شخص مسئلہ کو نہ جانتا ہو وہ اہل علم سے دریافت کرے۔اجتہادی مسائل جن کے نکالنے کی ہم میں طاقت نہ ہو مجتہدین سے دریافت کریں اور اس پر عمل کریں اور یہی چیز تقلید کہلاتی

ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔"واستدل بھا ایضاً علی وجوب المراجعة للعلماء فیما لا یعلم و فی الاکلیل للجلال.... السیوطی أنه استدل علی جوز التقلیدالعامی فی الفروع" ترجمہ: اوراس آیت سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ جس چیز کا علم خود نہ ہواس میں علماء سے رجوع کرنا لازم ہے، اور علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ اکلیل میں لکھتے ہیں کہ اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ عام آدمیوں کے لئے فروع مسائل میں تقلید جائز ہے۔ اور خطیب بغدادی یوں تحریر فرماتے ہیں"أما من یسوغ له التقلیدفھو العامی الذی لا یعرف طرق الاحکام الشریعه، فیجوزله ان یقلد عالماً و یعمل بقوله الله تعالیٰ"فاسئلوا أھل الذکر ان کنتم لا تعلمون" ترجمہ۔ رہا یہ مسئلہ تقلید کس کے لئے جائز ہے سو یہ وہ عامی شخص ہے جواحکام شریعہ کے طریقے نہیں جانتا پس اس کیلئے جائز ہے کہ وہ کسی علم کی تقلید کرے اور اس کئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا"فاسئلوا أھل الذکر ان کنتم لا تعلمون"اس کے بعد خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عمرو بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا ہے، کہ آیت بالا میں"أھل الذکر" سے مراد اہل علم ہیں (مطالعہ سلفیت واہل حدیث: ص:۳۱)

وجوب تقلید احادیث کی روشنی میں

ثانیاً وجوب تقلید پر احادیث مع تشریحات ملاحظہ فرمائیں۔" عن معاذ ابن جبل قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ان الشیطان ذئب الانسان کذئب الغنم یاخذ الشاة والقاصیة والناحیة ایاکم والشعاب وعلیکم با لجماعت والعامة" رواہ احمد. (مشکوٰۃ باب الاعتصام، ص: ۳۱) ترجمہ: حضرت معاذ ابن جبل سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیطان انسان کا بھیڑیا ہے بکری کے بھڑیا کی طرح، اور وہ اس بکری کا شکار کرتا ہے جو ریوڑ سے علیحدہ یا کنارے چرتی ہے۔ ایسے ہی شیطان جماعت مسلمین سے الگ رہنے والوں کا شکار کرتا ہے۔ تو تم گھاٹیوں (تنہائیوں) سے بچو جماعت عامۃ المسلمین کے ساتھ رہو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جماعت عامۃ المسلمین کی اقتدا ضروری ہے جو ہمیں شیطانی شکنجہ سے بچائے۔ پس اگر ہم نے ترک تقلید کی تو عامۃ المسلمین کی اقتدا چھوٹ جائیگی۔ لہذا اس وجہ سے بھی تقلید ضروری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلمارشادفرماتے ہیں۔قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ’’اتبعوا السوادا الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار رواہ ابنماجہ‘‘ (مشکوٰۃ:باب الاعتصام،ص:۳۰)
ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ بڑے گروہ کی اتباع کروکیوں کہ جومسلمان کی جماعت سے علیحدہ رہاوہ دوزخ میں علیحدہ ہی جائیگا۔اس حدیث پاک میں سواداعظم کی اتباع کاحکم دیا گیاہے۔ظاہرہے کہ سواداعظم مقلدین کا گروہ ہے۔لہذاجوشخص تقلیدکاانکارکرکےگروہ مقلدین سے نکلےاس کاٹھکانابمقتضائے حدیث جہنم ہے۔اب ہرشخص کواختیارہےاگرچاہےتوتقلیداختیارکرکےسواد اعظم کےساتھ جنت میں چلاجائے ورنہ غیرمقلدبن کرجہنم کاایندھن بن جائے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاایک اورارشادملاحظہ فرمائیں۔’’عن ابن عمر قال قال رسول اللہ تعالی علیہ وسلم ان اللہ لا تجمع امتی علی ضلالۃو ید اللہ علی الجماعۃ ومن شذ شذ فی الناررواہ الترمذی‘‘(مشکوٰۃ:باب الاعتصام ص:۳۰)ترجمہ:حضرت عبداللہ ابن عمررضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کوگمراہی پرکبھی متفق نہیں فرمائیگااور جماعت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہےاور جو جماعت سے علیحدہ ہواوہ دوزخ میں بھی علیحدہ ہی جائیگا۔اس حدیث سے معلوم ہواکہ امت محمدیہ کوکبھی بھی اللہ تعالیٰ گمراہی پرمتفق نہیں فرمائیگا۔اورمنجانب اللہ مجتہدکواجتہادپرثواب ملتاہےخواہ اس کااجتہاد غلط ہی کیوں نہ ہو،تومعلوم ہواکہ جماعت مجتہدین پراللہ کی رحمت ہےلہذاجواس سے الگ ہواگاتو اس کاٹھکاناجہنم ہےپس نتیجہ برآمدہواکہ تقلیدضروری ہے۔

وجوب تقلیداوراکابراسلام کاعمل

ہمیشہ سے ہرطبقہ کےمسلمان مقلدرہےخواہ محدثین ہوں یامفسرین،فقہاہوں یااولیاءاللہ ان میں سےکوئی غیرمقلدنہیں۔جیسا کہ شیخ تاج الدین سبکی نے اپنی طبقات میں صراحۃً فرمایا’’ کان البخاری امام المسلمین و قدوۃ المومنین وشیخ الموحدین والمعول علیہ فی احادیث سید المرسلین قال وقد ذکر ابوعاصم فی طبقات اصحابنا الشافعیہ‘‘ (الحطہ مصنفہ نواب صدیق حسن خان،فصل ۲،ص:۱۲۱،بحوالہ فقہ الفقیہ ص:۶۷)

ترجمہ: امام بخاری علیہ الرحمہ امام المسلمین، قدوۃ المومنین، شیخ الموحدین اور حدیث سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں معول علیہ تھے۔ انھوں نے کہا کہ ابو عاصم نے امام بخاری کو شافعیہ میں شمار کیا ہے۔ نواب صدیق حسن خان والئی بھوپال، غیر مقلدین کے اکابر میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ان کی یہ عبارت صاف ظاہر کر رہی ہے کہ حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ مے مقلد تھے۔ موجودہ دور کے غیر مقلدین نواب صاحب کی اس عبارت میں غور وفکر کریں کہ جب امام بخاری جیسے محدث تقلید کر رہے ہیں تو انھیں بھی ضروری ہے کہ ترک تقلید سے کنارہ کشی کر کے کسی مجتہد کے دامن سے وابستہ ہو جائیں۔

جناب صدیق حسن خان کی دوسری عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابو داؤد مقلد تھے ملاحظہ ہو۔ " **الامام ابو دائود سلیمانبن الا شعث اعدہ الشیخ ابو اسحٰق شیرازی فی طبقات الفقہاء من جملة اصحاب الامام احمد و اختلف فی مذھبه فقیل حنبلی و قیل شافعی**" (الحطہ، مصنفہ نواب حسن خان، ص: ۱۲۰، بحوالہ فقہ الفقیہ، ص: ۶۸) امام ابو داؤد سلیمان بن الاشعث، جنکو شیخ ابو اسحٰق شیرازی نے طبقات الفقہا میں امام احمد بن حنبل کے اصحاب میں شمار کیا ہے ان کے مذہب اختلاف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ حنبلی تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ شافعی تھے۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ امام ابو داؤد حنبلی تھے۔ اگر حنبلی نہ تھے تو شافعی یقیناً تھے۔ ابن تیمیہ وہابیوں کے امام ہیں مگر وہ بھی مقلد تھے۔ اس کا اعلان بھی نواب صدیق حسن کر رہے ہیں۔ "**احمد بن حلیم بن مجد الدین عبد السلام بن عبید اللہ بن ابی القاسم بن تیمیہ الحرانی ثم الدمشقی الحنبلی صاحب منہاج السنة**" (منقول من الفوائد البیہہ، مصنفہ نواب صدیق حسن خان، ص: ۸، بحوالہ فقہ الفقیہ، ص: ۶۹) ترجمہ: احمد بن حلیم مجد الدین عبد السلام بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن ابی القاسم بن تیمیہ حرانی دمشقی، صاحب منہاج السنۃ حنبلی تھے۔

اور نیز مذکورہ بالا عبارت میں غور وفکر فرمالیجئے اور خد فیصلہ کیجئے کہ جب امام بخاری جیسے تاج المحدثین اور دیگر اکابر محدثین مقلد گزرے۔ مشکوٰۃ شریف اور بلوغ المرام کا اردو ترجمہ پڑھ کر نام نہاد مولوی کس شمار میں ہیں۔ کیا موجودہ دور کے وہابی، غیر مقلد امام بخاری، امام ابو داؤد امام نسائی وغیرہ سے زیادہ قرآن وحدیث کو سمجھنے کی طاقت رکھتے ہیں؟ کیا یہ لوگ ابن تیمیہ سے زیادہ علم رکھتے ہیں؟ اگر نہیں تو

ضروری ہے کہ وہی راستہ اختیار کیا جائے جو محدثین کرام نے اختیار کیا ۔اسی میں فلاح وکامیابی ہے۔کیوں کہ تمام کے تمام محدثین کرام مقلد تھے جیسا کہ مندرجہ بالاتحریر سے معلوم ہوا۔

وجوب تقلید عقلی دلائل کی روشنی میں

عقل کا بھی یہی تقاضہ ہیکہ تقلید اشد ضروری ہے دنیا میں ہر شخص کسی پیشوا کا مقلد ہوتا ہے جیسے کوئی کام بغیر کسی دوسرے کی پیروی کے نہیں کرسکتا۔ ہر ہنر اور علم کے قواعد سب میں اس کے ماہرین کی پیروی کرنی ہوتی ہے ۔اور رہا دین کا معاملہ تو دنیا سے کہیں زیادہ اہم اور مشکل ہے اس میں بھی اس کے ماہرین کی پیروی کرنی ہوگی۔علم حدیث میں تقلید ضروری ہے کہ فلاں حدیث اس لئے ضعیف ہے کہ امام بخاری نے فلاں راوی کو ضعیف کہا ہے۔ان کا قول ماننا یہ ہی تقلید ہے قرآن کی قرأت میں قاریوں کی تقلید ہے کہ نے اس طرح اس آیت کو پڑھا ہے۔قرآن کے اعراب، آیات سب میں تقلید ہی تو ہے ۔ایسے ہی نماز جب جماعت کے ساتھ ہو تو امام ہی کی سب مقتدی تقلید کرتے ہیں اگر امام کی تقلید نہ کرے تو نماز ہی نہ ہوگی اس سے سمجھ میں آیا کہ تقلید ضروری ہے اسی طرح حکومت اسلامی میں تمام مسلمان ایک بادشاہ کی تقلید کرتے ہیں غرضیکہ انسان اپنے ہر فعل وعمل میں تقلید کرتا ہوا نظر آتا ہے۔اور خیال رہے کہ ان تمام صورتون میں تقلید شخصی ہے۔ مشکوٰۃ: کتاب الجھاد باب آداب السفر میں ہے کہ ''اذا کان ثلٰثة في سفر فلیئومروا احد ھم'' ترجمہ: جب کی تین آدمی سفر میں ہون تو ایک کواپنا امیر بنالیں۔ مذکورہ تحریر سے نتیجہ عقلی یہی نکلا کہ تقلید ضروری ہے (جاءالحق حصہ اول ص:۲۶)

تقلید شخصی واجب ہے

فقہ اسلامی کے چار اماموں امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، اور امام احمد بن حنبل میں سے کسی ایک معین امام کی تقلید واجب ہے، اور نجات والا گروہ اب انھیں چار مذاہب میں منحصر ہے۔جیسا کہ علامہ سید احمد طحطاوی مصری فرماتے ہیں۔'' **ھذہ الطائفة النا جیة قد اجتمعت الیوم فی مذاھب اربعة وھم الحنفیون والمالکیون، والشافعیون والحنبلیون رحمھم اللہ تعالیٰ ومن کان خارجاً عن ھذہ الاربعة فی ھذہ الزمان فھوع من اھل البدعة والنار''**

ترجمہ:اور یہ نجات والا گروہ اب چار مذاہب میں مجتمع ہے،حنفی ، مالکی ،شافعی اور حنبلی اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمت نازل فرمائے۔اس زمانے میں ان چار سے باہر ہونے والا بدعتی اور جہنمی ہے۔(حاشیہ الطحطاوی علی الدرر، ج۴،ص:۱۵۳ ،بحوالہ فتاویٰ رضویہ، مترجم ج:۶،ص:۶۷۱)

امام غزالی علیہ الرحمہ احیاء العلوم میں یوں فرماتے ہیں۔ ''مخالفتہ للمقلد متفق علیٰ کونہ منکراً بین المحصلین ۔'' تمام منتہی فاضلوں کا اجماع ہے کہ مقلد کا اپنے امام مذہب کی مخالفت شنیع اور واجب الانکار ہے۔(فتاویٰ رضویہ مترجم ج:۶ص:۷۰۶)

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔''بعد الماتین ظہر بینھم التمذھب للمجتھدین باعیانھم و قل من کان لا یعتمد علی مذھب مجتھد بعینیہ.'' (الانصاف،ص:۵۹،بحوالہ فتاویٰ رضویہ مترجم ج:۶ ص؛۷۰۳،۷۰۴) ترجمہ: دوصدی کے بعد مسلمانوں میں تقلید شخصی نے ظہور کیا اور جو ایک امام معین کے مذہب پر اعتماد نہ کرتا ہو یہ گروہ بہت تھوڑا رہا۔اس دور میں چار ہی اماموں میں کسی ایک کے مذہب کی تقلید واجب ہونے کی وجہ غیر مقلدین کے معتمد قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیر مظہری میں یہ بیان کی ہے۔''اہلسنت تین چار قرن کے بعد ان چار مذاہب پر منقسم ہوگئے۔اور فروع مسائل میں ان مذہب اربعہ کے سوا کوئی مذہب باقی نہ رہا''(فتاویٰ رضویہ مترجم ج۶ ص:۷۰۵) یہی بات شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ بھی بیان فرماتے ہیں۔''تبع تابعین کے دور میں حوادث و واقعات اور مسائل بکثرت پیدا ہوئے ،اجتہاد کی کثرت ہوئی، احدیث اور مسائل فقیہ میں اختلاف عام ہوا،اس وقت مشہور چار اماموں کے علاوہ بہت سے مجتہدین تھے،لیکن مشرق ومغرب میں چار اماموں کے پیروکار ہی باقی رہے۔مغرب کے تمام لوگ مالکی ہیں ان میں کوئی بھی غیر مالکی نہیں۔روم، ماوراء النہر(وسط ایشیائی ممالک) اور ہندوستان کے تمام باشندے حنفی ہیں ان میں کوئی بھی غیر حنفی نہیں۔(الا ماشاء اللہ) دوسرے ممالک میں شافعیہ اور حنابلہ ملے جلے ہیں، البتہ شافعیہ کی اکثریت ہے''(تعارف فقہ وتصوف،تصنیف: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ترجمہ علامہ عبدالحکیم شرف قادری ص:۲۰۲،۲۰۳،بحوالہ ازالہ فریب بجواب تقلید شخصی کے آسیب ص:۵۲)

تقلید بہت ضروری ہے

تمام خواص اس بات کو جانتے ہیں کہ ہر چیز کا شرعی حکم قرآن وحدیث میں صراحۃ مذکور نہیں ہے بلکہ بعض احکام اجتہاد کے ذریعہ معلوم ہوتے ہیں۔اس لئے اجتہاد کی ضرورت مسلم ہے اوراس کی ترغیب قرآن مجید میں دی گئی ہے ملاحظہ فرمائیں،"و انزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم و لعلھم یتفکرون" (۴۳:النحل،۱۴) اور ہم نے آپ کی طرف قرآن اتارا تا کہ آپ لوگوں سے وہ بات بیان کردیں جوان کے پاس بھیجی گئی ہیں تا کہ وہ بھی غوروفکر کریں۔جن باتوں میں غوروفکر کی ترغیب دی گئی ہے وہ یہی اجتہادی مسائل ہیں جن میں مجتہد اجتہاد فرماتے ہیں۔ایک بات اور بھی ہے کہ ہر مسلمان علم نہیں ہوتا۔یا عالم ہوتو اتنا بڑا عالم نہیں ہوتا اور نہ ہر ایک عالم کے پاس اتنی زیادہ ذہانت وفقاہت ہی ہوتی ہے کہ وہ خود سے اجتہاد کر کے شرعی احکام معلوم کر سکے،اس لئے دوسرے دریافت کر کے اس کی تقلید کرنی پڑے گی۔قرآن میں دریافت کرنے کا حکم بھی موجود ہے۔"فاسئلو اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون" (۷:الانبیاء:۱۴) اگر تم نہ جانتے ہوتو جان کاروں سے پوچھ لیا کرو۔"اھل الذکر" سے مراد وہ مومنین ہیں جوقرآن کا علم رکھتے ہیں توان سے پوچھ لواگر خود نہیں جانتے ہو۔

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں علامہ سیوطی علیہ الرحمہ درمنثور میں فرماتے ہیں:"اخرج ابن مردویۃ عن انس قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الرجل یصلی و یصوم ویحج یغزو وانہ لمنافق قالو یا رسول اللہ بماذا دخل علیہ النفاق قال لطعنہ علی امامہ وامامہ من قال قال اللہ فی کتابہ"فاسئلو ااھل الذکر ان کنتم لا تعلمون" ابن مردوی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے سنا کہ ایک شخص نماز پڑھتا ہوگا،روزے رکھتا ہوگا،حج کرتا ہوگا اور جہاد کرتا ہوگا لیکن وہ منافق ہوگا۔صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ وہ کس وجہ سے منافق ہوگا؟ آپ نے فرمایا اپنے امام پر طعنہ کرنے کی وجہ سے،امام کون ہے؟ فرمایا رب تعالی کا ارشاد ہے "فاسئلوا اھل الذکر الخ"اور نیز حدیث پاک میں پوچھنے کی بات کہی گئی ہے "انما شفاء العی السوال" عاجز کی شفا پوچھنے میں ہے۔

مذکورہ بالاتحریر سے معلوم ہوا کہ عام مسلمان جوقرآن وحدیث سے براہ راست شرعی احکام کا استخراج

نہیں کر سکتے، انہیں کسی مجتہد سے وابستہ رہنا یعنی اسکی تقلید کرنا ضروری ہے (احکام نماز اور اتباع سنت ص؛۲۳،ازالہ فریب بجواب تقلید شخصی کے آسیب،ص:۶۱،۶۲)

اعتراض اور اس کا جواب

اعتراض: اگر کوئی معترض اعتراض کرے کہ اگر تقلید ضروری ہے تو صحابہ کرام کیوں کسی کے مقلد نہ ہوئے۔؟

جواب: صحابہ کرام کو کسی کی تقلید کی ضرورت نہ تھی کیوں کہ **عالم ماکان و مایکون دانائے غیوب** صلی اللہ علیہ وسلم سے اور تابعین صحابہ کرام سے قریب تھے انہیں جو ضرورت در پیش آتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یا تابعین صحابہ کرام سے براہ راست دریافت کر لیتے تھے۔ اس لئے ان کو تقلید کی ضرورت نہ ہوئی۔ بلکہ صحابہ کرام اور تابعین تو سارے مسلمانوں کے پیشوا ہیں خود ائمہ کرام بھی انہیں کی تقلید کرتے ہیں مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے''**اصحابی کالنجوم فبایهم اقتدیتم اهتدیتم**'' (مشکوٰۃ ص:۵۵۴) میرے صحابہ ستاروں کے مثل ہیں تم ان میں سے جن کی اقتدا کروگے ہدایت یاب ہو جاؤگے۔مشکوٰۃ کے اسی باب میں ہے''**علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین**'' (مشکوٰۃ، ص:۵۵۴) تم پر میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے۔ یہ سوال تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ ہم کسی کے امتی نہیں۔ کیوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے امتی نہ تھے۔تو امتی نہ ہونا حضور کی سنت ہے۔تو اس سے یہ بھی کہا جائیگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود نبی ہیں سب آپ کی امت ہیں وہ کے امت ہوتے۔ ہمکو امتی ہونا ضروری ہے ایسے ہی صحابہ کرام تمام مسلمانوں کیا امام و پیشوا ہیں ان کا کون مسلمان امام ہوتا۔آپ نے عید بقرعید کے موقع پر نماز پڑھنے والوں کی کثرت دیکھی ہوگی اور یہ بھی دیکھا ہوگا کہ پچھلی صف کے مقتدیوں کو مکبرین کی آواز کی ضرورت پڑتی ہے لیکن امام سے قریب اگلی صف کے مقتدیوں کو امام کی آواز کافی ہوتی ہے۔اب آپ خود اچھی طرح سمجھ گئے ہونگے کہ ہم چونکہ پچھلی صف کے امتی ہیں ہمیں ائمہ کرام کی تقلید کی ضرورت اور صحابہ و تابعین اگلی صف کے،لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ لوگ زیادہ قریب تھے جب انہیں کوئی معاملہ در پیش ہوتا تو وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے تھے اس لئے ان کو کسی کی تقلید کی ضرورت نہیں پڑی۔ (تقلید شخصی کیوں ضروری ہے،ص:۱۹،۲۰)

تقلید مذاہب اربعہ ہی کیوں ضروری ہے

صرف ان چاروائمہ کی ہی تقلید ہوسکتی ہے ان کے علاوہ اورکسی کی نہیں کیوں کہ ان حضرات نے ہی وہ قوانین وضوابط مرتب فرمائے ہیں جنکے ذریعہ مسائل کا حل نکالا جاسکتا ہے اورتمام لوگ ان کے ہی پیرو کار ہیں ۔جس کی صراحت امام ابن حجرمکی نے **فتح المبین شرح الاربعین للامام النوی** میں بیان فرمائے ہیں ۔’’ **واما فی زماننا فقال بعض ائمتنا لا یجوز تقلید غیر الائمة الاربعة الشافعی و مالکی و ابی حنیفة واحمد بن حنبل رضوان الله تعالی علیهم اجمعین لأن هئولاء عرفت قواعد مذهبهم واستقرت أحكامهم وخدم تابعوهم وحرروها فرعاً فرعاً وحکماً حکماً فلا یوجد الا وهو منصوص لهم اجمالاًاو تفصیلاً بخلاف غیرهم فان مذاهبهم لم تحرر ولمتدون کذٰلک** ‘‘ یعنی ہمارے زمانہ میں ائمہ کےعلاوہ کسی اورکی تقلید جائز نہیں ۔کیوں کہ ان حضرات کے مذاہب کےقواعد معروف ہیں اوراحکام مستقر اوران کے متبعین نے ان قواعد واحکام کوتفصیل سے لکھا ہے اس کے نتیجہ میں صرف وہی قواعد پائے جاتے ہیں جوان سے اجمالا یاتفصیلامنصوص ہیں اور دوسرے مذاہب میں اس طرح نہ لکھے گئے نہ ہی جمع کئے گئے ہیں ۔نیز قرآن کریم کی مشہورتفسیر صاوی شریف میں بالکل صراحت سے بیان ہواہے’’ **لا یجوز تقلید ماعدا المذاهب الاربعة** ‘‘یعنی ائمہ اربعہ کےعلاوہ کسی کی تقلید جائزنہیں اورتفسیر صاوی ہی میں مذکورہ عبارت کےتھوڑاآگے یوں لکھاہے’’ **والخارج عن المذاهب الاربعة ضال مضل** ‘‘جوان چار مذاہب سے خارج ہے وہ گمراہ ہےاوردوسروں کوگمراہ کرنے والا ہے ۔(تقلید شخصی کیوں ضروری ہےص:۲۲،۲۳)

مذاہب اربعہ کےبغیرتقلید منع ہے

مذاہب اربعہ کےعلاوہ کی تقلید کرنامنع ہےجیسا کی صاحب تفسیر صاوی’’واذکرربک اذانسیت‘‘ کےتحت یوں بیان فرماتے ہیں’’ **لا یجوزتقلید ما عدا المذاهب الاربعة و لو وافق قول الصحابه و الحدیث الصحیح والایة فالخارج عن المذاهب الاربعة ضال مضل وربما اداه ذٰلک الی الکفر الان الاخذبظواهر الکتاب والسنة من اصول الکفر** ۔‘‘ان چاروں مذاہب کے علاوہ کسی اورمذہب کی تقلید درست نہیں اگرچہ وہ بظاہر صحابہ کےقول اورحدیث اورکسی آیت کےمطابق

ہی کیوں نہ ہو، جوان چار مذاہب سے خارج ہے وہ گمراہ ہے اور گمراہ کرنے والا ہے کیوں کہ بسا اوقات یہ کفر تک پہنچا دیتا ہے اس لئے کہ قرآن وحدیث کے ظاہری معنی مراد لینا اور ان کی حقیقت کو نہ سمجھنا کفر کی جڑ تک پہنچا دیتا ہے۔(احکام نماز اور اتباع سنت،ص:۲۲)

مذاہب اربع حق ہے

مذہب حنفی، مذہب شافعی، مذہب مالکی اور مذہب حنبلی چاروں حق ہیں ان چاعوں مذاہب میں سے کسی کی تقلید کی جائے صحیح ہے۔تقلید کرنے والا گنہگار نہ ہوگا کیوں کہ مجتہد سے اجتہاد میں خطاء بھی ہوجائے تو بھی وہ گنہگار نہیں ہوگا۔ وہ اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرے تو اس کا عمل صحیح ہوگا اور اسکی تقلید بھی اس اجتہاد میں صحیح ہوگی۔''أن المجتهد يخطى و يصيب والحق فى مواضع الخلاف واحد لكن لايعلم ذٰلك الواحد باليقين فهذا قلنابحقية المذاهب والاربعه اى الحنفى والشافعى والمالكى والحنبلى'' (نور الانوار،قمر الاقمار،ص:۲۵) بیشک مجتہد سے اجتہاد میں کبھی خطاء واقع ہوجاتی ہے۔اور کبھی اس کا اجتہاد درست ہوتا ہے جب اس کے اجتہاد میں اختلاف ہوتو حق ایک ہی ہوگا کیوں کہ یقینی طور پر معلوم نہیں کہ کس اجتہاد میں حقانیت ہے اس لئے چاروں مذاہب یعنی حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی حق ہیں۔ایک حق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک ہی حق ہے۔''أن الله تعالىٰ فى كل مسئا لة فيها المجتهدون حكماًمعيناً فمن اصابه اصاب ومن اخطأه اخطاء'' (قمرالاقمار حاشية نور الانوار،ص:۲۵) یعنی جس مسئلہ میں مجتہدین کا اختلاف ہوگا ان مختلف اجتہادات میں سے اللہ تعالی کے نزدیک ہی حکم معین ہوگا جس کو اللہ تعالی کی طرف سے توفیق کامل حاصل ہوئی تو اس نے راہ حق کو پالیا اور دوسرے سے خطاء واقع ہوگئی۔لیکن تقلید کرنے والے صرف دلائل کی برتری اور طرز استدلال کو دیکھ کر کسی ایک مذہب کو ترجیح دیں گے اس لئے جس کو غالب سمجھ کر کسی نے تقلید کرلی وہی اس کے نزدیک درست وحق ہوگا۔ مذکورہ سطروں سے معلوم ہوا کہ مذہب اربع حق ہیں اور ان میں سے جن کی تقلید کی جائے درست وحق ہے۔(احکام نماز اور اتباع سنت،ص:۲۱،۲۲)

کس پر تقلید کرنا واجب ہے اور کس پر نہیں

مکلّف مسلمان دوطرح کے ہیں۔ایک مجتہد، دوسرے غیر مجتہد، مجتہد وہ ہے جس میں اس قدر علمی لیاقت وقابلیت ہوکہ قرآنی ارشادات ورموز کو سمجھ سکے، اور کلام کے مقصد کو پہچان سکے، اس سے مسائل نکال سکے، ناسخ ومنسوخ کا مکمل علم رکھتا ہو، علم نحو وصرف اور علم بلاغت وغیرہ میں اسکو مکمل طور سے مہارت حاصل ہو، احکام کی آیتوں اور احادیث پر اس کی پوری نظر ہو، اس کے علاوہ ذکی اور خوش فہم ہو، اور جوان خصوصیات کا حامل نہ ہو وہ غیر مجتہد ہے اس پر مجتہد کی تقلید ضروری ہے۔

طبقات مجتہد: مجتہدین کے چھ طبقے ہیں جن کو ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

مجتہد فی الشراع: یہ فقہائے اسلام کا وہ طبقہ ہے جنہیں اصولی قواعد کی تاسیس، کتاب و سنت، اجماع اور قیاس سے فرعی احکام کے استنباط کی ذاتی سطح پر استعداد حاصل ہو اور وہ اصول وفروع میں کسی کی تقلید کے محتاج نہ ہوں جیسے سراج الامہ امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اجمعین۔

مجتہد فی المذہب: یہ ایسے فقہا ہیں جن میں مجتہد فی الشراع کی ساری صلاحیتیں موجود ہوں لیکن وہ ہم خود کو اصول میں کسی مجتہد مطلق کا تابع رکھتے ہوں اور ان کے بنائے ہوئے اصول کی روشنی میں کتاب وسنت، اجماع امت، اور قیاس سے مسائل کے استخراج کی صلاحیت رکھتے ہوں یعنی اصول میں مقلد ہوں اور فروع میں مجتہد ہوں، جیسے حضرت امام ابو یوسف، امام محمد اور امام عبداللہ بن مبارک وغیرہ تلامذہ امام اعظم قدست اسرارہم۔

مجتہد فی المسائل: یہ ایسے فقہا ہیں جو اصول وفروع دونوں میں مجتہد فی الشراع کے تابع ہوں اور ان کے وضع کردہ اصول وفروع کی روشنی میں ایسے مسائل کا استنباط کر سکتے ہوں، جنکے بارے میں ائمہ مذاہب سے کوئی روایت نہیں ملتی۔ جیسے امام ابو بکر خصاف، امام ابو جعفر طحاوی، شمش الائمہ سرخسی اور فخر الاسلام بزدوی ہیں۔

اصحاب تخریج: یہ ایسے فقہا کا طبقہ ہے جو اجتہاد واستنباط کی مستقل قدرت نہ رکھتے ہوں۔البتہ ائمہ مذاہب کے وضع کردہ سارے اصول وفروع پر گہری نظر ہو، جس کی روشنی میں یہ مجمل کی تشریح محتمل

کی تعین مثالوں کے حوالے سے کر سکتے ہوں، جیسے امام ابوبکر احمد علی رازی اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

اصحاب ترجیح: یہ حضرات اصحاب تخریج سے کمتر فقاہت کے حامل ہوتے ہیں اور ائمہ مذاہب سے منقول روایات میں سے اصول فروع کی روشنی میں بعض کو بعض پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں جیسے ابوالحسن قدوری اور صاحب ہدایہ امام ابوالحسن بن علی فرغانی مرغینانی وغیرہ ''ھذا اولیٰ،ھذا اصح اور ھذا اوفق للقیاس'' جیسے اقوال ان کی پہچان ہوتے ہیں۔

اصحاب تمیز: فقہا کا یہ گروہ مذہب کے قوی اور ضعیف، مقبول اور مردود اقوال میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ظاہر الروایہ اور نادر روایات کے درمیان امتیاز کی قدرت ان میں موجود ہوتی ہے، جیسے اصحاب متون معتبرہ مثلاً صاحب مختار، صاحب وقایہ صاحب مجمع وغیرہ (فتاویٰ ملک العلماء، ص: ۲۵، ۲۶، اجتہاد وتقلید نمبر، ص؛ ۴۰)

مذکورہ بالا تحریر سے معلوم ہوا کہ ان میں ایسے ایسے افراد شامل ہیں، جن کی جوتیوں کی خاک بھی آج کے غیر مقلدین کو نصیب نہیں لیکن ان سب فضائل وکمالات کے باوجود یہ حضرات، ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کے مقلد ہی رہے جیسے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ یہ اصول وقواعد میں امام اعظم ابو حنیفہ کے مقلد ہیں اور مسائل چونکہ خود مجتہد ہیں اس لئے ان میں مقلد نہیں۔

تقلید کی اہمیت

تمام مسلمانوں کو اللہ عز وجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اطاعت واتباع کا حکم دیا ہے۔اور اتباع و اطارت موقوف ہے۔قرآن واحادیث کے حصول اور اس کے جاننے پر کہ ان میں کون ناسخ ہے، کون منسوخ، کون مجمل ہے کون محکم، کون خاص ہے، کون عام، کون ظاہر ہے کون خفی، کون نص ہے کون مشکل ،کون مفسر ہے، کون متشابہ وغیرہ وغیرہ سیکڑوں باتیں ایسی ہیں کہ جب تک انسان ان سب پر مکمل عبور حاصل کر کے قرآن وحدیث سے مسائل کے استنباط واستخراج پر کامل دست گاہ نہ رکھے۔قرآن وحدیث پر عمل ناممکن ہے۔

چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ''والذین یتو فون منکم و یذرون ازواجاً یتربصن بانفسھن اربعة اشھر وعشراً'' (۲۳۴، البقر، ۲) ترجمہ: اور تم میں جو مریں اور بیویاں چھوڑ

جائیں تو یہ اپنے آپ کو چار مہینے دس دن روکے رہیں ۔اس کے بعد اسی سورت میں اللہ کا ارشاد ہے ''والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجاً وصیة الازواجھم متاعاً الی الحول غیر اخراج'' ترجمہ: اورتم میں جو مریں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو ان کے لئے وصیت کر جائیں کہ ان کو سال بھر کا نان ونفقہ دیا جائے اور گھر سے نہ نکالا جائے۔

ایک ہی سورت ایک ہی پارہ ایک ہی مسئلہ کے بارے میں دو مختلف احکام ایسے مذکور ہیں کہ ان دونوں کو پڑھ کر آدمی چکرا جائے کہ وہ عمل کس پر کرے پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کی بیوی کی عدت چار مہینے دس دن ہے،اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی کی عدت ایک سال ہے،عربی زبان کا ماہر پروفیسر عربی زبان پر کتنا ہی عبور رکھتا ہو۔کس آیت پر عمل کرنا چاہیئے بتا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔اور آگے بڑھیئے ان دونوں آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بیوہ خواہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ اس کی عدت چار مہینے دس دن، یا ایک سال ہے۔مگر سورۃ طلاق میں حاملہ عورتوں کی عدت کے بارے فرمایا گیا:''واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن ''(۴،الطلاق:۲۸) ترجمہ: اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جن لیں۔اس ایک نقطہ پر آکر سورہ بقرا اور سورہ طلاق کی آیتوں میں شدید تعارض ہے۔ایک شخص مرا اس کی بیوی حاملہ ہے تو اس کی عدت کیا ہوگی۔چار مہینے دس دن یا ایک سال یا وضع حمل۔اور سنتے چلیئے اسی سورہ بقر میں ہے ''کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیراً الوصیة للوالدین والاقربین با لمعروف حقاً علی المتقین.'' ترجمہ:تم پر فرض کیا گیا کہ جب تم میں سے کسی کو موت آئے ، اگر وہ کچھ مال چھوڑے تو وہ ماں ، باپ اور قریبی رشتہ داروں کے لئے وصیت کرے ، پرہیز گاروں پر واجب ہے۔

لفظ اقربین عام ہے،اولاد، بھائی دادا، دادی وغیرہ سب کو شامل ہے۔اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ شریعت نے کسی کا کوئی حصہ مقرر نہیں فرمایا۔ یہ مورث کے ثواب دید پر ہے جس کے کئے جتنا چاہے وصیت کر جائے اس کی وصیت کے مطابق رشتہ داروں حتی کہ ماں ، باپ کو بھی ملے گا،مگر سورہ نساء کا دوسرا رکوع تلاوت کریں۔اس میں ماں ،۔باپ ،میاں ، بیوی ، بیٹی ، بیٹا ، پوتا ، پوتی وغیرہ کے شرعی سہام کی تعین تفصیل کے ساتھ کی گئی ہے۔عربی زبان کا کوئی کتنا ہی ماہر کیوں نہ ہو محض زبان دانی سے وہ اس گتھی کو ہرگز ہرگز نہیں سلجھا سکتا۔ایسی سورت میں امت عام افراد کو تقلید کئے بغیر چارہ نہیں اس لئے

کہ اگر تقلید کو بدعت سئیہ وحرام قرار دے دیا جائے تو پھر قرآن وحدیث پر عمل کرنا سوائے معدودے چند حضرات کے امت کے اکثر افراد کو محال ہو جائے پھر لازم یہ کہ پوری امت کو قرآن وحدیث پر عمل کرنا وسعت سے زیادہ تکلیف دینا ہوا جو نص قرآنی ”**لا یکلف اللہ نفساً الا وسعاھا**“ کے صریح منافی ہے۔لا جرم امت کے دو گروہ ہوئے۔ایک مجتہدین اور دوسرے غیر مجتہدین۔غیر مجتہدین کو حکم دیا گیا کہ وہ دینی معاملات میں مجتہدین کی طرف رجوع کریں اور ان کی اتباع کریں۔(مقالات شارح بخاری،ص:۲۸۳،۲۸۴)

خلاصہ کلام: یہ ہیکہ عامہ الناس پر تقلید کرنا واجب اور ضروری ہے اور ساتھ وہ علماء کرام جو درجہ اجتہاد تک نہیں پہنچ سکے،ان کے لئے بھی تقلید ضروری ہے۔البتہ جو صاحب اجتہاد ہیں ان کے کئے تقلید حرام ہے،انہیں نلوگوں کو ائمہ کرام نے اپنی تقلید سے منع فرمایا ہے۔نہ کہ عوام الناس کو تقلید سے روکا ہے،جیسا کہ ابن قیم اور شوکانی اور ان کے مقلدین کا گمان ہے۔اور تقلید کے بطلان پر ان کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں،چنانچہ علامہ زرکشی صاحب تحریر فرماتے ہیں”**ھٰذا الذی قالہ ممنوع، وانما منعوا المجتھد خاصۃ عن تقلیدھم دون من لم یبلغ ھذہ الرتبۃ**“ یعنی جو یہ کہا گیا ہے کہ ائمہ کرام نے اپنی تقلید سے عوام الناس کو روکا ہے،یہ صحیح نہیں بلکہ انہوں نے خاص مجتہدین کو منع فرمایا ہے۔نیز شروع سے لیکر اب تک دنیائے اسلام کے ہزاروں،لاکھوں اولیائے کرام،صوفیائے عظام و فقہائے اسلام اور علمائے دین کہ جنہوں نے ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی معین امام کی تقلید کی اور اس کے اثبات و وجوب قرآن وحدی کی روشنی میں تحریر کئے۔اور تادم حیات اپنے قول وفعل وعمل سے اس کا پرچار کرتے رہے اور انہیں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عصر حاضر کے علماء اہل حق اس اشاعت میں مصروف ہیں اور انشاء اللہ مصروف رہیں گے۔لہذا غیر مقلدین کو چاہئے کہ تقلید کے سبب مذکورہ تمام اولیاء امت،فقہائے ملت اور علماء وقت کے بدعتی وگمراہ اور مشرک ہونے کا اعلان عام کریں ورنہ توبہ کرکے مقلد ہو جائیں اور کسی امام کا دامن تھام لیں تا کہ خود بچیں اور اپنے آنے والی نسلوں کو بھی بچائیں۔جہنم کی بھڑکتی ہوئی اس آگ سے کہ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

بچ کے دوزخ سے جو آنا چاہو جنت کی طرف تو راہ باطل چھوڑ کر آؤ صداقت کی طرف

حالات

امام الائمہ سراج الامۃ کاشف الغمۃ

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ

نعمان بن ثابت بن زوطی

رضی اللہ عنہ

فہرس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدلو لیہ و الصلوٰۃ و السلام علیٰ نبیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین

اللہ تعالیٰ نے امام الائمہ کاشف الغمۃ سراج الامۃ امام اعظم ابوحنیفہ جیسا مجتہد اور فقیہ عطا فرما کر اس امت پر احسان عظیم فرمایا۔قرآن فہمی میں رسوخ،معانی حدیث کا درک،آثار صحابہ اور فتاوی تابعین پر گہری نظر،ملکۂ استخراج واستنباط،خداداد قوت حفظ،کمال زہد وتقویٰ اور اس خیر امت کے صلحا،اولیاء، مفسرین،محدثین،فقہا اور علما کی اکثریت کا اعتماد واعتبار جب یہ ساری خوبیاں کسی شخصیت میں یکجا ہو تی ہیں تو کہیں جا کر ایک ابوحنیفہ بنتا ہے۔امام اعظم کے علمی اور دینی کارناموں اور خدمات پر تفصیلی کرنا مجھ جیسے ناچیز کے بس کی بات نہیں۔لیکن پھر بھی امام کی بارگاہ میں اس امید کے ساتھ محبتوں کی سوغات لئے حاضر ہوں کہ اللہ رب العزت اپنے اس نیک اور مقبول بندے کے فیوض وبرکات سے مجھ جیسے حقیر کو بھی بہرور فرمائے اور میرے لئے دنیا وآخرت کی سعادتوں اور فیروزمندیوں کا سامان کرے۔

احب الصالحین ولست منهم لعل الله یرزقنی صلاحا

میں تو خود نیک نہیں (مگر) نیکوں سے اس امید پر محبت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ (ان کی برکت سے) مجھے بھی نیک بنادے۔

نام ونسب:۔سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی ''نعمان'' کنیت ''ابوحنیفہ'' اور لقب ''امام اعظم'' ہے۔آپ کا خاندان ابتداء کابل میں آباد تھا۔آپ کے والد گرامی حضرت ثابت بن زوطیٰ فارسی النسل تھے اس طرح آپ بھی فارسی النسل ہوئے۔آپ کے دادا کا نام بعض تذکرہ نگاروں نے زُوطیٰ اور بعض نے زَوطیٰ لکھا ہے۔جب عربوں نے یہ علاقہ فتح کیا تو زوطیٰ گرفتار ہو کر کوفہ آئے اور بنی تمیم بن ثعلبہ کے غلام بنے پھر آزاد کردیئے گئے۔اور اس قبیلہ کے مولیٰ قرار پائے۔ولاء کی نسبت سے آپ تمیمی کہلاتے تھے۔ان کا پیشہ تجارت تھا۔حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات ہوئی اور اس حد تک اور تعلقات تھے کہ وہ کبھی کبھار ان کی خدمت میں ہدیئے وغیرہ بھیجتے رہتے تھے۔ایک مرتبہ آپ کے دادا حضرت زوطیٰ اپنے فرزند خاص حضرت ثابت کو جو بچے تھے بارگاہ علی مرتضیٰ میں بغرض دعا حاضر ہوئے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ''ثابت'' کے لئے دعا فرمائی اور بہت سی برکتوں کی بشارت دی جن کا عملی پیکر بن کر امام اعظم رضی اللہ عنہ منصۂ شہود پر آئے۔یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعا کا ثمرہ تھا۔

روایت امام صاحب کے پوتے عمر بن حماد بن ابو حنیفہ کی ہے۔ لیکن آپ کے دوسرے پوتے اسماعیل کا بیان آپ کے نسب کے تعلق سے کچھ اس طرح ہے ''نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان'' (الخیرات الحسان اردو ص۷۰)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی کنیت

امام اعظم کی کنیت کے سلسلے میں تمام تذکرہ نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ کی کنیت ''ابو حنیفہ'' ہے اور اکثر تذکرہ نگار تحریر کرتے ہیں کہ امام اعظم کی کنیت جو نام سے زیادہ مشہور ہے حقیقی کنیت نہیں ہے۔ امام صاحب کی کسی اولاد کا نام حنیفہ نہ تھا۔ کیوں کہ آپ کے صرف ایک بیٹے حماد تھے اور ان کے علاوہ کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ آپ کی کنیت ''ابو حنیفہ'' کی مندرجہ ذیل توجیہات بیان کرتے ہیں۔

(۱) حنیفہ حنیف کی تانیث ہے جس کے معنیٰ عبادت کرنے والا اور دین کی طرف راغب ہونے والا۔ چونکہ امام اعظم بہت عبادت گزار تھے۔ اور رات رات بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ اس وجہ سے آپ کو ابو حنیفہ کہا جانے لگا۔

(۲) آپ کا حلقۂ درس وسیع تھا اور آپ کے شاگرد اپنے ساتھ قلم دوات رکھا کرتے تھے اور چونکہ اہل عراق دوات کو حنیفہ کہتے تھے۔ اس لئے آپ کو ابو حنیفہ کہا جانے لگا۔ یعنی دوات والے۔

(۳) آپ کی کنیت وصفی معنیٰ کے اعتبار سے ہے یعنی ابو الملۃ الحنیفۃ، قرآن مجید میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا ہے ''فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ اِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا'' (پارہ۴، سورۂ آل عمران، آیت ۹۵) امام اعظم نے اسی نسبت سے اپنی کنیت ابو حنیفہ اختیار کی۔ اس کا مفہوم ہے ''باطل ادیان کا چھوڑ کر دین حق اختیار کرنے والا'' (الخیرات الحسان، ص۷۱)

(۴) شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ امام اعظم کا ذکر توریت میں اسی کنیت کے ساتھ آیا ہے۔

(۵) بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کا ذکر توریت میں ہے۔ حضرت کعب بن احبار سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی اس میں یہ بات ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایک نور ہوگا جس کی کنیت ابو حنیفہ ہوگی'' امام اعظم کے لقب ''سراج الامۃ'' سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ (تعارف فقہ و تصوف، ص۲۲۵)

بشارت نبوی ﷺ اور امام اعظم رضی اللہ عنہ

حضور سید عالم ﷺ نے امام المسلمین حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کی پیشین گوئی فرمائی اور فضیلت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "قَالَ تُرْفَعُ زِیْنَۃُ الدُّنْیَا سَنَۃَ خَمْسِیْنَ وَمِائَۃً" آپ نے فرمایا ۱۵۰ھ میں دنیا کی زینت اٹھالی جائے گی۔

اور ۱۵۰ھ میں ہی امام اعظم رضی اللہ عنہ کی وفات شریف ہوئی۔ معلوم ہوا کہ آپ دنیائے اسلام کی زینت، شریعت کی رونق اور علم وعمل کی زیبائش تھے۔ کیوں کہ بعد وفات وہ حسن وزیبائی جو آپ کے دور میں تھی دنیا سے رخصت ہوگئی۔

اس روایت کو حضرت علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الخیرات الحسان فی ترجمۃ ابی حنیفۃ النعمان، ص ۵۳" میں نقل فرمایا ہے۔

اور دوسری روایت حضرت علامہ موفق بن احمد مکی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "میری امت میں ایک مرد پیدا ہوگا جس کا نام ابو حنیفہ ہوگا، قیامت میں میری امت کا چراغ ہے" (مناقب للموفق، ص ۵۰)

آپ نے یہ روایت بھی تحریر کی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض گزار ہوئے "یا رسول اللہ ﷺ! حضرت لقمان کے پاس حکمت کا اتنا بڑا ذخیرہ تھا کہ اگر وہ اپنے خرمن حکمت سے ایک دانا بیان فرماتے تو ساری دنیا کی حکمتیں آپ کے سامنے دست بستہ کھڑی ہوتیں" یہ سن کر حضور ﷺ کو خیال آیا کہ کاش میری امت میں کوئی شخص ایسا ہوتا جو حضرت لقمان کی حکمت کا سرمایا ہوتا۔ حضرت جبریل علیہ السلام دوبارہ حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ کی امت میں ایک ایسا مرد ہوگا جو حکمت کے خزانے سے ہزاروں حکمتیں بیان کرے گا۔ اور آپ کی امت کو آپ کے احکام سے آگاہ کرے گا۔ حضور ﷺ نے یہ سن کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا اور ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن عنایت فرمایا اور وصیت کی کہ ابو حنیفہ کے منہ میں یہ امانت ڈال دینا۔ حضور ﷺ کی یہ امانت یعنی لعاب دہن امام اعظم کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وساطت سے ملی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "میری امت

میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جسے نعمان کہا جائے گا اور اس کی کنیت ابوحنیفہ ہوگی، وہ اللہ تعالیٰ کے دین اور میری سنت کو زندہ کرے گا''۔ (مرجع سابق، ص ۱۵) (مناقب للموفق، ص ۵۱)

اسی طرح کی اور بھی روایات موجود ہیں، جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام لے کر آپ کی فضیلت وبشارت بیان کی ہے۔

ولادت باسعادت:۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے سن ولادت کے متعلق مختلف اقوال ہیں: (۱) ۶۱ھ (۲) ۷۰ھ (۳) ۷۷ھ (۴) ۸۰ھ۔ مؤرخین حضرات زیادہ تر قول آخر کو ترجیح دیتے ہیں ۔ ولادت کے متعلق خود امام اعظم رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ۸۰ھ میں پیدا ہوا۔ اور ۹۴ھ میں حضرت عبداللہ بن انیس کوفہ آئے تو میں نے انھیں دیکھا اور ان سے حدیث سماعت کی اس وقت میں چودہ سال کا تھا۔ انھیں فرماتے ہوئے سنا:

''سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ حُبُّکَ الشَّئ يُعْمٰى وَيُصَمُّ''

مناقب موفق اور مناقب کردری میں بھی مذکور ہے کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اور یہی صحیح ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تابعیت

تابعی وہ خوش بخت انسان ہے جس نے بحالت ایمان کسی صحابی سے ملاقات کی ہو اور ایمان کی حالت میں وصال ہوا ہو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو تابعیت کے مقام پر فائز فرمایا تھا۔ آپ نے صحابہ کرام کی اس مقدس جماعت سے ملاقات فرمائی جس خوش نصیب جماعت کے بارے میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں'' طُوْبٰى لِمَنْ رَاٰنِىْ وَاٰمَنَ وَطُوْبٰى لِمَنْ رَاٰى مَنْ رَاٰنِىْ وَلِمَنْ رَاٰى مَنْ رَاٰى مَنْ رَاٰنِىْ وَاٰمَنَ بِىْ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنَ مَاٰبٌ'' (الجامع الصغير للسيوطی، ۲/۳۲۷) بحوالہ: مرقاۃ شرح المشکوٰۃ، ۱۱/۱۵۹

اس کے لئے مژدہ ہے جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور اس کے لئے بھی خوش خبری ہے جس نے مجھے دیکھنے والے کو دیکھا۔

اور ارشاد فرماتے ہیں'' لَاتَمَسُّ النَّارُ مُسْلِماً رَاٰنِىْ وَرَاٰى مَنْ رَاٰنِىْ'' (مشکوٰۃ، ص ۵۵۴)

''اس مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا''

نیز فرماتے ہیں ''خَیرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ'' میری امت میں سب بہتر میرے زمانے کے لوگ ہیں پھر جوان کے بعد ہیں پھر وہ جوان کے بعد ہیں۔

یقیناً امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ان حدیثوں کے مکمل مصداق ہیں۔ کیوں کہ آپ ان جماعت صحابہ کی زیارت سے مشرف ہوئے جس کا مرتبہ حضرات انبیاء و مرسلین کے بعد سب سے افضل ہے واعلیٰ اور اشرف ہے۔ان کے تاج کرامت تابعین عظام کے سروں پر رکھا گیا اور تابعین کے بعد شرف وبزرگی کے قابل تبع تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں: اس حدیث (لاتمس النار.....) نے اس بشارت کو بالاتفاق صحابہ اور تابعین کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ (اشعۃ اللمعات، ۳۸۸/۷) حضور علیہ السلام کے زمانۂ ظاہر کے بعد اور زمانوں میں سب سے بہتر وافضل اصحاب رسول علیہ السلام کا زمانہ، اس کے بعد تابعین کا پھر تبع تابعین کا زمانہ ہے۔ یعنی خیر القرون انھیں تینوں زمانوں میں منحصر ہے۔ ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اس خیر القرون میں پیدا ہوئے، خیر القرون میں زندہ رہے اور خیر القرون میں ہی وصال فرمایا۔ آپ کا تعلق اس مقدس جماعت سے ہے جسے جہنم کی آگ چھو نہیں سکتی اس لئے کہ آپ تابعی ہیں کہ آپ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کا دیدار اور ان کی زیارت و ملاقات کا شرف حاصل کیا ہے۔ آپ کے زمانے میں بیس سے تیس صحابہ کرام مختلف مقامات میں باحیات تھے۔ جن میں سے آپ نے کچھ صحابہ کرام سے ملاقات کی۔ جیسے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ متوفی (۹۲ھ یا ۹۳ھ) جو بصرہ میں تھے، حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ (م: ۸۷ھ) جو کوفہ میں تھے۔ کوفہ میں وصال فرمانے والے صحابہ کرام میں سب سے آخر ہیں۔ حضرت سہیل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ (م: ۸۸ھ یا ۹۱ھ) جو مدینہ میں تھے۔ مدینہ منورہ میں وصال فرمانے والے صحابہ کرام آپ سب کے اخیر ہیں۔ حضرت ابو الطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ (م: ۱۰۰ھ یا ۱۱۰ھ) جو مکہ معظمہ میں تھے۔ اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات ہیں مگر ان میں سب سے راجح قول یہی ہے۔ (جاء الحق، ص) بہر حال جمہور محدثین و محققین کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ آقائے دو جہاں علیہ السلام کا جمال جہاں دیکھنے والوں کے دیدار سے عقیدت کی آنکھیں روشن کی تھیں۔

تحصیل علم:۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے ابتداء قراءت، حدیث، نحو، ادب، شعر، کلام وغیرہ ان تمام علوم وفنون کا مطالعہ کیا تھا جو اس زمانے میں رائج اور متداول تھے۔ بعدہ آپ نے علم کلام میں مہارت تامہ حاصل کی اور ایک مدت تک اس میں مصروف رہ کر اتنا کمال پیدا کرلیا کہ اس فن میں ان کی طرف نگاہیں اٹھنے لگیں۔

پھر آپ نے تجارت کو اپنا ذریعہ معاش بنالیا۔ مگر زہدوتقویٰ ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ پھر آپ گوشہ نشینی کی راہ پر گامزن ہوئے تو خواب میں سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا ''اے ابوحنیفہ! اللہ تعالیٰ نے تیری تخلیق میری سنت کے اظہار کے لئے فرمائی ہے۔ لہٰذا دنیا سے کنارہ کشی مت اختیار کرو''۔

حضرت فریدالدین بن عطار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ''کہ جب آپ دنیا سے کنارہ کش ہوکر عبادت وریاضت میں مشغول ہوئے تو ایک دن خواب دیکھا کہ حضور ﷺ کے مزار مقدس کو کھودرہے ہیں، بیدار ہوئے تو پریشان تھے۔ تعبیر دانوں سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ خواب قابل مبارک ہے۔ تجھے احادیث صحیحہ کی معرفت حاصل ہوگی اور آحادیث غیرصحیحہ کو الگ کرنے میں مہارت حاصل ہوگی''۔ ادھر امام شعبی نے آپ کو تحصیل علم کی ترغیب دی تو ہمہ تن اس میں مشغول ہوئے۔ چونکہ فکر معاش سے بے نیاز تھے۔ اس لئے بڑی دلجمعی اور اطمینان قلبی سے علوم وفنون حاصل کرنے لگے۔

پھر کچھ دنوں کے بعد آپ کی رسائی حضرت حماد بن سلیمان تک ہوئی۔ ان کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور ان کی بارگاہ میں رہ کر علم فقہ حاصل کیا۔ امام صاحب ان کے انتقال تک ان کی معیت میں رہ کر تحصیل علم میں مصروف رہے جس کی مدت اٹھارہ سال ہے۔ استاذ کے بعد انتقال ان کی جگہ پر رونق افروز ہوئے اور فقہی درس وتدریس میں مشغول ہوگئے۔ (نہایت قابل تعریف اور لائق احترام شاگردوں کی جماعت تیار کی جنہوں نے مذہب حنفی کو فروغ دیا۔ جن میں امام ابویوسف، امام زفر بن ہذیل، امام محمد بن حسن اور حسن بن زیاد بہت مشہور ومعروف ہیں۔ یوں تو آپ کے تلامذہ کی تعداد کئی ہزار بتائی جاتی ہے، جن میں بہت سے اسماء کی ایک ہی فہرست منقول ہے۔ جن کو انشاء اللہ تعالیٰ ہم آگے بیان کریں گے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی عقل وذہانت

عقل ودانائی اور ذہانت وتدبر امام اعظم رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے وہ نمایاں اوصاف ہیں جن کا موافق ومخالف سبھی نے اقرار کیا ہے۔ مجدد دین وملت الشاہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ امام حجر بن عسقلانی کے حوالہ سے فرماتے ہیں ''امام علی بن عاصم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر پوری روئے زمین کے آدھے انسانوں کے ساتھ امام ابو حنیفہ کی عقل وذہانت کو تولا جائے تو امام اعظم کی عقل وزنی ٹھہرے گی''۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''کسی عورت نے امام ابو حنیفہ جیسا نہ جنا''

حضرت بکر بن حبیش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''اگر امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے تمام معاصرین کی عقلوں کا موازنہ کیا جائے تو امام اعظم کا پلہ بھاری رہے گا''۔ (فتاویٰ رضویہ: ج ۱، ص ۱۲۳)

علامہ ذہبی شافعی امام اعظم ابو حنیفہ کی عقل وذہانت کے متعلق فرماتے ہیں ''کان من اذکیاء بنی آدم'' یعنی اولاد آدم میں جو لوگ نہایت عقلمند گزرے ہیں، امام اعظم انہیں میں سے ایک ذہین ترین شخص تھے''

علامہ موفق مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''امام اعظم اگر چہ دین کے مسائل حل کرنے میں علماے وقت سردار تھے مگر بعض نکات اور بعض مشکل سوالات کے فوری اور فی البدیہہ جواب دے کر انھوں نے عقل وذہانت کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

کسی حاسد کی سازش کو اپنی عقل ودانش سے ناکام بنا دینا فوری طور پر کسی معاملہ کی تہہ تک پہونچ جانا یا اپنی حاضر جوابی کسی کو ہدایت کا راستہ دکھا دینا یہ سب امام اعظم ہی کی عقل ودانش کے جلوے ہیں۔

سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ذہانت وفطانت اور حاضر جوابی سے متعلق چند واقعات امام موفق بن احمد مکی رحمہ اللہ کی کتاب ''مناقب امام اعظم'' اور امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ کی کتاب ''الخیرات الحسان'' سے پیش خدمت ہیں۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص نے اپنی بیوی سے پانی مانگا وہ پانی کا پیالہ لا رہی تھی کہ اس نے کسی بات پر رنجیدہ ہو کر کہا کہ میں یہ پانی نہیں پیوں گا اور اگر تو خود پیئے گی تو تجھے تین طلاق، اگر اسے زمین پر گرایا تو تجھے تین طلاق اور اگر اسے کسی اور کو پینے کے لئے دیا تو بھی تجھے تین طلاق۔

جب شوہر کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو خوب پچھتایا اور علمائے کرام کے پاس مسئلہ کی نوعیت بیان کی تو آپ نے فرمایا اس پیالہ میں کوئی کپڑا ڈال کر پانی کو جذب کر کے دھوپ میں سکھا دو اس طرح تمہاری شرط بھی پوری ہو جائے گی اور عورت طلاق سے بچ بھی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے امام اعظم کو اپنے فضل و کرم سے ایک خاص عقل و دانائی عطا فرمائی تھی جس کی بدولت آپ ایسے ایسے مسائل حل فرما دیتے تھے جس کی تہہ تک کوئی بڑے سے بڑا فلسفی بھی نہیں پہونچ سکتا۔ پھر بھی کوئی جاہل امام اعظم کے علم و فضل پر اعتراض کرے تو کس قدر مقام افسوس ہے۔ (الخیرات الحسان)

امام اعظم رضی اللہ عنہ ایک دن حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کے درس میں تشریف لے گئے مگر امام مالک نے آپ کو پہچانا نہیں اور اپنے شاگردوں کے سامنے ایک مسئلہ پیش کیا جس کا امام اعظم نے بڑی متانت کے ساتھ جواب دے دیا۔ امام مالک نے آنکھ اٹھا کر آپ کی طرف دیکھا اور فرمایا یہ شخص کہاں سے آیا ہے؟ حضرت امام اعظم نے خود ہی فرمایا جناب میں عراق سے آیا ہوں۔ امام مالک نے فرمایا نفاق و شقاق کے شہر والوں میں سے ہے؟ امام اعظم نے فرمایا کیا مجھے اجازت ہے کہ قرآن مجید سے کچھ پڑھوں؟ فرمایا ہاں! ضرور پڑھو۔ حضرت امام اعظم نے یہ آیت پڑھی "وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْاَعْرَابِ مُنَافِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْعِرَاقِ مَرَضُوْا عَلَى النِّفَاقِ" حضرت امام نے "اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ" کی جگہ " اَهْلِ الْعِرَاقِ " دانستہ پڑھا اور اس سے آپ کی غرض امام مالک پر الزام قائم کرنا تھا امام مالک یہ سن کر فوراً بول اٹھے قرآن میں یوں نہیں آیا ہے۔ امام صاحب نے فرمایا پھر کس طرح آیا ہے؟ فرمایا اصل آیت یوں ہے " وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَضُوْا عَلَى النِّفَاقِ" امام اعظم نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے آپ پر خود اس بات کا حکم دیا جس کی نسبت میری طرف کی گئی تھی۔ یہ کہہ کر آپ جھٹ پٹ اس مجلس سے نکل آئے۔ جب امام مالک کو معلوم ہوا کہ وہ ابو حنیفہ تھے تو آپ نے انہیں بلایا اور بڑی عزت و تکریم سے پیش آئے۔

اللہ تعالیٰ نے حاضر جوابی کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ جس کی بدولت بڑے سے بڑے محدثین کرام اور امام آپ کی عزت و تکریم کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ (نزہۃ المجالس: ج ۲، ص ۱۳۷)

حضرت امام رضی اللہ عنہ اپنے اصحاب کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اچانک ایک عورت مسجد میں داخل ہوئی اور اس کے ہاتھ ایک پکا ہوا سیب تھا جس کا ایک حصہ سرخ اور ایک حصہ زرد تھا اس نے

وہ سیب امام اعظم کے سامنے رکھ دیا اور زبان سے کچھ نہ بولی آپ نے اس سیب کو چیر کر دوٹکڑے کر دیا اور عورت کو دے دیا وہ لے کر چلی گئی۔ حاضرین اس معمہ کو نہ سمجھ سکے تو آپ کے اصحاب نے دریافت کیا کہ یہ سیب کا راز کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اس عورت نے مجھ سے ایک مسئلہ پوچھا تھا اور میں نے اس کا جواب دے دیا ہے۔ حاضرین اور بھی متعجب ہوئے اور وہ مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس نے سیب میرے سامنے رکھ کر مجھ سے یہ پوچھا کہ اسے جو خون آتا ہے اس کا رنگ کبھی سیب کے ایک حصہ کی طرح سرخ اور کبھی دوسرے حصہ کی طرح زرد ہوتا ہے۔ تو کیا یہ خون حیض ہی ہے؟ میں نے سیب کو چیر کر اسے جواب یہ دیا کہ جب تک سیب کے اندرونی حصہ کی طرح اس کا رنگ بالکل سفید نہ ہو وہ خوان حیض ہی کا ہے۔ (روض الفائق: ص ۱۱۹)

یہ ہے امام اعظم کی ذہانت وفطانت اور عقل مندی کی دلیل کہ آپ کا ذہن وہاں پہنچتا تھا جہاں بڑے سے بڑے علما و محدثین کا بھی ذہن نہیں پہونچتا تھا۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ کعبۃ اللہ پر جب پہلی نظر پڑے تو جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔ اس موقع پر ہر شخص متردد ہوتا ہے کہ کون سی دعا مانگے اور کس دعا کو دوسری دعاؤں پر فوقیت دے۔ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی بے مثل ذہانت وفطانت سے اس مسئلہ کا بھی نہایت شاندار حال بتایا ہے جب امام اعظم رضی اللہ عنہ نے پہلی بار بیت اللہ شریف کی حاضری کے لئے گئے اور آپ کی پہلی نظر کعبہ شریف پر پڑی تو آپ نے یہ دعا مانگی ”اے اللہ! مجھے مستجاب الدعوات بنا دے، یعنی میں جو بھی دعا کروں وہ قبول ہو جائے۔

آپ کی خدمت یہ مسئلہ پیش کیا گیا کہ ایک شخص نے یہ قسم کھائی کہ میں انڈا کبھی نہیں کھاؤں گا۔ پھر ایک دن اس نے قسم کھالی کہ میرے دوست کی جیب میں جو چیز ہے اس ضرور کھاؤں گا۔ جب وہ چیز نکالی تو وہ انڈا ہی تھا۔ وہ بہت حیران و پریشان ہوا کہ اب اپنی قسم کیسے پوری کرے۔ اس پر امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسے چاہئے کہ وہ انڈا کسی مرغی کے نیچے رکھ دے اور جب چوزہ نکل آئے تو اسے پکا کر کھالے اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔

حضرت امام اعظم کی ہر بات سن کر علمی انبساط پیدا ہوتا ہے اور عقل سلیم کا مالک پکار اٹھتا ہے کہ امام اعظم واقعی امام اعظم ہیں۔ (الخیرات الحسان: ص ۱۰۹)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا علمی مقام

حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کا علمی مقام نہایت بلند و بالا ہے۔ وہ علم و تفقہ کے وہ نیر تاباں ہیں جس کی درخشانی اور تابانی کے سامنے آسمان علم و معرفت کے نجوم و کواکب کی درخشانی گم ہوتی نظر آتی ہے۔ امام نعیم نے ''حلیۃ الاولیاء'' میں یہ حدیث روایت کی ہے'' قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَوْ کَانَ الْعِلْمُ بِالثُّرَیَّا لَتَنَاوَلَہٗ رِجَالٌ مِنْ اَبْنَاءِ فَارِسٍ '' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر علم ثریا کے پاس ہوتا تو فارس کے کچھ افراد اسے حاصل کر لیتے۔

شیخ شیرازی نے ''القاب'' میں حضرت قیس بن سعد بن بادہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کی ہے'' لَوْ کَانَ الْعِلْمُ مُعَلَّقاً بِالثُّرَیَّا لَتَنَاوَلَہٗ قَوْمٌ مِنْ اَبْنَاءِ فَارِسٍ ''اگر علم ثریا پر آویزاں ہوتا تب بھی کچھ ابنائے فارس اس حاصل کر لیتے۔

امام جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب (تبیض الصحیفۃ فی مناقب الامام ابی حنیفۃ، ص ۴۷۳) پر اس طرح کی روایتیں جمع کی ہیں اور لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان احادیث میں امام اعظم کے تعلق سے فرمایا ہے۔

علامہ سیوطی کے تلمیذ ''سیرت شامی'' کے مصنف علامہ محمد بن یوسف شامی نے بھی اس کی تائید کی ہے علامہ محمد بن عابدین شامی ''ردالمختار'' میں لکھتے ہیں ''فی حاشیۃ الشبراملسی علی المواھب عن العلامۃ الشامی تلمیذالسیوطی ، قَالَ مَا جَزَمَ بِہٖ شَیْخُنَا مِنْ اَنَّ اَبَاحَنِیْفَۃَ ھُوَالْمُرَادُ مِنْ ھٰذَالْحَدِیْثِ ظَاھِرٌ لَاشَکَّ فِیْہِ لِاَنَّہٗ لَمْ یَبْلُغْ مِنْ اَبْنَاءِ فَارِسٍ فِی الْعِلْمِ مَبْلَغَہٗ اَحَدٌ'' مواہب لدنیہ کے شبراملسی حاشی میں ہے کہ علامہ سیوطی کے شاگرد علامہ شامی نے کہا کہ وہ جس پر ہمارے شیخ نے یقین کیا ہے کہ ابوحنیفہ ہی اس حدیث سے مراد ہیں، بالکل ظاہر و باہر ہے کہ اس میں شک وشبہ نہیں اس لئے کہ ابنائے فارس میں سے کوئی ان کے درجہ تک نہیں پہونچا۔

علامہ ابن حجر مکی شافعی اپنی کتاب ''الخیرات الحسان، ص ۱۴'' میں اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں '' فِیْہِ مُعْجِزَۃٌ لِلنَّبِیِّ ﷺ حَیْثُ اَخْبَرَ بِمَا سَیَقَعُ'' یہ نبی کریم ﷺ کا کھلا ہوا معجزہ ہے کہ آئندہ ہونے والی بات کی خبر دی۔ (تبییض الصحیفۃ، ص ۷)

حدیث کی ان بشارتوں سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے علمی مقام ومرتبہ کی بلندی اور آفتاب نیم روز کی طرح نظر آتی ہے۔ جس کا اعتراف نہ صرف ان کے مقلدین اور متبعین نے کیا ہے بلکہ دوسرے ائمہ مجتہدین بھی کھلے دل سے اس کا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں۔ جس کی ایک جھلک آپ نے ابھی ملاحظہ فرمائی۔ تفصیل آگے ملاحظہ فرمائیں۔

آپ کے علمی مقام کی بلندی کی سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ آپ کی ذات میں ایک مجتہد کے سارے اوصاف وکمال کامل طریقے موجود ہیں۔ تمام اہل علم نے آپ کو ''مجتہد مطلق'' مانا ہے۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان اوصاف وشرائط کو بیان کردیا جائے جو ایک مجتہد کے لئے ضروری ہیں تاکہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے کہ اس مجتہد مطلق، مجتہدوں کے سرخیل، فقہ واجتہاد کے امام اعظم کا علمی مقام کتنا بلند ہے۔

شرائط اجتہاد:۔ مجتہد کے لئے مخصوص صلاحیتوں کا ہونا لازمی ہے وضروری ہے۔ مثلاً وہ متقی و پرہیزگار، صائب الرائے، صاحب فراست، انصاف پسند، پاکیزہ اخلاق کا مالک، زبان عرب، لغت، صرف، نحو، معانی، قرآن وسنت، تفسیر، اسباب نزول، راویوں کے حالات جرح وتعدیل کے طریقوں سے، ناسخ ومنسوخ کی حقیقت سے مذاہب سلف سے واقفیت رکھتا ہو، دلائل شرعیہ سے مسائل کا استنباط کرنے پر قادر ہو اور قیاس کے اصول وقواعد کو جانتا ہو یا یوں کہئے کہ درجۂ اجتہاد صرف اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو پوری شریعت کے مقاصد کو سمجھتا ہو اور دلائل شرعیہ سے مسائل کے استخراج کی قدرت رکھتا ہو۔

اور یہ بھی قابل ذکر ہے کہ مجتہد کو بھی قیاس صرف ان مسائل میں جائز ہے جن کے متعلق قرآن وحدیث اور اجماع امت میں صریح حکم نہ ملے۔ اگر کسی مسئلہ میں قرآن وسنت اور اجماع امت نے واضح احکام دیئے ہیں تو پھر قیاس ناجائز ہے وممنوع ہے۔ چنانچہ یہ شرط مجتہد مطلق کے لئے ہے جو تمام شرعی احکام میں اجتہاد کرتا ہے۔ مجتہد کے لئے یہ شرطیں نہیں کہ وہ ہر مسئلہ کو جواب دے سکے۔ کیوں کہ امام مالک رضی اللہ عنہ سے چالیس مسائل پوچھے گئے جن میں سے چھتیس کے بارے میں انہوں نے کہا ''میں نہیں جانتا'' امام شافعی رضی اللہ عنہ نے بھی بہت سے مسائل میں توقف کیا ہے۔ بلکہ صحابہ میں بھی بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی بہت سے مسائل میں توقف کیا ہے۔ تو جس کا

اسے علم ہو اس میں فتویٰ دے اور جس کا علم نہ ہو اس میں توقف کرے۔ ان تصریحات کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ مجتہد کے لئے قرآن وحدیث ان کے متعلقات کا زبردست علم ضروری ہے۔ اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ شرائط اجتہاد کے جامع کامل تھے۔ اس کا عملی ثبوت وہ ہزاروں شرعی اور قانونی مسائل ہیں جو ان کے اجتہاد کے نتیجے میں منقح ہو کر سامنے آئے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی فقہی بصیرت

علمائے کرام کے وہ اوصاف جن کا تذکرہ نگاروں نے اپنے تذکرے میں اور مصنفین نے اپنی کتابوں میں خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے وہ ذہن کی تیزی، قوت حافظہ، بے نیازی، تواضع، قناعت اور زہد وتقویٰ، غرض اس قسم کے دیگر اوصاف بلاشبہ اس خصوصیت کے اعتبار سے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ تمام علما میں ممتاز تر ہیں کہ وہ مذہبی امور کے ساتھ دنیاوی ضرورتوں تک بھی ان کے ذہن کی پہنچ رہی ہے۔

امام موفق بن احمد مکی کی کتاب ''مناقب امام اعظم'' اور امام ابن حجر مکی شافعی کی کتاب ''الخیرات الحسان'' سے سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی فقہی بصیرت کے متعلق چند واقعات پیش ہیں:

ایک دن حسن اتفاق سے امام سفیان ثوری، قاضی ابن ابی لیلیٰ، شریک اور امام ابوحنیفہ ایک مجلس میں جمع تھے۔ شائقین علم کو اس عمدہ اور کیا موقع مل سکتا تھا۔ اسی درمیان ایک شخص نے آکر ایک مسئلہ پوچھا کہ چند آدمی ایک جگہ جمع تھے اچانک ایک سانپ نکلا اور ایک شخص کے جسم پر چڑھنے لگا اس نے گھبرا کر پھینک دیا وہ دوسرے شخص پر جا گرا، اس نے بھی حالت اضطراب میں ایسا ہی کیا۔ یوں ہی ایک دوسرے پر پھینکتے رہے، یہاں تک کہ اخیر شخص کو اس نے کاٹ لیا اور وہ انتقال کر گیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ دیت کس پر لازم ہوگی۔ سب حضرات غور وفکر کرنے لگے۔ کسی نے کہا دیت سب کو دینی ہوگی۔ کسی نے کہا صرف پہلے شخص کو دینی ہوگی۔ سب کی رائے مختلف ہوگئی۔ بحث کے سوا کچھ حل ظاہر نہ ہوا۔ امام اعظم خاموش سب کی گفتگو سن رہے تھے اور مسکرا رہے تھے۔ آخر میں سب لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا کہ کچھ آپ بھی اپنا خیال ظاہر کیجئے۔ آپ نے فرمایا جب پہلے شخص نے دوسرے پر پھینکا اور وہ محفوظ رہا، تو پہلا بری الذمہ ہو چکا۔ اسی طرح دوسرا تیسرا بھی۔ بحث اگر ہے تو

صرف آخری شخص سے ہے۔اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) اگر اس کے پھینکتے ہی سانپ نے اسے کاٹ لیا ہو تو ایسی صورت میں دیت صرف اسی پر لازم ہوگی۔(۲) اور اگر کچھ وقفہ کے بعد کاٹا تو وہ شخص بری الذمہ ہوگا۔کیوں کہ اب سانپ نے اس کاٹا تو اس کی غفلت کی وجہ سے، کہ اس نے اپنی حفاظت میں جلدی اور تیز دستی کیوں نہ کی۔اسی رائے پر سب نے اتفاق کیا اور امام اعظم کی لوگوں نے ان کی فقہی بصیرت کی وجہ سے خوب تعریف کی۔

کوفہ میں ایک شخص نے بڑی دھوم دھام سے اپنی بیٹیوں کا دو سگے بھائیوں سے نکاح کیا۔ولیمہ کی دعوت میں شہر کے مشہور و معروف اکابرین کو مدعو کیا۔مستر بن کدام، حسن بن صالح، سفیان ثوری اور امام اعظم ابوحنیفہ شریک دعوت تھے۔لوگ بیٹھے کھانا تناول فرما رہے تھے کہ اچانک صاحب خانہ پریشانی کے عالم میں مکان سے باہر نکلا اور عرض کرنے لگا: ہم بڑی مصیبت میں پڑ گئے، رات غلطی سے دلہنیں بدل گئیں یعنی ایک بھائی کی منکوحہ دوسرے کے پاس اور دوسرے بھائی کی منکوحہ پہلے کے پاس چلی گئی دونوں نے شب باشی کی۔جب صبح ہوئی تو اس غلطی کا علم ہوا۔فرمایئے اب کیا ہو؟ حضرت سفیان ثوری نے کہا کوئی مضایقہ نہیں یہ وطی بالشبہ ہے۔دونوں بھائیوں پر صحبت کی وجہ سے مہر واجب ہوگیا۔اور آج دونوں اپنے اپنے شوہروں کے پاس چلی جائیں۔امام صاحب خاموش تھے۔امام مستر بن کدام نے امام اعظم کی طرف متوجہ ہوکر اس مسئلہ کا حل پوچھا۔آپ نے دونو بھائیوں کو جن کا نکاح ہوا تھا، الگ الگ بلایا اور ان سے دریافت کیا، رات جو تمہارے ساتھ رہی اگر وہی عورت تمہارے نکاح میں رہے تو کیا تمہیں پسند ہے؟ دونوں نے کہا ہاں ہمیں پسند ہے۔تو آپ نے فرمایا تم دونوں اپنی بیویوں کو جس سے تمہارا نکاح ہوا تھا طلاق دے دو اور پھر جس سے وطی کی ہے اس سے نکاح کرلو۔شرعاً مسئلہ کا وہ حل بھی ٹھیک تھا جو سفیان ثوری نے بیان کیا تھا مگر اس سے کئی خرابیاں پیدا ہوتی تھیں۔ایک تو دل میں اس سے تعلق برقرار رہتا جس سے وطی کی، دوم یہ بات غیرت وحمیت کے خلاف ہوتی اور اس طرح ازدواجی رستہ مستحکم بنیاد پر قائم نہ رہتا۔امام اعظم نے مصلحت وحکمت پر مبنی حال بتایا جس سے لوگ عش عش کر اٹھے۔امام مستر بن کدام نے امام اعظم کی پیشانی چوم لی اور فرمایا لوگو! مجھے اس شخص کی محبت میں ملامت کرتے ہو مگر آج اس شخص نے مجھے اور سفیان ثوری کو بھی مطمئن کر دیا۔اللہ اسے خوش رکھے۔آمین

ہمارے امام ہمام کی دانائی اور دور بینی قابل داد ہے۔ غور فرمایئے کہ اس مشکل صورت حال کو آپ نے کس خوش اسلوبی سے سلجھایا۔ آپ کی یہی وہ فقہی دانائی ہے جس کی بدولت آپ نے اللہ و رسول کے ارشادات کے مطابق مسائل کا حل کتب فقہ پالیتے ہیں ۔ پھر کس قدر افسوس ہے اس شخص پر جو بجائے ممنون ہونے کے حضرت پر زبان طعن دراز کرتا ہے۔ (جواہر البیان فی ترجمۃ الخیرات الحسان، ص ۲۶)

ایک عورت امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی میرا بھائی انتقال کر گیا اور اس نے چھ سو دینار چھوڑے ہیں۔ مجھے اس ترکے سے صرف ایک دینار ملا۔ آپ نے پوچھا ترکہ کی تقسیم کس نے کی تھی؟ اس نے بتایا داؤد طائی نے۔ آپ نے فرمایا یہی تمہارا حق ہوتا ہے۔ تمہیں اس پر اکتفا کرنا چاہیئے کیوں کہ تمہارے بھائی نے دو بیٹیاں، ایک بیوی، بارہ بھائی، والدہ اور ایک بہن چھوڑے ہیں۔ اس نے کہا ہاں وارث صرف یہی ہیں۔ آپ نے فرمایا بیٹیوں کے حصے دو تہائی ہیں اور وہ چھ سو دینار میں سے چار سو دینار لے گئیں، ماں کو چھٹا حصہ ملا وہ ایک سو دینار لے گئی، بیوی کو آٹھواں حصہ ملا وہ پچھتر دینار لے گئی، باقی پچیس دینار رہ گئے، ان میں سے چوبیس دینار بھائیوں کو ملے اور ایک دینار تمہارے حصہ میں آئے گا۔

یہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا تفقہ ہے کہ سائل کیسا بھی مسئلہ لے کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا تو اس کو چند منٹ میں مطمئن کر دیتے اور وہ آپ کی بارگاہ سے خوشی خوشی چلا جاتا۔

کوفہ کے قاضی ابن ابی لیلیٰ ایک دن عدالت سے فارغ ہو کر کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں انہوں نے ایک پاگل عورت کو ایک شخص سے جھگڑا کرتے دیکھا جس نے اپنے جھگڑا کے دوران اس شخص کو "اے زانی اور زانیہ کے بیٹے" کہہ دیا قاضی صاحب نے اس عورت کو گرفتار کرنے کا حکم دیا اور پھر مجلس قضاء میں واپس آ کر یہ حکم نافذ فرمایا کہ اس عورت کو مسجد میں حالت قیام میں درے اور دو حدیں لگائی جائیں، جب یہ بات امام اعظم تک پہونچی، تو آپ نے ارشاد فرمایا "ابن ابی لیلیٰ نے اپنے فتویٰ میں چھ غلطیاں کی ہیں۔

وہ مجلس قضاء سے اٹھ کر واپس آئے اور دوبارہ عدالت قائم کی یہ آئین عدالت کے خلاف ہے۔ اس کے والدین کی گالیوں پر حدیں جاری کیں۔ حالانکہ مدعی وہ شخص نہیں بلکہ اس کے والدین ہونے چاہیئے تھے۔ ایک ساتھ دو حدیں جاری کی گئیں۔ حالانکہ ایک ساتھ دو حدیں جاری نہیں ہوسکتیں۔

عورت کو کھڑا کر کے حد قائم کی گئی حالانکہ عورت کو کھڑا کر کے حد نافذ نہیں کی جا سکتی۔ پاگل عورت پر بھی حد جاری نہیں کی جاتی ہے۔ کیوں کہ وہ مرفوع العقل مسجد میں حد جاری کی حالانکہ مسجد میں حد نافذ نہیں کی جاتی ہے۔ یہ سن کر حضرت علی بن عیسیٰ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی فقہی بصیرت سے لوگ حیران رہ گئے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مخالفوں میں سے ایک شخص نے آپ سے فتویٰ پوچھا ایسے شخص کے متعلق جو کہتا ہے کہ مجھے جنت کی کوئی امید نہیں، نہ مجھے دوزخ کی پرواہ ہے، نہ ہی میں اللہ سے ڈرتا ہوں، مردار کھاتا ہوں اور بے رکوع وسجود کے نماز پڑھتا ہوں، بن دیکھے گواہی دے دیتا ہوں، حق بات سے نفرت کرتا ہوں، فتنے سے محبت کرتا ہوں، اللہ کی رحمت سے دور بھاگتا ہوں، اور یہود ونصاریٰ کی تصدیق کرتا ہوں۔

آپ نے اپنے شاگردوں کی طرف دیکھا اور متوجہ ہو کر فرمایا اس شخص کی ان باتوں کا کیا جواب ہوگا۔ بعض نے کہا ایسا شخص تو کافر ہوگیا۔ بعض خاموش رہے۔ آپ نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ کافر نہیں بلکہ ایسا شخص تو اللہ کا دوست اور مومن کامل ہے۔ پھر آپ نے اس شخص سے فرمایا اگر اس کا جواب بتادوں تو، تو میری بدگوئی سے باز رہے گا؟ اس نے وعدہ کیا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا وہ رب جنت کی امید رکھتا ہے اور رب نار سے ڈرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس بات کا خوف نہیں کرتا کہ وہ اس پر ظلم کرے گا۔ مردار کھاتا ہے یعنی مچھلی ذبح کئے بغیر کھاتا ہے۔ بغیر رکوع وسجود کے نماز ادا کرتا ہے یعنی نماز جنازہ۔ وہ بلا دیکھے گواہی دیتا ہے یعنی اس نے اللہ کو نہیں دیکھا مگر اس کی ذات کی گواہی دیتا ہے یا اس قیامت کی گواہی دیتا ہے جسے اس نے دیکھا نہیں ہے۔ وہ حق بات سے نفرت کرتا ہے، موت حق ہے، وہ موت سے نفرت کرتا ہے۔ وہ فتنے سے محبت کرتا ہے یعنی وہ مال واولاد سے محبت کرتا ہے۔ جو ایک فتنہ ہے۔ اور وہ رحمت جس سے دور بھاگتا ہے، وہ بارش ہے۔ اور یہود کی اس بات کی تصدیق کرتا ہے "لیست الیھود علی شیء" اور نصاری کی اس بات کی تصدیق کرتا ہے "لیست النصاریٰ علی شیء) جب اس شخص نے امام اعظم کا یہ پر مغز اور مسکت جواب سنا تو کھڑے ہو کر آپ کے سر مبارک کو چوم لیا اور کہا کہ میں قسم کھا کر گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ علم کے سمندر ہیں اور ذہانت کے دریا ہیں آپ سے متعلق جو خیالات رکھتا تھا ان سے توبہ کرتا ہوں۔

ہمارے امام اعظم کو خدا نے دین کی ایسی سمجھ عطا فرمائی تھی کہ بڑے سے بڑے مشکل مسائل جن کو ان کے ہم عصر علما نہیں حل کر سکتے، آپ پل بھر میں حل کر دیتے تھے اور آپ کے اس تفقہ فی الدین کا لوہا اغیار بھی مانتے ہوئے نظر آتے تھے۔ (جواہر البیان فی ترجمۃ الخیرات الحسان: ص ۸۴)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ثقاہت

غیر مقلدین امام اعظم رضی اللہ عنہ کو ضعیف کہتے ہیں اور اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ امام بخاری اور دار قطنی نے آپ کو ضعیف کہا ہے۔ اس کے جواب میں چند باتیں پیش خدمت ہیں:

اول:۔ امام رضی اللہ عنہ کیوں کر ضعیف ہو سکتے ہیں جب کہ ان کی روایت ضعیف ہونے کا کوئی سبب موجود نہیں۔ آپ یا تو صحابہ کرام سے روایت لیتے ہیں یا چند تابعین عظام سے۔ اور ان میں کوئی بھی ضعیف نہیں ہو سکتا۔ صحابہ کرام سے براہ راست اور بلا واسطہ روایت لینا آپ کا وہ اعزاز ہے جو آپ کے ہم عصر محدثین کو حاصل نہ ہوا۔ بروایت مختلف علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں ''آپ نے سات صحابہ کرام سے بلا واسطہ احادیث روایت کیں۔ ان کے علاوہ کثیر تابعین عظام ہیں جن سے آپ نے علم حدیث میں استفادہ کیا۔

دوم:۔ امام بخاری نے کتاب الضعفاء میں لکھا ہے ''نعمان بن ثابت مرجی تھے۔ اس بنا پر لوگوں نے ان کی روایت وحدیث لینے میں سکوت کیا ہے''۔ (معاذ اللہ) یہ سراسر بہتان ہے۔ خود امام اعظم نے اپنی کتاب فقہ اکبر میں ارجا کی تردید فرمائی ہے۔ علامہ سید مرتضیٰ فرماتے ہیں ''امام ابو حنیفہ کی طرف ارجا کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ امام اعظم اور ان کے اصحاب خود مرجیہ کے رائے کے خلاف ہیں۔ یہاں تک کہ امام اعظم کے نزدیک مرجیہ کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

اگر امام اعظم کے ارجا کی وجہ سے آپ کی روایات ضعیف قرار دی جا سکتی ہیں تو پھر اس الزام سے امام بخاری بھی بچ نہیں سکتے۔ کیوں کہ انھوں نے صحیح بخاری میں ایسے سولہ راویوں سے روایت لی ہے جو مرجی ہونے میں مشہور ہیں۔ جن میں سے چند کے اسما پیش خدمت ہیں:

ابراہیم بن طہمان، ایوب بن عائذ الطائی، قیس بن مسلم الجدلی، شعیب بن اسحاق عبد الرحمٰن، خلاد بن یحیٰ بن صفوان، محمد بن خازم ابو معاویہ، سالم بن عجلان اور عثمان بن غیاث البصری، وعمیر بن ذر ہمدانی،

ورقاء بن عمر الیشکری، یونس بن بکیر وغیرہ۔ (تہذیب التہذیب)

صرف یہی نہیں بلکہ امام بخاری کے راویوں میں چار خارجی، چار جہمی، چار ناصبی، انیس شیعہ اور پچیس قدریہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ مذکورہ رایوں میں تو کئی ایسے ہیں جن خود امام بخاری نے اپنی کتاب الضعفاء میں جرح بھی کی ہے۔ علامہ ذہبی اس پر تعجب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایوب بن عائذ کے مرجی ہونے کی وجہ سے امام بخاری نے اسے ضعفاء میں درج کیا تعجب ہے! اس پر طعن بھی کرتے ہیں اور اس کی روایت بھی لیتے ہیں۔ (مقدمہ نزہۃ القاری: ص ۱۴۶)

سوم:۔ حضرت علامہ عبد الحی لکھنوی لکھتے ہیں'' امام اعظم رضی اللہ عنہ کے حق میں بعض متعصب متاخرین سے بھی جرح صادر ہوئی۔ جیسے دار قطنی اور حافظ ابن عدی وغیرہ۔ اس پر بہت بھاری دلائل شاہد ہیں کہ یہ جرح حسد اور تعصب کی وجہ سے کی گئی ہے۔ اور اس تعصب سے کوئی بشر محفوظ نہیں رہ سکتا ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ جس مذکورہ بالا شخص کا حوالے میں ذکر کیا گیا بعد میں حقیقت حال معلوم ہونے پر امام اعظم کی مخالفت سے رجوع کر لیا اور بعد رجوع تلافی کے طور پر امام اعظم کی بعض روایات ایک سند میں جمع کر کے مرتب کیں''۔

شارح بخاری علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں'' امام یحیٰ بن معین سے امام ابو حنیفہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا وہ ثقہ ہیں۔ میں نے کسی کو نہیں سنا کہ آپ کو ضعیف کہتا ہو۔ شعبہ بن حجاج آپ کو لکھتے ہیں کہ آپ حدیث روایت کریں اور شعبہ اور سعید بھی آپ کو روایت حدیث کے لئے فرماتے ہیں۔ یحیٰ بن معین نے یہ بھی فرمایا'' امام ابو حنیفہ ثقہ اور صادق اور ان پر جھوٹ کی تہمت نہیں۔ وہ اللہ کے دین کے امین اور حدیث میں سچے ہیں۔ عبد اللہ بن مبارک، سفیان بن عیینہ، اعمش، سفیان ثوری، عبد الرزاق، حماد بن زید اور وکیع بن جراح، جیسے ائمہ کبار اور ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور بہت سے دیگر ائمہ کرام نے امام ابو حنیفہ کی تعریف کی ہے''۔

اس گفتگو سے دار قطنی کا ستم اور تعصب ظاہر ہو گیا۔ پس وہ جو امام اعظم کو ضعیف کہتا ہے وہ خود اس لائق ہے کہ اسے ضعیف کہا جائے۔ کیوں کہ اس نے اپنی مسند میں سقیم و معلول و منکر و غریب اور موضوع روایات نقل کی ہیں۔ اس لئے وہ اس کا مصداق ہے کہ جب لوگ امام صاحب کی عظمت و شان کو نہ پہنچ سکے تو آپ کے مخالف و دشمن بن گئے۔

غور فرمائیے کہ امام یحیٰ بن معین کے زمانہ تک تو ایک آدمی بھی امام اعظم کو ضعیف کہنے والا نہ ہوا مگر غیر مقلدین حاسدین ان کو پھر بھی ضعیف قرار دیں یہ تعصب وحسد نہیں تو پھر کیا ہے۔ غیر مقلدین اپنے امام ابن تیمیہ ہی کا سن لیں۔ اس نے امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل وغیرہ کے ساتھ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کا ذکر کر کے انھیں بھی "ائمة الحدیث و الفقه" یعنی حدیث وفقہ کا امام قرار دیا ہے۔ (منہاج السنۃ: ج۱،۲۳۱)

حضرت علامہ ابن حجر مکی ہیتمی شافعی نے لکھا کہ حضرت سفیان ثوری نے فرمایا "امام ابو حنیفہ حدیث و فقہ دونوں میں ثقہ اور صدوق ہیں" (الخیرات الحسان: ص۱۳)

امام مالک سے امام شافعی نے متعدد محدثین کا حال پوچھا اخیر میں امام ابو حنیفہ کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا سبحان اللہ وہ عجیب ہستی کے مالک تھے۔ میں نے ان کے مثل کسی کو نہیں دیکھا۔ (الخیرات الحسان: ص۳)

خلف بن ایوب نے کہا "ابو حنیفہ نادر الوجود شخص ہیں۔ اللہ عزوجل کی طرف سے علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا پھر صحابہ کرام میں تقسیم ہوا، پھر تابعین عظام میں پھر ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب میں" (تبییض الصحیفة: ص ۲۳)

چہارم:۔ اب آخر میں ایک امام ابوداؤد حسن کی کتاب "سنن ابی داؤد" صحاح ستہ کا حصہ ہے۔ انھوں نے امام ابو حنیفہ کے فقہ وحدیث کے امام ہونے کی تصریح یوں فرمائی "رحم الله مالكا كان اماماً، رحم الله الشافعی كان اماماً، رحم الله اباحنيفة كان اماماً" اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو امام مالک پر کیوں وہ امام تھے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو امام شافعی پر کیوں کہ وہ امام تھے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو امام ابو حنیفہ پر کیوں کہ وہ امام تھے۔ (جامع بیان العلم: ج ۲، ص ۱۶۳)

امام ذہبی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابوداؤد کا یہ ارشاد نقل فرمایا "ان اباحنيفة كان اماماً" بے شک ابو حنیفہ امام تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ج ۱، ص ۱۶۰)

مؤرخ شہیر علامہ ابن خلدون رقمطراز ہیں:

"وَيَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ مِنْ كِبَارِ الْمُجْتَهِدِيْنَ فِيْ عِلْمِ الْحَدِيْثِ اِعْتِمَادَمَذْهَبِهٖ بَيْنَهُمْ وَالتَّعْدِيْلُ عَلَيْهِ وَاِعْتِبَارُهٗ رَدًّاوَّقُبُوْلًا"

''علم حدیث میں امام ابوحنیفہ کے بڑے مجتہدین میں سے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ان کے مذہب پر اعتماد کیا گیا ہے اور ردوقبول میں ان پر اعتبار کیا جاتا ہے''

اب ہم متاخرین محدثین کے امام ماہر طبقات رجال علامہ شمس الدین ابوعبداللہ الذہبی کی رائے لکھتے ہیں جو امام شافعی کے مذہب کے پیروکار ہیں۔ انھوں نے حفاظ حدیث کے حالات میں ۴؍جلدوں پر مشتمل عظیم ترین کتاب لکھی ہے۔ آپ نے اس کتاب میں امام اعظم کو حافظ حدیث قرار دیتے ہوئے ان القاب سے یاد کرتے ہیں''ابو حنیفة الامام الاعظم فقيه العراق الخ) (تذکرۃ الحفاظ: ج۱ص۱۵۸)

ان دلائل سے ثابت ہوگیا کہ امام اعظم امام اعظم ہیں۔ کثیر الحدیث اور حافظ الحدیث، ثقہ اور صادق ہیں۔ نیز آپ کی مرویات صحیح احادیث ہیں۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ اور علم حدیث

ایک مجتہد کے لئے دیگر علوم اسلامی کے ساتھ حدیث کا وافر حصہ ہونا ضروری ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اس میں مرتبۂ کمال پر فائز تھے۔ یہ اور بات ہے کہ انہوں نے وقت کے تقاضے کے پیش نظر روایت حدیث کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی بلکہ ان سے مسائل کا استخراج فرما کر امت مسلمہ کے لئے آسانیاں فراہم کیں۔ اور قیامت تک آنے والے مسلمانوں کی مشکلات حل فرمادیں۔ آپ کا زمانہ وہ زمانہ تھا جس میں حدیث کا درس شباب پر تھا۔ تمام بلاد اسلامیہ میں اس کا درس زوروشور سے جاری تھا۔ اور آپ کا وطن کوفہ تو اس خصوص میں ممتاز تھا۔ علم حدیث میں اس شہر کا امتیاز محمد بن اسماعیل بخاری کے دور تک باقی رہا۔ اسی لئے موصوف اتنی بار کوفہ گئے کہ خود ہی فرماتے ہیں کہ میں کوفہ کتنی بار گیا شمار نہیں کرسکتا۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے تحصیل حدیث کی شروعات اپنے وطن کوفہ سے کی۔ کوفہ میں کوئی ایسا محدث نہیں تھا جس سے آپ نے حدیث حاصل نہ کیا ہو۔ ابوالمحاسن شافعی ہیں، مگر انہوں نے کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے کہ ترانوے وہ مشائخ عظام ہیں جو کوفہ کے رہنے والے تھے یا کوفہ میں تشریف لائے جن سے امام اعظم نے حدیث حاصل کیا۔

امام اعظم کے مشائخ حدیث میں امام شعبہ بن حجاج بھی ہیں جنہیں دو ہزار احادیث یاد تھیں۔ امام سفیان ثوری نے انھیں ''امیر المومنین فی الحدیث'' کہا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا ''اگر شعبہ نہ ہوتے تو

عراق میں حدیث اتنی عام نہ ہوتی'' جب سفیان ثوری کو ان کے وصال کی خبر پہونچی تو فرمایا آج علم حدیث مر گیا۔امام شعبہ کو حضرت امام اعظم سے قلبی لگاؤ تھا۔غائبانہ ان کی ذہانت وفطانت اور نکتہ رسی کی تعریف کرتے رہتے تھے۔ایک مرتبہ امام اعظم کا ذکر آیا تو امام شعبہ نے فرمایا''جس طرح مجھے یقین ہے کہ آفتاب روشن ہے اسی یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ علم حدیث اور ابوحنیفہ ہم نشیں ہیں''۔

امام بخاری کے استاذ حضرت یحیٰ بن معین سے کسی نے امام اعظم کے بارے میں پوچھا کہ ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے،تو فرمایا اس قدر کافی ہے کہ شعبہ نے انھیں حدیث روایت کرنے کی اجازت دی۔شعبہ آخر شعبہ ہی تھے۔(عقود الجمان:باب دہم)

کوفہ کے علاوہ حضرت امام اعظم نے بصرہ کے محدثین سے بھی حدیثیں حاصل کیں۔اس وقت بصرہ بھی علم وفضل خصوصاً علم حدیث کا بہت اہم مرکز تھا۔اس شہر کوفہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بسایا تھا۔اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ شہر مرکز حدیث بن گیا تھا۔علامہ ذہبی جیسے علم حدیث کے ماہر نے دوسرے تیسرے دور میں جن عظیم شخصیتوں کا محدث کا خطاب دیا وہ بصرہ یا کوفہ کے رہنے والے یا یہاں اکثر آمد ورفت رکھنے والے تھے۔

امام اعظم نے ان دونوں مراکز سے ہزاروں ہزار احادیث حاصل کیں۔اور حرمین شریفین کے محدثین سے بھی آپ نے حدیثیں لیں۔آپ نے پہلا سفر ۹۶ھ میں کیا۔پوری عمر میں ۵۵/حج کئے۔ ۱۵۰ھ میں وصال ہوا۔تو اس سے ثابت ہوا کہ ۹۶ھ کے بعد کسی سال حج ناغہ نہ ہوا۔اس لئے حرمین طیبین کی حاضری کم از کم ۹۶ھ کے بعد ۵۵/بار مسلسل بلا ناغہ ہوئی۔اسی عہد میں حضرت عطاء بن رباح مکہ معظّمہ میں سرتاج محدثین تھے۔یہ تابعی تھے۔دوسو صحابہ کرام کی صحبت کا شرف انہیں حاصل تھا۔خصوصاً حضرت عبداللہ بن عباس،حضرت عبداللہ بن عمر،حضرت اسامہ،حضرت جابر،حضرت زید بن ارقم، حضرت عبداللہ بن سائب،حضرت عقیل بن رافع،حضرت ابودرداء اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے احادیث سنی تھیں۔اور یہ محدث ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم مجتہد بھی تھے۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ عطاء کے ہوتے ہوئے تم لوگ میرے پاس کیوں آتے ہو؟ ایام حج میں حکومت کی جانب سے اعلان عام ہوجاتا تھا کہ عطاء بن رباح کے علاوہ اور کوئی فتویٰ نہ دے۔اساطین محدثین،امام زہری،امام اوزاعی،امام عمرو بن دینار جیسے لوگ آپ کے تلمیذ خاص تھے۔

جب امام اعظم ان کی خدمت میں شرف تلمذ کے لئے حاضر ہوئے تو حضرت عطاء بن رباح نے ان کا عقیدہ پوچھا، امام صاحب نے کہا میں اسلاف کو برا نہیں کہتا، گنہگاروں کو کافر نہیں، تقدیر پر ایمان رکھتا ہوں ۔ بعدہ عطاء نے آپ کو حلقۂ درس میں شامل کرلیا۔ دن بدن حضرت امام صاحب کی ذکاوت وفطانت روشن ہوتی گئی۔ جس سے حضرت عطاء ان کو اپنے سے قریب تر کرتے گئے۔ یہاں تک کہ حضرت دوسروں کو ہٹا کر حضرت امام اعظم کو اپنے پہلو میں بٹھاتے ۔ حضرت امام اعظم جب مکہ معظّمہ حاضر ہوتے تو اکثر اوقات حضرت عطاء کی بارگاہ میں گزارتے ۔ان کا وصال ۱۱۵ھ میں ہوا۔تو ثابت ہوا کہ امام اعظم تقریباً بیس سال تک ان سے استفادہ کرتے رہے۔

مکہ معظّمہ میں حضرت امام نے وقت کے ایک اور امام حضرت عکرمہ سے علم حاصل کیا۔ حضرت عکرمہ سے کون نہیں واقف ہے کہ یہ حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت عقبہ بن عامر، حضرت صفوان، حضرت جابر، حضرت ابوقتادہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین کے شاگرد ہیں۔ تفسیر وحدیث میں تقریباً ستر مشہور ائمہ وتابعین ان کے شاگرد ہیں ۔ جب امام اعظم مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے تو فقہائے سبعہ میں سے دو بزرگ باحیات تھے۔ایک حضرت سلیمان دوسرا نام نمیر تھا۔ یہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے۔ دوسرے حضرت سالم جو حضرت عمر فاروق اعظم کے پوتے اور حضرت عبداللہ بن عمر کے صاحبزادے تھے۔حضرت امام اعظم نے خصوصیت کے ساتھ ان دونوں بزرگوں سے احادیث اخذ کیں ۔ان کے علاوہ دوسرے ائمہ احادیث سے بھی فیض یاب ہوئے۔ (نزہۃ القاری: ج۱،ص۱۲۰تا۱۲۲)

علامہ ابن حجر ہیتمی شافعی نے لکھا ہے ’’حضرت امام اعظم نے چار ہزار مشائخ سے جو کہ ائمہ تابعین تھے اور دوسرے حضرات سے بھی حدیثیں اخذ کی ہیں۔ اسی بناء پر علامہ ذہبی اور دوسرے علما نے حضرت امام کا شمار محدثین کے طبقہ حفاظ میں کیا ہے‘‘۔

پھر آگے لکھتے ہیں ’’جس نے یہ خیال کیا کہ آپ حدیث کا بہت کم اہتمام کرتے تھے اس نے تساہل سے کام لیا یا حسد کی بنا پر یہ بات کہی۔ یہ بات ایسے شخص کے متعلق کیسے صحیح ہوسکتی ہے جس نے بے شمار مسائل کا استنباط فرمایا ہو۔ اور دلائل کے ذریعہ مخصوص طریقہ استنباط میں پہلا شخص ہو جس کا بیان اس کے اصحاب نے اپنی تالیفات میں کیا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ وہ مسائل کے استخراج واستنباط کے

کام میں مصروف تھے ۔ اس لئے ان کی روایتیں نہیں پھیلیں ۔ جس طرح حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی روایتیں ان کی مصروفیات کی وجہ سے کم ہوئیں کہ یہ حضرات عام مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے کاموں میں مصروف تھے ۔ اس کے برخلاف ان صحابہ کی روایتیں زیادہ پھیلیں جو عمر اور علم دونوں میں ان سے کم تھے ۔ یہی حال امام شافعی اور امام مالک کا ہے کہ ان کی روایتیں ان افراد سے کم ہیں جو صرف احادیث روایت کرنے کا کام کرتے تھے ۔ جیسے ابوزرعہ اور ابن معین ۔ کیوں کہ حضرت امام مالک اور امام شافعی مسائل کے استنباط میں مصروف رہتے تھے ۔ پھر بھی یہ واضح رہے کہ روایت حدیث بغیر روایت کے بہت زیادہ قابل تعریف نہیں ہے ۔ علامہ ابن عبدالبر نے اس کی مذمت میں ایک باب قائم کیا ہے ۔ (الخیرات الحسان: ص ۶۰)

حضرت امام اعظم کے عظیم محدث ہونے کی سب سے بڑی اور روشن دلیل فقہ حنفی کے کلیات و جزئیات کو اٹھا کر دیکھئے ، جن جن ابواب اور جن جن مسائل میں صحیح اور غیر مؤول ، غیر منسوخ ، کتاب کے غیر معارض احادیث ہیں وہ سب فقہ حنفی کے مطابق ہیں ۔ اس کی تصدیق کے لئے امام طحاوی کی معانی الآثار ، علامہ بدرالدین کی عمدۃ القاری شرح بخاری ، علامہ کمال الدین بن ہمام کی فتح القدیر شرح ہدایہ ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی فتح المنان فی تائید مذہب النعمان ، لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح اور علامہ ملا علی بن سلطان قاری کی مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کا مطالعہ کیا جائے اور کچھ خلجان رہ جائے تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کے مجموعہ فتاوی ''العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ'' کا مطالعہ کیا جائے تو میرے دعوے کی حرف بہ حرف تصدیق ہو جائے گی ۔

امام اعظم اور عمل بالحدیث

احناف عمل بالحدیث میں اتنے آگے ہیں کہ دنیا کا کوئی طبقہ اس میں ان کی ہمسری نہیں کرسکتا ۔ لیکن پھر بھی بعض معاندین اہل سنت اور منکرین تقلید یوں ہی منکرین حدیث امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ حدیث رسول پر اپنے قیاس کو ترجیح دیتے ہیں ۔ جب کہ حقیقت سے اس کا کچھ تعلق نہیں ۔ ان کا یہ بے جا الزام ہے ۔ حضرت علامہ جوزی نے معاندین کا جواب دیتے ہوئے جامع المسانید کے مقدمہ میں لکھا ہے ''امام اعظم کو حدیث کے مقابل میں قیاس پر عمل کرنے کا طعن وہی دیگا جو

فقہ حنفی سے جاہل ہوگا اور جسے فقہ حنفی کچھ بھی واقفیت نہیں ہوگی۔ اگر وہ منصف ہوگا تو اس کو اعتراف کرنا پڑے گا کہ امام اعظم سب سے زیادہ حدیث کے عالم اور حدیث کی اتباع کرنے والے تھے‘‘۔

(۱) امام اعظم جو حدیث مرسل کو حجت مانتے ہیں جب کہ امام شافعی کا عمل اس کے برخلاف ہے۔ کہ وہ حدیث مرسل کے مقابل قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۲) قیاس کی چار قسمیں ہیں: (۱) قیاس موثر (۲) قیاس مناسب (۳) قیاس شبہ (۴) قیاس طرد۔ امام اعظم اور ان کے اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ قیاس مناسب اور قیاس شبہ بالکل بے اعتبار ہیں۔ باقی قیاس طرد تو یہ مختلف فیہ ہے۔ البتہ قیاس شبہہ کا تو ان کے یہاں بکثرت استعمال ہے۔

(۳) امام اعظم کے احادیث پر عمل کا یہ حال ہے کہ ضعیف احادیث پر بھی قیاس کے مقابل میں عمل فرماتے ہیں۔ جیسے نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ بالکل خلاف قیاس بات ہے۔ مگر ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے۔ لہٰذا امام اعظم نماز میں قہقہہ کو ناقض وضو مانتے ہیں۔ یہ وہ نظائر ہیں جو امام خوارزمی نے پیش کئے۔

اس کی دوسری نظیر یہ جس کو شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مثال کے ذریعہ بہترین انداز میں سمجھایا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں ’’غیر مقلدین منی کو پاک کہتے ہیں۔ احناف کے نزدیک یہ ناپاک ہے۔ غیر مقلدین کا استدلال قیاس ہے کہ اصل اشیاء میں طہارت ہے۔ منی کے ناپاک ہونے کی کوئی دلیل نہیں اس لئے وہ پاک ہے۔ رہ گئی ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث جو شیخین نے روایت کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی دھوتی تھی۔ دھونے کا نشان ہوتا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اسی کپڑے کو پہنے نماز کو جاتے تھے۔ اس کے بالمعارض مسلم کی دوسری حدیث ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی مل دیتی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی کپڑے میں نماز پڑھتے تھے۔

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اولاً یہ بات نہیں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دھونے کا حکم دیا ہو یہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کا اپنا فعل ہے۔ ثانیاً دیا بھی ہو تو یہ تھوک اور کھنکھار کی مثل گھناؤنی چیز ہے۔ اس لئے دھونے کا حکم دیا۔ ثالثاً اگر یہ ناپاک ہوتی تو مل دینے سے کیسے پاک ہوتی، کپڑے پر لگنے والی نجاست محض مل دینے سے پاک نہیں ہوتی۔ ہر منصف دیکھے کہ حدیث صحیح کو غیر مقلدین قیاس سے رد

کررہے ہیں۔ جب کہ احناف حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ جیسا کہ وارد ہے اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ دوسری نجاستوں کے مقابلے میں منی کی یہ خصوصیت ہے کہ سوکھ جائے تو ملنے سے پاک ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں نجاست سے پاکی کیسے ہوگی قیاس نہیں ہے بالکلیہ سماعی ہے علاوہ ازیں منی کے نجس ہونے کے بارے میں حدیث میں صراحت ہے۔ امام بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے دارقطنی کے حوالہ سے یہ حدیث ذکر کی کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"انمایغسل الثوب من خمس من الغائط والبول والقی والدم والمنی"

کپڑا پانچ چیزوں سے دھویا جاتا ہے۔ پاخانہ، پیشاب، قے، خون اور منی سے۔

اس حدیث کی سند پر کلام کیا گیا ہے اس میں ایک راوی ثابت بن حماد ہیں اور یہ ضعیف ہیں۔ حالانکہ یہی حدیث ثابت بن حماد کے بغیر طبرانی میں مذکور ہے۔ تو ضعف ثابت بن حماد کی وجہ سے وہ دور ہوگیا۔ اسی طرح خود ایک دوسرے راوی علی بن زید پر یہ جرح ہے کہ یہ قابل احتجاج نہیں۔ مگر معترض کو یہ معلوم نہیں کہ یہ مسلم کے رجال سے ہیں۔ علاوہ ازیں عجل نے کہا "لاباس بہ" امام ترمذی نے اسے صدوق کہا۔ اسی طرح ایک اور راوی ابراہیم بن زکریا کو بھی کچھ لوگوں نے ضعیف کہا مگر بزار نے اسے ثقہ کہا۔ چلئے یہ حدیث دونوں سند کے اعتبار سے ضعیف ہے مگر دو طریقے سے مروی ہونے کی وجہ سے حسن لغیرہ ضرور ہوئی۔ اور احکام میں یہ بھی حجت ہے۔ اور آگے چلئے ہم مان لیتے ہیں کہ یہ اب بھی ضعیف ہی رہی مگر احناف کا اس پر عمل اور یہی ہمارا مقصد ہے کہ احناف حدیث ضعیف کے ہوتے ہوئے بھی قیاس کے قریب نہیں جاتے اور اہل حدیث بننے کے مدعی صحیح حدیث کے مقابلہ قیاس پر عمل کرتے ہیں، یہ کہاں کا انصاف ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے **"کان النبی ﷺ اذاخرج اقرع بین نسائہ"** حضور ﷺ جس وقت سفر پر جاتے تھے تو اپنی ازواج مطہرات میں قرعہ اندازی فرماتے، جس کا نام قرع میں نام نکلتا اسے ہمرکابی کا شرف نصیب ہوتا۔

اسی حدیث کو لے کر امام اعظم پر اعتراض کیا گیا ہے کہ امام صاحب نے اس حدیث کا انکار کیا، کہ اصولاً قمار بازی ہے جو حرام ہے۔ اس لئے اس حدیث کو کیسے صحیح مانا جاسکتا ہے۔

معلوم نہیں انہوں نے امام اعظم کے یہ الفاظ کہاں سے نقل کئے ہیں۔ معتبر اور مشہور کتب میں تو امام

اعظم کا یہ قول منقول ہے ”حَكٰى اِبنُ الْمُنْذِرِ عَنْ اَبِىْ حَنِيْفَةَ اَنَّهٗ جَوَّزَهَا ، قَالَ هِىَ فِى الْقِيَاسِ لَاتَسْتَقِيْمُ وَلٰكِنَّا نَتْرُكُ الْقِيَاسَ فِىْ ذٰلِكَ لِلآثَارِ وَالسُّنَّةِ“ (عمدۃ القاری :باب هل يقرع فى القسمة)

ابن منذر نے امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے کہ آپ قرعہ اندازی کو جائز سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ قیاس کے اعتبار سے تو قرعہ اندازی درست معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ہم قیاس کو آثار وسنت نبوی کے لئے ترک کر دیتے ہیں۔

اس کی مزید توضیح کے لئے مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

”وَفِيْهِ صِحَةُ الْقُرْعَةِ بَيْنَ النِّسَاءِ وَبِهٖ اِسْتِدْلَالُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِىْ وَاَحْمَدَبْنِ حَنْبَلَ وَجَمَاهِيْرِالْعُلَمَاءِ فِى الْعَمَلِ بِالْقُرْعَةِ فِىْ الْقَسْمِ بَيْنَ الزَّوْجَاتِ وَالْعِتْقِ وَالْوَصَايَا وَالْقَسْمِ وَنَحْوِذٰلِكَ (قِيْلَ) اَلْمَشْهُوْرُ عَنْ اَبِىْ حَنِيْفَةَ اِبْطَالُ الْقُرْعَةِ قُلْتُ (اَلْمَعْنىٰ) لَيْسَ الْمَشْهُوْرُ عَنْ اَبِىْ حَنِيْفَةَ اِبْطَالُ الْقُرْعَةِ وَاَبُوْحَنِيْفَةَ لَمْ يَقُلْ كَذٰلِكَ وَاِنَّمَا قَالَ اَلْقِيَاسُ يَاْ بَاهَا لِاَنَّهٗ تَعْلِيْقُ لَااِسْتِحْقَاقَ بِخُرُوْجِ الْقُرْعَةِ وَذٰلِكَ قِمَارٌ وَلٰكِنْ تَرَكْنَا الْقِيَاسَ لِلآثَارِ وَلِلتَعَامُلِ الظَّاهِرِ مِنْ لَّدُنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِلٰى يَوْمِنَا مِنْ غَيْرِنَكِيْرٍ وَاِنَّمَا قَالَ هٰهُنَا يَفْعَلُ تَطَيِّباً لِقُلُوْبِهِنَّ“ (عمدۃ القاری:حدیث الافک)

حدیث کی شرح کرتے ہوئے علامہ عینی لکھتے ہیں: کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عورتوں کے مابین قرعہ اندازی کرنا صحیح ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور جمہور علما نے مختلف امور میں قرعہ اندازی کے جواز کے لئے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ مشہور یہ ہے کہ امام اعظم اس کو باطل سمجھتے ہیں۔ علامہ عینی کہتے ہیں کہ یہ بالکل غلط ہے۔ آپ سے ہرگز یہ مشہور نہیں۔ آپ نے ہرگز ایسا نہیں کہا ہے۔ بلکہ آپ نے یہ کہا ہے کہ قیاس اسے انکار کرتا ہے۔ کیوں کہ اس میں استحقاق ملحوظ نہیں بلکہ اس میں کام کو قرعہ نکلنے سے متعلق کیا جاتا ہے۔ اور یہ جوًا ہے۔ لیکن آثار اور عہد رسالت سے آج تک امت کے اس پر عمل پیرا رہنے کے لئے ہم اپنے قیاس کو ترک کرتے ہیں۔ حضور ﷺ کا یہ فعل ازواج مطہرات کی پاس خاطر کے لئے ہوا کرتا تھا۔

اب روشن ہو گیا کہ امام اعظم نے قطعاً اس حدیث کو ترک نہیں کیا فرمایا بلکہ اپنے قیاس کو جھٹک دیا۔ کیوں کہ وہ سنت نبوی سے ہم آہنگ نہیں تھا۔ امام اعظم نے اس الجھن کو بالکل صاف کر کے رکھ دیا کہ

اگرکہیں قیاس اورسنت میں تقابل ہوجائے اورتمہیں اپنے قیاس کی درستی کا پختہ یقین کیوں نہ ہواس وقت بھی اپنے قیاس چھوڑدواورسنت نبوی پرعمل پیراہوجاؤ۔اسی میں تمہاری فلاح ہے اوریہی حقیقت حقہ ہے۔

عام طورپرمنکرین سنت کو یہ کہتے سنا جاتا ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ جب کسی حدیث کواپنے قیاس کے مطابق نہیں پاتے تھے توحدیث کوترک کردیاکرتے اورقیاس پرعمل کرتے تھے۔اوراسی چیزکووہ اپنے لئے ترک سنت کی سندقراردیتے تھے۔

کیاحقیقتاً امام اعظم اپنے قیاس کے مقابل میں نبی کریم ﷺ کے ارشادکوترک کردیتے تھے؟ یایہ الزام ہے اوربالکل بے بنیاداورجھوٹاالزام ہے؟

جس شخص کی فقہ حنفی پروسیع نظرہے اس سے تو یہ امرمخفی نہیں کہ ہزاروں مسائل ایسے ہیں جہاں امام اعظم نے اپنے قیاس کوترک کرکے حدیث نبوی پرعمل کیاخواہ وہ حدیث خبرواحدہو۔ان کھلےشواہد کے باوجودیہ کہنا کہ امام صاحب حدیث پرقیاس کوترجیح دیتے تھے یہ بالکل بے بنیاداتہام ہے۔

اب امام اعظم کے لئے چنداقوال ملاحظہ فرمائیں تاکہ مزیدشک وشبہہ کی گنجائش نہ رہے۔آپ اپنے طریقۂ اجتہادکوبیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اِنَّا نَاْخُذُ اَوَّلاً بِکِتَابِ اللّٰہِ ثُمَّ بِالسُّنَّۃِ ثُمَّ بِاَقْضِیَۃِ الصَّحَابَۃِ وَنَعْمَلُ بِمَایَتَّفِقُوْنَ عَلَیْہِ فَاِنِ اخْتَلَفُوْا قِسْنَا حُکْماً عَلٰی حُکْمٍ یُجَامِعُ لِلْعِلَّۃِ بَیْنَ الْمَسْئَلَتَیْنِ حَتّٰی یَتَّضِحُ الْمَعْنٰی"

ہم سب سے پہلے کتاب اللہ پرعمل کرتے ہیں،اس کے بعدسنت رسول اللہ پربعدہ صحابۂ کرام کے فیصلوں پرنظرکرتے ہیں۔جن مسائل میں وہ متفق ہوں،ان پرعمل کرتے ہیں۔اورجن میں ان کا اختلاف ہو،وہاں ہم علت حکم کے وجودسے ایک حکم کودوسرے حکم پرقیاس کرتے ہیں۔یہاں تک کہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے۔

ایک دوسراقول جوآپ سے مروی ہے اس میں صاف تحریرہے کہ وہ قیاس پرصرف اس وقت عمل کرتے ہیں جب قرآن وسنت سے اس کاحکم معلوم نہ ہوسکے۔فرماتے ہیں:

"نَحْنُ لَانَقِیْسُ اِلَّاعِنْدَالضَّرُوْرَۃِ الشَّدِیْدَۃِ وَذٰلِکَ اِنَّانَنْظُرُفِیْ دَلِیْلِ الْمَسْئَلَۃِ مِنَ الْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ اَوْاَقْضِیَۃِ الصَّحَابَۃِ، فَاِنْ لَمْ نَجِدْدَلِیْلاً قِسْنَاحِیْنَئِذٍمَسْکُوْتاً عَنْہُ عَلٰی مَنْطُوْقٍ بِہٖ"

(المیزان للشعرانی)

ہم انتہائی مجبوری کے بغیر قیاس نہیں کرتے ہیں۔ کسی مسئلہ کی دلیل کے لئے پہلے ہم قرآن وسنت اور صحابہ کے فیصلوں میں غور کرتے ہیں۔ اور اگر کہیں دلیل نہ ملے اس وقت ہم مسئلہ کو جس کا حکم کتاب وسنت میں مذکور نہیں، اس مسئلہ پر قیاس کرتے ہیں جس کا حکم مذخور ہے۔

ایسی کھلی اور واضح تصریحات کے بعد بھی یہ کہنے کہ جرأت کرسکتا ہے۔ کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سنت نبوی کی موجودگی میں اپنے قیاس پر عمل کرتے تھے۔ آپ یہ ارشاد سنئے، یقیناً تقویت ایمان کا باعث ہوگا۔

”وَكَانَ يَقُوْلُ مَاجَاءَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَعَلَى الرَّأسِ وَالْعَيْنِ بِاَبِىْ وَاُمِّىْ وَلَيْسَ لَنَامُخَالَفَتُهٗ“

آپ کہا کرتے تھے کہ جو چیز رسول اللہ ﷺ سے ہمیں پہونچے وہ ہمارے سر اور آنکھوں پر ہے۔ میرے ماں باپ حضور ﷺ پر قربان ہوں۔ ہماری یہ مجال نہیں کہ ہم حضور ﷺ کے کسی فرمان کی مخالفت کریں۔ (سنت خیر الانام: از پیر کرم شاہ ازہری)

یہ وہ اقوال ہیں جن کی روشنی میں آپ خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ منکرین تقلید سنت کا یہ دعویٰ کرنا کہ امام ابوحنیفہ اپنے قیاس کو سنت مصطفیٰ ﷺ پر ترجیح دیتے تھے۔ یہ کیوں کر صحیح اور درست قرار دیا جاسکتا ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ارباب فضل وکمال کا اعتراف

اسی باعث پر پوری دنیائے اسلام آک کی مداح ہے اور آپ کی علمی جلالت، فقہی بصیرت اور مجتہدانہ صلاحیت کا خطبہ پڑھتی نظر آتی ہے۔ خود آپ کے ہم عصر علما، محدثین اور قرآن وحدیث کے رمز شناس آپ کی علمی جلالت کی شہادت دے رہے ہیں۔ آئندہ سطور میں ارباب فضل وکمال کی شہادتیں پڑھئے اور حضرت امام اعظم کی عظمتوں کو سلام عقیدت پیش کیجئے۔

امام محمد بن ادریس شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”مَنْ اَرَادَ اَنْ يَتَبَحَّرَفِى الْفِقْهِ فَهُوَعَيَالُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ اِنَّهٗ مِمَّنْ وُفِّقَ لَهُ الْفِقْهُ، هٰذِهٖ رِوَايَةُ الْحُرْمُلَةِ“

آپ نے فرمایا کہ جو شخص فقہ میں عبور حاصل کرنا چاہے وہ ابوحنیفہ کا محتاج ہے۔ کیوں کہ وہ ان میں سے ہیں جنھیں فقہ کا علم دیا گیا۔

اور یہ بھی فرمایا ''مَنْ اَرَادَ اَنْ یَعْرِفَ الْفِقْهَ فَلْیَلْزِمْ اَبَاحَنِیْفَةَ وَاَصْحَابَهٗ فَاِنَّ النَّاسَ کُلَّهُمْ عِیَالٌ فِی الْفِقْهِ'' جو فقہ کی معرفت حاصل کرنا چاہے اسے چاہئے کہ وہ امام اعظم ابوحنیفہ اوران کے شاگردوں کا دامن پکڑے اس لئے کہ سب لوگ فقہ میں ان کے محتاج ہیں۔

حموی نے اشباہ ص ۲۸، میں امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ والرضوان کا یوں تذکرہ فرمایا ہے:

''عَبْدُاللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَکِ یَقُوْلُ اِنَّ الْاَثَرَ قَدْعَرَفَ وَاِنْ احْتَجَّ اِلَی الرَّاءِ فَرَایُ مَالِکٍ وَسُفْیَانَ وَاَبِیْ حَنِیْفَةَ وَاَبُوْ حَنِیْفَةَ اَحْسَنُهُمْ رَاْیاً وَاَدَقُّهُمْ فِطْنَةً وَاَغْوَصُهُمْ عَلَی الْفِقْهِ وَهُوَاَفْقَهُ الثَّلَاثَةِ''

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ابوحنیفہ حدیث شناس تھے۔ اگر رائے اور قیاس کی ضرورت ہو تو مالک، سفیان اور ابوحنیفہ کی رائے معتبر ہے۔ اور ابوحنیفہ ان میں ذہانت کے اعتبار سے احسن وادق اور فقہ کے غوطہ زن ہیں۔ اوران تینوں میں افقہ ہیں۔

امام اوزاعی ابتداءً امام اعظم سے بہت بدظن تھے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک جب بیروت امام اوزاعی کی خدمت میں تحصیل علم حدیث کے لئے حاضر ہوئے تو انھوں نے ان سے پوچھا کہ کوفہ میں ابو حنیفہ کون ہے؟ جو دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرتا رہتا ہے۔ عبداللہ بن مبارک نے ان کو جواب نہ دیا اور واپس چلے آئے۔ دو تین دن بعد گئے تو ساتھ میں کچھ لکھے ہوئے اوراق لیتے گئے۔ امام اوزاعی نے ان کے ہاتھ سے وہ اوراق لے لئے۔ سرورق پر لکھا ہوا تھا ''قال نعمان بن ثابت'' ان اوراق کو بغور پڑھتے رہے پھر سوال کیا کہ نعمان بن ثابت کون ہیں؟ میں نے کہا عراق کے ایک شیخ ہیں۔ کہا بڑی شان کے شیخ ہیں۔ جاؤ ان سے بہت سا فیض حاصل کرو۔ میں نے کہا یہ وہی ابوحنیفہ ہیں جن کو آپ نے مبتدع کہا ہے اور مجھے ان کے پاس جانے سے روکا تھا۔ اب امام اوزاعی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ جب حج کے لئے مکہ معظّمہ آئے تو امام اعظم سے ملاقات ہوئی اور انھیں مسائل کا ذکر آیا۔ امام اعظم نے ان مسائل کی توضیح تشریح ایسی عمدہ کی کہ امام اوزاعی ششدر رہ گئے۔ عبداللہ بن مبارک بھی موجود تھے امام اعظم کے جانے کے بعد ان سے کہا کہ ان کے فضل وکمال نے انہیں محسود بنا دیا ہے۔ مجھے یقین ہو

گیا۔میری بدگمانی غلط تھی۔اس کا مجھے بے حد افسوس ہے۔

حضرت امام کے اساتذہ میں سے حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ایک مرتبہ مدینہ منورہ کی حاضری میں جب حضرت امام باقر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے ایک ساتھی نے تعارف کرایا کہ یہ ابو حنیفہ ہیں۔امام باقر نے امام اعظم سے کہا وہ تمہیں جو قیاس کو میرے جد امجد کی حدیث پر ترجیح دیتے ہو۔امام اعظم نے عرض کیا معاذ اللہ حدیث کو کون رد کرسکتا ہے۔حضور اذن فرمائیں تو کچھ عرض کروں۔بعد اذن امام اعظم نے عرض کیا حضور مرد ضعیف ہے یا عورت؟ارشاد فرمایا ''عورت'' عرض کیا وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا؟ فرمایا ''مرد'' عرض کیا میں قیاس کو ترجیح دیتا تو عورت کو مرد کا دونا حصہ دینے کا حکم دیتا۔پھر عرض کیا نماز افضل ہے یا روزہ؟ فرمایا ''نماز'' عرض کیا قیاس یہ چاہتا ہے کہ جب نماز روزہ سے افضل ہے تو حائضہ پر نماز کی قضا بدرجۂ اولیٰ ہونی چاہئے۔اگر خلاف احادیث قیاس سے حکم کرتا تو یہ حکم دیتا کہ حائضہ نماز کی قضا ضرور کرے۔اس پر امام باقر اتنا خوش ہوئے کہ اٹھ کر آپ کی پیشانی چوم لی۔

امام المحدثین ،جلیل القدر تابعی سلیمان اعمش ،صحابی رسول سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ممتاز شاگرد ہیں۔ان سے کسی شخص نے کچھ مسائل دریافت کئے۔اس وقت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ بھی وہاں حاضر تھے۔امام اعمش نے وہ مسائل امام اعظم سے پوچھے آپ نے فوراً ان کے جوابات مرحمت فرمادیئے۔امام اعمش نے کہا: یہ جواب آپ نے کہاں سے دیئے؟ آپ نے فرمایا ان حدیثوں سے جو میں نے خود آپ ہی سے سنی ہیں۔پھر آپ نے وہ حدیثیں سند کے ساتھ سنا دیں۔امام اعمش نے کہا:

''حَسْبُکَ مَاحَدَّثْتُکَ بِهٖ فِیْ مِائَةِ یَوْمٍ تُحَدِّثُنِیْ بِهٖ فِیْ سَاعَةٍ وَاحِدَةٍ ، مَاعَلِمْتُ اَنَّکَ تَعْمَلُ بِهٰذِهِ الْاَحَادِیْثِ ، یَامَعْشَرَ الْفُقَهَاءِ اَنْتُمُ الْاَطِبَّاءُ وَنَحْنُ الصَّیَادِلَةُ، وَاَنْتَ اَیُّهَا الرَّجُلُ اَخَذْتَ بِکِلَا الطَّرْفَیْنِ''

بس کیجئے جو حدیثیں میں نے سو دن میں آپ کو سنائیں آپ گھڑی بھر میں مجھے سنا دیئے ہیں۔مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ان حدیثوں میں یوں عمل کرتے ہیں۔اے گروہ فقہاء! تم طبیب ہو اور ہم محدثین دوا فروش ہیں۔اور اے ابو حنیفہ! تم تو فقہ وحدیث دونوں کے جامع ہو۔

یہ ہے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا فن فقاہت وحدیث میں مقام۔ جس کا اعتراف ان کے ہم عصر علما و محدثین نے کیا ہے۔

دنیائے فقاہت میں ترا نام رہے گا نعمان ترے نام سے اسلام رہے گا

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے اساتذۂ کرام اور تلامذہ

سراج الائمہ کاشف الغمہ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے اساتذہ کی تعداد چالیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ کتاب ''تہذیب الکمال'' میں چھتیس اسماء اساتذہ کی ایک فہرست درج ہے۔ جسے مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے عمدۃ الرعایۃ مقدمہ شرح وقایہ میں نقل کیا ہے۔ وہ فہرست تبرکا پیش خدمت ہے:

(۱) حضرت نافع مولی ابن عمر (۲) موسیٰ ابن ابی عائشہ (۳) حماد بن سلیمان (۴) محمد بن شہاب الزہر الاعرج (۵) عکرمہ مولی ابن عباس (۶) عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج (۷) ابراہیم بن محمد (۸) جبلہ سحیم (۹) قاسم المسعودی (۱۰) عون بن عبداللہ (۱۱) علقمہ بن مرشد (۱۲) علی اقمر (۱۳) عطاء بن رباح (۱۴) قابوس بن حتیسان (۱۵) خالد بن علقمہ (۱۶) سعید بن مسروق الثوری (۱۷) سلمہ بن کہیل (۱۸) سماک بن حرب (۱۹) شداد بن عبدالرحمٰن (۲۰) ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن (۲۱) ابوجعفر محمد الباقر (۲۲) اسماعیل بن عبدالملک (۲۳) حارث بن عبدالرحمٰن (۲۴) حسن بن عبداللہ (۲۵) حکم بن عتیبہ (۲۶) طریف بن سفیان العدی (۲۷) عامر بن سبیعی (۲۸) عبدالکریم بن ابی امیہ (۲۹) عطاء بن سائب (۳۰) محارب بن دثار (۳۱) محمد بن سائب (۳۲) معن بن عبدالرحمٰن (۳۳) منصور بن معتمر (۳۴) ہشام بن عروہ (۳۵) یحیٰ بن سعید (۳۶) ابوزبیر مکی رضی اللہ عنہم اجمعین۔

تلامذہ: ۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کی صحیح تعداد متعین کرنا مشکل ہے۔ کیوں کہ یہ تلامذہ تین قسم کے تھے۔ ایک وہ جن کی شہرت صرف فن فقاہت میں ہوئی۔ ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان کا کوئی شمار نہیں۔ دوسرے وہ جن کی شہرت صرف فن حدیث میں ہوئی۔ ان کی بھی تعداد ہزاروں ہے۔ تیسرے وہ جو دونوں اعتبار سے ممتاز تھے۔ ان تینوں گروہوں میں سے جنہیں درجۂ اجتہاد حاصل ہے ان کے چند اسمائے گرامی ناظرین کے پیش خدمت ہیں۔

حضرت امام ابویوسف (۲) حضرت امام محمد بن حسن شیبانی (۳) حضرت امام زفر بن ہذیل (۴)

حضرت امام عبداللہ بن مبارک استاذ امام بخاری (۵) حضرت امام حسن بن زیاد (۶) حضرت ابو مطیع بن بلخی (۷) حضرت وکیع (۸) حضرت زکریا بن زائدہ (۹) حضرت حفص بن غیاث نخعی (۱۰) حضرت داؤد طائی رئیس الصوفیہ (۱۱) حضرت یوسف بن خالد سمتی (۱۲) حضرت اسد بن عمر (۱۳) حضرت نوح بن مریم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ۔ (نزہۃ القاری: ص ۱۶۰ تا ۱۶۱)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا اخلاق و کردار

اخلاق کردار آدمی کی شخصیت سازی میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ علم میں انسان کوہ ہمالہ کیوں نہ ہو مگر اخلاق و کردار کا نقص شخصیت کو ناقص کر دیتا ہے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ اپنے اخلاق و کردار کے آئینہ میں ایک چمکدار ستارہ تھے۔ جن کی تصدیق ان کے ہم عصر علما و مشائخ نے فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک نے سفیان ثوری سے کہا کہ امام ابوحنیفہ غیبت کرنے والوں سے کوسوں دور تھے۔ میں نے کبھی نہیں سنا کہ انہوں نے اپنے کسی مخالف کی غیبت کی ہو۔ سفیان ثوری نے فرمایا اللہ کی قسم وہ بہت عقل مند تھے۔ وہ اپنی نیکیوں پر کوئی ایسا عمل مسلط نہیں کرنا چاہتے تھے جو ان کی نیکیوں کو ضایع کر دے۔

ضمرہ کے بقول لوگوں کا اتفاق ہے کہ امام ابوحنیفہ درست زبان تھے۔ انہوں نے کسی کا ذکر برائی سے نہیں کیا اور جب ان سے کہا گیا کہ لوگ آپ پر اعتراض کرتے ہیں اور آپ کسی پر اعتراض نہیں کرتے تو آپ نے فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے جس کو جو چاہے عطا کر دے۔

بکیر بن معروف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''امت محمدی میں کوئی شخص میں نے امام ابوحنیفہ سے بہتر نہیں دیکھا'' (الخیرات الحسان: ص ۱۳۲)

ایک مرتبہ ہارون رشید نے امام ابو یوسف سے کہا کہ امام ابوحنیفہ کے اخلاق و کردار کو بیان کرو تو انہوں نے فرمایا کہ امام اعظم حرام چیزوں سے خود بھی پرہیز فرمایا کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس سے پرہیز کرانے کی شدید کوشش کرتے۔ بغیر علم کے دین میں کوئی بات کہنے سے بہت خوف کرتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں انتہائی مجاہدہ کرتے۔ وہ دنیاداروں سے بیزار رہتے تھے۔ اور کبھی کسی کی خوشامد نہ کرتے۔ وہ اکثر خاموش رہتے اور دینی مسائل میں غور و فکر کیا کرتے۔ علم و عمل میں بلند رتبہ ہونے کے

ہونے باوجود عاجزی وانکساری کے پیکر تھے۔

جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو قرآن وسنت کی طرف رجوع کرتے اگر قرآن وسنت میں اس کوئی نظیر نہ ملتی تو حق طریقہ پر قیاس کرتے۔ اپنے نفس اوردین کی حفاظت کرتے اورراہ خدامیں علم اورمال ودولت خوب خرچ کرتے۔ ان کا نفس تمام لوگوں سے بے نیاز تھا۔ لالچ اورحرص کی طرف ان کا میلان نہ تھا۔ وہ غیبت کرنے سے بہت دوررہتے تھے۔ اگرکسی کا ذکر کرتے تو بھلائی سے کرتے۔ یہ سن کر خلیفہ ہارون رشید نے کہا ''صالحین کے اخلاق وکردار ایسے ہی ہوتے ہیں۔ پھراس نے کاتب کو یہ اوصاف جمیلہ لکھنے کا حکم دیا اوراپنے بیٹے سے کہا ان اوصاف حمیدہ کو یاد کرلو''۔ (سوانح بے بہاے امام اعظم :ص۷۶)

حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں'' مجھے امام اعظم کی خدمت میں بیس سال سے زائد مدت گزارنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ میں نے آپ سے زیادہ لوگوں کا خیرخواہ، ہمدرداورشفقت کرنے والانہیں دیکھا۔ آپ اہل علم کودل وجان سے چاہتے تھے۔ آپ کے شب وروز اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے وقف تھے۔ سارادن تعلیم وتدریس میں گزرتا اورباہر سے آنے والے مسائل کا جواب لکھتے۔ بالمشافہ مسائل پوچھنے والوں کی رہنمائی فرماتے۔ مجلس میں بیٹھتے تو وہ درس وتدریس کی مجلس ہوتی۔ اورباہر نکلتے تو مریضوں کی عیادت، جنازوں میں شرکت، فقراء ومساکین کی خدمت، رشتہ داروں کی خبرگیری اور آنے والوں کی حاجت روائی میں مشغول ہوجاتے۔ رات عبادت میں گزارتے اورقرآن مجید کی بہترین انداز میں تلاوت کرتے۔ یہی معمولات زندگی بھرقائم رہے۔ یہاں تک کہ آپ وصال فرما گئے''۔ (مناقب للموفق :ص۴۰۰)

معانی بن عمران موصلی کہتے ہیں'' امام ابوحنیفہ میں دس صفات ایسی تھیں کہ اگران میں سے ایک بھی کسی میں موجود ہوتو وہ اپنی قوم کا سردار بن جائے گا۔ (۱) پرہیزگاری (۲) سچائی (۳) فقہی مہارت (۴) عوام کی خاطرومدارت (۵) سخاوت (۶) پرخلوص ہمدردی (۷) لوگوں کونفع پہونچانے میں سبقت (۸) طویل خاموشی یعنی فضول گفتگو سے پرہیز (۹) گفتگو میں حق بات کہنا (۱۰) مظلوم کی معاونت کرنا خواہ دشمن ہو یا دوست'' (مناقب للموفق :ص۲۲۴)

یہ ہیں امام اعظم کے حسن اخلاق وکردار جس کے بارے میں بے شمار واقعات کتب کثیرہ میں موجود

ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ جس طرح علم میں بے مثل و بے مثال شان رکھتے ہیں۔ اسی طرح حسن اخلاق اور سیرت و کردار میں بھی ان کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا ہے۔

امام ابو یوسف نے تو گویا سمندر کو کوزے میں سمو کر رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے امام ابو حنیفہ کو علم و عمل، سخاوت و ایثار اور دیگر قرآنی اخلاق سے مزین کر دیا تھا" (الخیرات الحسان: ص ۱۳۶)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا زہد و تقویٰ

امام اعظم رضی اللہ عنہ ایک جامع کمالات، مجمع الصفات، گونہ گوں خوبیوں کے حامل، متقی، پرہیزگار، صالح اور نیک طبیعت کے مالک تھے۔ دنیا بیزاری آپ کی رگ رگ میں بسی تھی۔ آپ زہد و تقویٰ کی اعلیٰ مثال تھے۔

حضرت اسد بن عمرو نے فرمایا کہ آپ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے نماز فجر ادا کی اور رات بھر میں ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھتے۔ خشیت الٰہی سے جو رونے کی آواز پیدا ہوتی، آپ کے پڑوسی سنتے اور رحم کھاتے۔ جس جگہ آپ کی روح مبارک نے قفس عنصری سے پرواز کی وہاں آپ نے ستر ہزار مرتبہ ختم قرآن فرمایا۔ اور حضرت حسن بن عمارہ نے آپ کو غسل دیتے وقت فرمایا کہ اللہ آپ کو بخش دے اور رحم فرمائے کہ آپ تیس سال روزے تھے۔ اور چالیس سال تہائی رات تک بغرض استراحت تکیہ نہیں استعمال فرمایا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ ایک بار نماز جنازہ پڑھنے تشریف لے گئے۔ دھوپ کی بڑی شدت تھی ۔سائے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ قبرستان کی دیوار کے ساتھ ہی میں ایک شخص کا مکان تھا۔ لوگوں نے اس مکان کا سایہ دیکھ کر عرض کیا حضور اس سایہ میں کھڑے ہو جائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ مالک مکان میرا مقروض ہے اگر میں نے اس کی دیوار سے کچھ نفع حاصل کیا تو میں ڈرتا ہوں کہ عند اللہ میں کہیں سود لینے والوں میں شمار نہ ہو جاؤں۔ کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قرض سے نفع لیا جائے وہ سود ہے۔ چنانچہ آپ دھوپ میں کھڑے رہے۔

یہ امام اعظم کا کمال تقویٰ اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر گہری نظر کہ آپ نے مناسب نہیں سمجھا کہ صاحب مکان کی دیوار سے فائدہ حاصل کروں۔

ایک مرتبہ خلیفہ منصور نے آپ کو بلا کر کہا کہ عہدۂ قضا قبول کرلیں اور میری مملکت کے آپ قاضی القضاۃ یعنی چیف جسٹس بن جائیں آپ نے فرمایا میں اس کے قابل نہیں۔ اس نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو، تم سے زیادہ کون اس کے لائق ہوگا؟ آپ نے کہا اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو آپ نے خود ہی فیصلہ کردیا کہ میں جج بننے کے قابل نہیں۔ کیوں کہ جھوٹا آدمی جج نہیں بن سکتا ہے۔ یہ کہہ کر آپ وہاں سے چل دیئے۔

یہ ہے امام اعظم کی دنیا بیزاری۔ اور یہ مسلمہ حقیقت ہے جو اللہ کا محبوب بندہ ہوتا ہے اسے کسی دنیادار کے عہدے کی لالچ نہیں ہوتی اور اگر دنیا ان کے پیچھے دوڑتی، وہ دنیا سے حتیٰ الامکان دور بھاگتے۔ پھر بھی کچھ ایسے لوگ ہیں جو روپیہ پیسہ خرچ کرکے اور دن ورات کوشش کرکے کسی بڑے عہدے پر پہونچنے کی کوشش کریں پھر وہ بھلا اتنے بڑے متقی و پرہیزگار امام کی شان میں گستاخی کریں، تو اس سے بڑھ کر بے انصاف کون ہوگا۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تجارت وسخاوت

عربی لغت میں خزاز ریشمی کپڑے کے تاجر کو کہتے ہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ ریشمی کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ آپ کی تجارت نہایت وسیع تھی۔ لاکھوں کا لین دین تھا۔ اکثر شہروں میں گماشتے مقرر تھے۔ بڑے بڑے سوداگروں سے لین دین کا معاملہ رہتا تھا۔ بڑے بڑے کارخانوں کے ساتھ دیانت اور احتیاط کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ ناجائز طور پر ایک حبہ (دانہ) بھی ان کے خزانے میں داخل نہیں ہوسکتا تھا۔ اس احتیاط میں کبھی کبھی نقصان بھی اٹھانا پڑتا تھا۔ مگر ان کو کچھ پرواہ نہیں تھی۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ چار صفات کی وجہ سے ایک کامل وماہر تاجر ہوئے اور وہ چار صفات مندرجہ ذیل ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) آپ کا نفس غنی تھا۔ لالچ کا اثر کسی وقت بھی آپ ظاہر نہ ہوا۔

(۲) آپ نہایت درجہ امانت دار تھے۔

(۳) آپ معاف اور درگزر کرنے والے تھے۔

(۴) آپ شریعت کے احکام پر سختی سے عمل پیرا تھے۔

ان اوصاف حمیدہ کا اجتماعی طور پر جو اثر آپ کے تجارتی معاملات پر ہوا، اس وجہ سے آپ طبقات تجار میں انوکھے تاجر شمار ہوئے۔ اس لئے بیشتر حضرات آپ کی تجارت کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تجارت سے تشبیہ دیتے تھے۔ گویا آپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تجارت کی ایک مثال پیش کر رہے ہیں، اور ان کے طور طریقوں پر چل رہے ہیں۔ جن پر سلف صالحین کا عمل تھا۔ آپ خرید تے وقت بھی اسی طرح امانت داری کے طریقے پر عامل تھے۔ جس طرح بیچنے کے وقت عامل رہا کرتے تھے۔

ایک دفعہ حفص بن عبدالرحمٰن کے پاس ریشمی کپڑے کے تھان بھیجے اور کہلا بھیجا کہ فلاں فلاں تھان میں عیب ہے۔ فروخت کرنے سے پہلے خریدار سے عیوب کا ظاہر کر دینا۔ حفص کو اس ہدایت کا خیال نہ رہا۔ تھان بیچ ڈالے اور خریدار کو عیوب سے مطلع نہ کیا۔ جب امام اعظم کو یہ بات معلوم ہوئی تو بہت افسوس کا اظہار کیا۔ تمام تھانوں کی قیمت جو تیس ہزار درہم تھی، سب غریبوں پر تقسیم کر دیا۔

ایک دن ایک عورت آپ کے پاس خز (ریشمی کپڑا) کا تھان بیچنے کی غرض سے حاضر ہوئی۔ آپ نے قیمت پوچھی، اس نے سو روپیہ بتایا۔ آپ نے فرمایا بہت کم ہے اور کپڑا قیمتی ہے۔ اس نے کہا تب دوسو روپئے۔ آپ نے فرمایا پھر بھی کم ہے۔ یہ کپڑا پانچ سو روپئے سے کم قیمت کا نہیں۔ اس نے متعجب ہوکر کہا شاید آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں۔ امام صاحب نے پانچ سو روپئے اپنی جیب سے نکالے اور دے دیئے اور تھان کو رکھ لیا۔ اس احتیاط اور دیانت نے آپ کے کارخانہ کو بجائے نقصان پہونچانے کے اور بھی دوبالا کر دیا۔

امام اعظم نے کبھی کسی بیچنے والے کی غفلت اور لاعلمی سے فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ ان کی بھلائی کے لئے بہترین رہنمائی فرماتے تھے۔ آپ اپنے احباب سے یا کسی غریب خریدار سے نفع بھی نہیں لیا کرتے تھے بلکہ اپنے نفع میں سے اس کو دے دیا کرتے تھے۔

ایک ضعیف عورت آپ کے پاس آئی اور اس نے کہا میرے اندر زیادہ استطاعت نہیں ہے۔ اس لئے یہ کپڑا جتنے میں آپ نے خریدا ہے اسی دام پر میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ آپ نے فرمایا تم چار درہم میں لے لو۔ وہ بولی میں ایک ضعیف عورت ہوں میرا مذاق کیوں اڑاتے ہو؟ کیوں کہ یہ قیمت بہت کم ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے دو کپڑے خریدے تھے اور ان میں سے ایک کپڑا میں اتنی قیمت

میں فروخت کر چکا ہوں جو دونوں کی قیمت خرید سے چار درہم کم ہے۔اب یہ دوسرا کپڑا ہے جو مجھے چار درہم میں پڑا ہے تم چار درہم میں اسے لے لو۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی زندگی بھر یہ کوشش رہی کہ وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر زندگی بسر کریں اور آپ کے اقوال وافعال اور خصائل کی پیروی کریں۔کیوں کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام سے افضل تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت اس لئے تھی کہ وہ مزاج شناس عادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔صحابہ کرام میں سب سے زیادہ متقی و پرہیز گار، عالم، فقیہ، عبادت گزار، سخی اور جاں نثار تھے۔اسی طرح امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ تابعین عظام میں سب سے زائد علم والے، سب سے بڑے متقی و پرہیز گار، سب سے کامل عبادت گزار اور سب سے زیادہ سخی تھے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مکہ شریف میں دوکانداری کرتے تھے۔کپڑے کا کاروبار تھا۔امام ابو حنیفہ نے کوفہ میں کپڑے کی تجارت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی معرفت اور دین کی سمجھ بھی حاصل کی اسی طرح ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک ایک لمحہ آپ نے اپنی زندگی میں شامل کر لیا تھا (مناقب للموفق: ص۱۰۲)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی وسیع تجارت کا مقصد صرف دولت کمانا نہیں تھا بلکہ آپ کی غرض لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچانا تھا۔جتنے احباب اور ملنے والے تھے سب کے وظیفے مقرر کر رکھے تھے۔شیوخ اور محدثین کے لئے تجارت کا ایک حصہ مخصوص کر دیا تھا۔کہ اس سے جو بھی نفع ہوتا تھا سالہا سال ان لوگوں کو پہونچا دیا جاتا تھا۔

آپ کا عام معمول یہ تھا کہ گھر والوں کے لئے کوئی چیز خریدتے تو اسی مقدار میں علما و محدثین کے پاس بھیجواتے۔اگر کوئی شخص ملنے آتا تو اس کا حال پوچھتے اور اگر حاجت مند ہوتا تو اس کی حاجت روائی فرماتے۔اور شاگردوں میں جس کو تنگ دست دیکھتے تو اس کی ضروریات کی کفالت کرتے تا کہ اطمینان وسکون سے علم کی تکمیل کر سکے۔بہت سے لوگ جن کو مفلسی کی وجہ سے تحصیل علم کا موقع نہیں ملتا تھا آپ ہی کی دستگیری وجہ سے بڑے بڑے رتبوں کو پہونچے۔ان میں قاضی ابو یوسف کا نام نمایاں ہے۔امام اعظم تجارت کا نفع سال بھر جمع کرتے اور پھر اس سے اساتذہ اور محدثین کی ضروریات مثلاً کھانے پینے اور پہننے کا لباس وغیرہ خرید کر ان کی خدمت عالیہ میں پیش کر دیا کرتے تھے۔اور جو روپیہ نقد

باقی رہ جاتا وہ ان حضرات کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کر کے فرماتے کہ میں نے اپنے مال میں سے کچھ نہیں دیا ہے۔ یہ سب مال اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس نے اپنے فضل و کرم سے آپ حضرات کے لئے یہ مال مجھے عطا فرمایا ہے، جو میں آپ کی خدمت میں پیش کرر ہا ہوں۔ (مناقب للموفق: ص۲۷۶)

امام مسعر بن کدام رحمہ اللہ کہتے ہیں ''امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ جب بھی اپنے لئے یا اپنے گھر والوں کے لئے کپڑا یا میوہ خرید تے تو پہلے اسی مقدار میں علما و مشائخ کے لئے خرید تے''۔ (الخیرات الحسان: ص۱۳۷)

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا بیان ہے ''آپ نے بیس سال تک میرا اور میرے گھر والوں کا خرچہ بردا شت کیا اور میں جب بھی آپ سے کہتا کہ میں نے آپ سے زائد دینے والا نہیں دیکھا تو فرماتے اگر تم میرے استاذ حضرت حماد کو دیکھ لیتے تو ایسا نہیں کہتے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر آپ کسی کو کچھ دیا کرتے تھے اور وہ آپ کا شکریہ ادا کرتا تو آپ کو بڑا املال ہوتا۔ آپ اس سے فرماتے کہ شکر اللہ کا ادا کرو کہ اس نے یہ روزی ہم کو دی ہے۔ (الخیرات الحسان: ص۱۳۶)

ایک مرتبہ آپ نے ایک شخص کو اپنی مجلس میں ظاہری شکل و صورت کے اعتبار سے خستہ حال دیکھا تو جب لوگ رخصت ہو کر جانے لگے تو آپ نے اس سے فرمایا ذرا ٹھہر جاؤ۔ حکم ملتے ہی رک گیا۔ آپ نے مصلیٰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اس کو اٹھاؤ اور جو کچھ اس کے نیچے ہو لے لو۔ اور اس سے اپنی حالت سنوار لو۔ اس نے مصلیٰ اٹھا کر دیکھا تو ہزار درہم کی تھیلی تھی۔ اس نے عرض کیا میں دولت مند ہوں مجھے اس کی حاجت نہیں ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم نے حدیث نہیں سنی کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنی نعمت کا اثر کا دیکھنا چاہتا ہے۔ لہٰذا تم اپنی حالت بدل لو تا کہ تمہیں دیکھ کر کسی کو تمہارے محتاج ہونے کا شبہ نہ ہو اور تمہارے دوست تمہاری خوشحالی سے خوش ہوں۔ (الخیرات الحسان: ص۱۳۳)

ایک دفعہ آپ کسی بیمار کی عیادت کے لئے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک شخص ملا جو آپ کا مقروض تھا اس نے دور سے آپ کو دیکھ لیا اور منہ چھپا کر دوسری طرف جانے لگا۔ آپ نے اسے پکارا وہ کھڑا ہو گیا آپ نے قریب پہونچ کر فرمایا تم مجھ کو دیکھ کر راستہ کیوں تبدیل کر رہے تھے۔ اس نے جواب دیا حضرت آپ کا دس ہزار درہم قرض ادا کرنا ہے جو مجھ سے اب تک ادا نہ ہو سکا۔ اس شرم کی وجہ سے آپ کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ امام صاحب اس کی غیرت سے متعجب ہوئے اور فرمایا جاؤ میں نے سب معاف کر دیا۔ تم آئندہ مجھ سے منہ نہ چھپانا اور میری وجہ سے جو تمہیں ندامت اور پریشانی ہوئی اس سے

میں معذرت خواہ ہوں۔(ایضا:ص ۱۳۶)

ایک بار سفر حج میں عبداللہ بن بکر سہمی کا کسی بدوی سے جھگڑا ہو گیا اس نے ان کو پکڑ کر امام صاحب کی خدمت عالیہ میں پیش کیا کہ یہ میرا قرض ادا نہیں کرتا ہے امام صاحب نے عبداللہ سے اس کی حقیقت معلوم کی، انہوں نے سرے سے انکار کر دیا۔آپ نے بدوی سے پوچھا آخر کتنے درہموں پر جھگڑا ہے؟ اس نے کہا چالیس درہم۔متعجب ہو کر فرمایا کہ لوگوں کے دلوں سے مروت وحمیت کا جذبہ ختم ہو گیا۔ اتنے سے معاملہ پر جھگڑتے ہو۔مجھے شرم ہوتی ہے۔پھر آپ نے اپنی جیب سے چالیس درہم ادا کئے۔
(مناقب للموفق:ص ۲۷۲)

امام اعظم کے صاحبزادے حماد نے جب اپنے استاذ سے بسم اللہ خوانی کی تو آپ نے ان کے استاذ کو ایک ہزار درہم بطور نذرانہ پیش کیا۔وہ کہنے لگے کہ حضور میں نے کون سا بڑا کرنامہ انجام دیا ہے کہ آپ اتنی زیادی رقم نذرانہ میں دے رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا میرے بیٹے کو جو دولت عنایت کی ہے اس کے سامنے تو یہ نذرانہ بہت حقیر ہے۔بخدا اگر میرے پاس اس سے زیادہ ہوتا تو وہ بھی پیش کر دیتا۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے جس خلوص ورفراخ دلی سے عوام وخواص کی خدمت کی ہے،اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔جو لوگ آپ کی مجلس میں یونہی چند لمحے بتاے کے لئے بیٹھ جاتے وہ بھی آپ کی سخاوت سے فیضیاب ہوتے۔آپ ان سے بھی ان کی ضروریات کے متعلق پوچھتے اگر کوئی بھوکا ہوتا تو اسے کھانا کھلاتے،اگر کوئی بیمار ہوتا تو اس کے علاج کے لئے رقم دیتے،کوئی حاجت مند ہوتا تو اس کی حاجت روائی فرماتے،اگر کوئی زبان سے حاجت بیان نہ کرتا تو اس کے کہے بغیر فراست باطنی سے اس کا مدعا جان لیتے۔یہ ہے امام اعظم کی دریادلی اور سخاوت کا جذبہ کہ اپنے بھی پرائے بھی آپ کی دریادلی اور جود وسخا سے مستفیض ہوتے رہے۔لیکن ہمارا حال اس کے برعکس نظر آتا ہے۔کیوں کہ ہم ان اوصاف سے کوسوں دور ہیں۔اللہ ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین (ایضاً:ص ۲۷۰)

امام اعظم رضی اللہ عنہ اور تدوین فقہ

انسان کی معاشرت کی وسعت نے اتنی چیزوں کا انسان کو محتاج بنا دیا ہے کہ ایک انسان اگر لاکھ کوشش کرے کہ وہ دوسرے سے بے نیاز ہو جائے تو یہ محال بات ہے۔ مسلمان چونکہ عبادات کے علاوہ معاملات میں بھی شریعت کا پابند ہے۔ اس لئے اسے عبادات کے علاوہ معاملات میں بھی قدم قدم لحظہ احکام شریعت کی ضرورت ہے۔ آپ صرف عبادات ہی کو لے لیجئے، اس کے فروع و جزئیات کتنے کثیر ہیں۔ اب ہر انسان کو اس کا مکلّف کرنا کہ وہ پورا قرآن مجید مع معانی ومطالب کے حفظ رکھے اور تمام احادیث کو مع سند و مالہ و ماعلیہ یاد رکھے، تکلیف مالا یطاق ہے۔

اس لئے ضروری ہوا کہ امت کے جن علما کو اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت و استعداد دی ہے کہ وہ قرآن و احادیث کے حفظ وضبط کے ساتھ ساتھ ان کے معانی ومطالب سے کما حقہ واقف ہیں اور ان کے ناسخ و منسوخ کو جانتے ہیں جن میں اجتہاد و استنباط کی پوری قوت ہے۔ وہ خداداد قوت و اجتہاد سے احکام شرعیہ کا ایسا مجموعہ تیار کر دیں جن میں منقح احکام مذکور ہوں۔

اسی ضرورت کو سب سے پہلے حضرت امام الائمہ سراج الامہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا اور آپ نے اپنی خداداد صلاحیت کو قرآن واحادیث اور اقوال صحابہ سے مسائل کے استخراج واستنباط میں صرف فرما دیا۔ جس کے احسان سے امت مرحومہ عہدہ برآ نہیں ہوسکتی۔ خصوصاً جب کہ دور وہ شروع ہو چکا تھا کہ سیکڑوں نت نئے فتنے اٹھ رہے تھے۔ بدمذہب اسلام دشمن عناصر مسلمانوں میں گھل مل کر ہزار ہا ہزار احادیث گڑھ کر پھیلا چکے تھے۔ اس وقت تک نہ تو استدلال واستنباط مسائل کے قواعد مقرر ہوئے تھے نہ ہی ایسے اصول وضوابط طئے ہوئے تھے جن کی روشنی میں احکام کی تفریع کی جاتی۔

بارہا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے سرکاری قاضیوں اور حکام کو فیصلوں میں غلطیاں کرتے دیکھا۔ یہ بھی تدوین فقہ کا ایک سبب تھا۔ نیز تمدن میں وسعت کی وجہ سے روز بروز نئے مسائل پیدا ہوتے جارہے تھے۔ اطراف وبلاد سے سیکڑوں استفتاء امام اعظم کی خدمت میں آنے لگے تو آپ نے یہ عزم کیا کہ احکام و مسائل کے وسیع وکثیر جزئیات کو اصولوں کے ساتھ ترتیب دے کر ایک جامع فن کی شکل دے دی جائے تا کہ آنے والی نسلوں کے لئے اسلامی دستور مشعل راہ بن جائے۔

چنانچہ آپ نے تدوین فقہ کے عظیم کارنامہ کے لئے اپنے ان شاگردوں کو تیار کیا جن کو سالہا سال تک انہوں نے اپنے مدرسہ قانون میں باقاعدہ قانونی مسائل پر سوچنے، علمی طرز پر تحقیقات کرنے اور دلائل سے نتائج مستنبط کرنے کی تربیت دی تھی۔ ان میں سے قریب قریب ہر شخص امام کے علاوہ وقت کے دوسرے بڑے بڑے اساتذہ سے بھی قرآن وحدیث، فقہ اور دوسرے مددگار علوم مثلاً لغت، نحو، ادب اور تاریخ وسیر کی تعلیم حاصل کر چکا تھا۔ مختلف شاگرد مختلف علوم کے مخصص اور ماہر سمجھے جاتے تھے۔ کسی کو قیاس اور علوم عقلیہ میں نمایاں مقام حاصل تھا۔ کسی کے پاس احادیث اور صحابہ کرام کے فتاوی اور پچھلے خلفاء وقضاۃ کے مظاہر کی وسیع معلومات تھیں۔ اور کسی کو علم تفسیر یا قانون کے کسی خاص شعبے، یا لغت اور نحو یا مغازی کے علم میں اختصاص حاصل تھا۔ ایک دفعہ امام صاحب نے کو داپنی گفتگو میں بتایا کہ یہ کس مرتبے کے لوگ تھے۔

''یہ بروایت مختلف ۳۶ / یا ۴۰ / آدمی ہیں جن میں سے قاضی ہونے کے لائق ہیں۔ ۶ / فتویٰ دینے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اور دو اس درجہ کے آدمی ہیں کہ قاضی تیار کر سکتے ہیں''۔ (مناقب للموفق: ج ۲، ص ۲۴۶)

چونکہ فقہ زندگی کے شعبہ سے متعلق مسائل پر مبنی ہے۔ اس لئے امام اعظم نے مختلف علوم وفنون کے ماہرین کو جمع کیا، اور پھر ان کی معاونت سے اسلامی قوانین کو مرتب کرنے میں مصروف ہو گئے۔ طریقہ تدوین یہ تھا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ اپنی مسند پر رونق افروز ہوتے، آپ کے سامنے کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا اور پھر مسئلہ پر آپ کے تلامذہ گفتگو کرتے۔ بعض اوقات بحث میں ان کی آوازیں بلند ہونے لگتیں اور دیر تک بحث ہوتی رہتی۔ امام اعظم نہایت خاموشی سے ان کی گفتگو سنتے رہتے، پھر جب آپ کلام کا آغاز کرتے تو ہر طرف سناٹا چھا جاتا۔

ایک دن امام اعظم کسی مسئلہ پر گفتگو فرما رہے تھے اور سب حضرات خاموش بیٹھے سن رہے تھے۔ ایک شخص نے یہ منظر دیکھ کر کہا ''پاک ہے وہ ذات جس نے امام ابو حنیفہ کے لئے ان حضرات کو خاموش کرایا''۔ (ایضاً: ص ۴۱۲)

امام اعظم کا طریقہ یہ تھا کہ آپ اپنے تلامذہ سے بحث کرتے، کبھی تو آپ کے اصحاب دلائل سن کر آپ کی بات مان لیتے اور کبھی آپ کے دلائل کے مقابل اپنے دلائل پیش کرتے۔ امام اعمش آپ کے طریقہ کار پر یوں تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جب ان کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو ان کے اراکین اس مسئلہ کو اس قدر گردش کر دیتے تھے اور اس کے ہر پہلو کا اس قدر غور وفکر سے جائزہ لیتے تھے کہ بالآخر اس کا حل روشن ہو جاتا''۔(مناقب لکردری، ج۲،ص۳)

صدر الائمہ علامہ موفق لکھتے ہیں ''امام اعظم نے اپنے مذہب کی اساس اپنے تلامذہ کی شوریٰ پر رکھی اور ان پر اپنی رائے مسلط نہ کی اس سے آپ کا مقصد دین میں احتیاط اور خدا اور رسول سے پر خلوص تعلق میں انتہائی حد تک کوشاں رہنا تھا۔آپ ایک مسئلہ ان کے سامنے پیش کرتے تھے، اس کے مختلف پہلو ان کے سامنے لاتے تھے، جو کچھ ان کے پاس علم اور خیال ہوتا اسے سنتے اور اپنی رائے بھی بیان کرتے حتیٰ کہ بعض اوقات ایک ایک مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے مہینہ مہینہ بھر اور اس سے بھی زیادہ لگ جاتا تھا آخر جب ایک رائے قرار پا جاتی تو اسے قاضی ابو یوسف کتب اصول میں ثبت کر دیتے۔''(حیات امام اعظم،ص ۱۴۱)

عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں ''ایک مرتبہ اس مجلس میں تین دن تک مسلسل ایک مسئلہ پر بحث ہوتی رہی تیسرے دن شام کے وقت میں نے جب اللہ اکبر کی آواز سنی تو پتہ چلا کہ اس بحث کا فیصلہ ہو گیا''۔
(مناقب امام اعظم لکردری ج۲،ص ۱۰۸)

خطیب بغدادی تحریر فرماتے ہیں ''اگر کسی مسئلہ میں بحث کا آغاز ہوتا اور امام عافیہ اس وقت موجود نہ ہوتے تو امام اعظم فرماتے اس بحث کو عافیہ کے آنے تک جاری رکھو، جب وہ آجاتے بالآخر سب کی رائے متفق ہو جاتے تو امام اعظم فرماتے اس مسئلہ کو لکھ لو''۔(تاریخ بغداد: ج۱۲،ص ۱۰۸)

ان ۳۶ یا ۴۰ حضرات میں سے دس بارہ ائمہ کرام کی ایک خصوصی مجلس قائم تھی (جس میں امام اعظم کے علاوہ امام ابو یوسف، اما زفر بن ہذیل، داؤد طائی، عبداللہ بن مبارک، یحیٰ بن زکریا، حبان بن علی، امام مندل بن علی، عافیہ بن یزید، علی بن مسہر، علی بن طیبان، قاسم بن معن اور اسد بن عمر وشامل تھے) جو فیصلہ کو حتمی شکل دیتی۔اور پھر اسے تحریر کر دیا جاتا۔دستور اسلامی کا عظیم الشان کام ۱۲۱ھ میں شروع ہوا اور کئی سالوں تک جاری رہا حتی کہ آپ کی اسیری کے ایام میں بھی یہ کام جاری تھا۔اس دستور کے جتنے اجزاء تیار ہو جاتے، ساتھ ہی ساتھ انہیں شائع کر دیا جاتا۔یہ مجموعہ ''کتب فقہ حنفی'' کے نام سے مشہور ہوا۔

حضرت ملاعلی قاری فرماتے ہیں کہ امام اعظم نے تراسی ہزار (۸۳۰۰۰) مسائل مدون کئے۔ان میں سے اڑتیس ہزار (۳۸۰۰۰) عبادات سے متعلق اور دیگر پینتالیس ہزار (۴۵۰۰۰) مسائل معاملات سے متعلق تھے۔(ذیل الجواہر ج ۲،ص ۴۷۲)

شبلی نعمانی نے بی اس حقیقت کا اعتراف کرلیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے جس قدر مسائل کی تدوین فرمائی ان کی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ تھی۔شمس الائمہ کردری نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ مسائل چھ لاکھ تھے۔ یہ خاص تعداد شاید صحیح نہ ہو،لیکن کچھ شبہ نہیں کہ ان کی تعداد لاکھوں سے کم نہیں تھی۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی موجودہ کتابوں سے اس کی تصدیق ہوسکتی ہے۔(سیرۃ النعمان:ص ۱۰۹)

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے شاگردوں کو تدوین فقہ کا اس قدر ماہر بنادیا تھا کہ یہ کام آپ کے وصال کے بعد بھی جاری وساری رہا۔

ایک شخص نے امام وکیع بن جراح سے کہا''امام ابو حنیفہ سے غلطی ہوئی''تو امام وکیع نے فرمایا جو لوگ یہ کہتے ہیں وہ'' **اولئک کالانعام بل ھم اضل**'' چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں۔امام ابو حنیفہ غلطی کیسے کرسکتے ہیں جب کہ ان کے ساتھ امام ابو یوسف اور زفر جیسے فقہ کے امام تھے۔اور یحیٰ بن زکریا،حفص بن غیاث،امام حبان،امام مندل جیسے محدثین تھے۔اور قاسم بن معن لغت و عربیت کے ماہر تھے۔اور داؤد طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زہد وتقویٰ کے امام موجود تھے۔تو جس ساتھ ایسے حضرات ہوں تو اس سے خطا کیوں کر ممکن ہے۔کیوں کہ اگر وہ غلطی کرتے تو یہ لوگ ان کو حق کی طرف لوٹادیتے۔(الخیرات الحسان:ص ۱۰۰)

امام وکیع بن جراح کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ امام اعظم کے ساتھ تدوین فقہ میں جو لوگ شریک تھے وہ سب علم لوگ علم وفضل کے اعتبار سے استاذ زمانہ اور رہبر ورہنما کی حیثیت کے حامل تھے۔ان اکابرین امت نے امام اعظم کی فقہی بصیرت اور مجتہدانہ رہنمائی میں فقہ حنفی کی تدوین کرکے اسے مذہب ثلاثہ (مالکی،شافعی،حنبلی مذاہب) کے لئے نشان راہ اور سنگ میل بنادیا۔

فقہاء نے کیا خوب فرمایا ہے''فقہ کا کھیت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بویا،حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے اسے سیراب کیا،حضرت ابراہیم نخعی نے اسے کاٹا،حضرت حماد رحمہ اللہ نے اس کا اناج جدا کیا،امام ابو حنیفہ نے سے پیسا،امام ابو یوسف نے اسے گوندھا اور امام محمد نے اس کی روٹیاں پکائیں

اس کے کھانے والے ہیں‘‘۔(درمختار)

امت مسلمہ کی سہولت اور علماے کرام کی آسانی کے لئے سب سے پہلے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے تدوین کتب کی ضرورت محسوس کی اور علم شریعت کی تدوین فرمائی۔

یقیناً امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں یہ صفت منفرد اور خاص ہے کہ آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے علم شریعت کی تدوین فرمائی ہے اور اس کو ابواب پر مرتب کیا ہے۔ پھر امام مالک بن انس نے موطا کی ترتیب میں امام ابوحنیفہ کی پیروی کی ہے۔ امام ابوحنیفہ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں ہے۔ کیوں کہ صحابہ کرام وتابعین عظام رضی اللہ عنہم کا اعتماد انہی قوت حافظہ پر تھا۔ جب امام ابوحنیفہ نے دیکھا کہ علم شریعت اکناف عالم میں پھیل گیا ہے تو آپ کو اس علم کے ضایع ہونے کا اندیشہ ہوا۔ لہٰذا آپ نے اس کو ابواب اور کتابوں پر مرتب اور منضبط کیا۔ ابتدا کتاب الطہارات سے کی۔ پھر کتاب الصلوٰۃ، کتاب العبادات، کتاب المعاملات کو بیان کیا۔ اور کتاب المیراث پر اس مسئلہ کو ختم کیا کیوں کہ اس کا تعلق انسان کی آخرت سے ہے۔ امام ابوحنیفہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے کتاب الفرائض اور کتاب الشروط تصنیف کی۔

امام اعظم سے پہلے مسائل بیان کئے جاتے تھے مگر جس ترتیب اور ضبط سے امام اعظم نے تدوین فرمائی وہ آپ ہی کی اولیت ہے۔(تبییض الصحیفہ :ص ۴۵)

تصنیفات امام اعظم رضی اللہ عنہ

زمانہ صحابہ کرام اور تابعین عظام میں تصنیف وتالیف کا کوئی باقاعدہ رواج نہیں تھا۔ لوگ اپنے حافظے اور یادداشت پر اعتماد کرتے تھے۔ فقہی ترتیب پر تصنیف وتالیف کا مستقل اہتمام کا آغاز دوسری صدی ہجری سے ہوا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے تدوین فقہ کے لئے کوفہ میں مجلس فقہ قائم کی تھی۔ جس میں آپ شاگردوں کو احادیث اور فقہ کا املا کراتے تھے۔

اس علمی ذخیرہ کو آپ کے تلامذہ نے اپنے اپنے حلقوں میں بیان کیا۔ اس طرح یہ روایات ان ہی کی طرف منسوب ہوگئیں۔ گویا آپ کے تلامذہ کی طرف منسوب تصانیف آپ ہی کی تصانیف ہیں۔ پھر بھی کچھ کتابیں آپ کے نام باقی رہ گئیں جن کا مختصر تعارف ناظرین کو پیش ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی نہایت مشہور زمانہ تصنیف ''فقہ اکبر'' ہے جو کہ اہل سنت و جماعت کے عقائد پر مشتمل ایک رسالہ ہے۔ شارحین حضرات نے اس کی متعدد شرحیں لکھی ہیں۔ مثلاً محی الدین محمد بن بہاؤ الدین، مولیٰ الیاس بن ابراہیم ایسلوبی، مولیٰ احمد بن محمد للعساوی، حکیم اسحاق شیخ اکمل الدین، ملاعلی قاری، جن میں ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرح سب زیادہ مقبول ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

کتاب السیر، الکتاب الاوسط، الفقہ الابسط، کتاب الرد علی القدریۃ، العالم والمتعلم، کتاب الرای، رسالۃ الامام ابی عثمان التیمی فی الارجاء، کتاب اختلاف الصحابۃ، کتاب الجامع، مکتوب وصایا، (ماثر امام اعظم، ص۶۰۹)

خدمت حدیث میں امام اعظم کا حصہ:۔ آپ کی روایت کردہ احادیث پر مشتمل کئی کتابیں تھیں، جنہیں امام محمد بن محمود بن خوارزمی رحمہ اللہ نے یکجا کر دیا ہے۔ مقدمہ میں انھوں نے ان سب کو جمع کرنے کی علت یہ لکھی ہے کہ بعض جاہلوں نے شام میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو حدیث میں زیادہ دخل نہیں۔ اسی وجہ سے حدیث میں ان کی کوئی تصنیف نہیں۔ اس پر مجھے غیرت آئی اور میں نے ان تمام مسانید کو جو علماء نے امام اعظم کی احادیث سے جمع کئے تھے اکٹھا کر دیا۔ ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) مسند حافظ ابومحمد عبداللہ بن محمد ین یعقوب الحارثی البخاری (۲) مسند امام ابوالقاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد (۳) مسند حافظ ابوالحسن محمد بن المظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ (۴) مسند حافظ ابونعیم الاصبہانی (۵) مسند شیخ ابوبکر محمد بن عبدالباقی محمد الانصاری (۶) مسند امام ابواحمد عبداللہ بن عدی الجرجانی (۷) مسند امام حافظ عمر بن حسن الاسنانی (۸) مسند ابوبکر احمد بن محمد بن خالد الکلامی (۹) مسند امام قاضی ابویوسف یعقوب (۱۰) مسند امام محمد بن حسن الشیبانی (۱۱) مسند امام حماد بن امام ابوحنیفہ (۱۲) آثار امام محمد بن حسن (۱۳) مسند امام عبداللہ بن ابی العوام۔

امام خوارزمی رحمہ اللہ نے اپنی جامع المسانید میں ان مسانید کو جمع کیا اور ان کی اکابر محدثین تک اسناد بھی بیان کر دی ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی مسانید ہیں۔ مثلاً (۱۴) مسند حافظ ابوعبداللہ حسنین بن محمد بن حسرو بلخی (۱۵) مسند امام حصکفی (محدث علی قاری رحمہ اللہ نے اس کی شرح لکھی ہے) (۱۶) مسند امام

ماوردی (۱۷) مسند ابن البز ازی، ان دونوں کی بھی شرحیں لکھی گئی ہیں۔
علامہ کوثری مصری رحمہ اللہ علیہ نے ''تانیب الخطیب'' میں امام اعظم کے مسانید کی تعداد اکیس بتائی ہے۔جن کی سندیں متصل ہیں۔حافظ محمد بن یوسف صالحی شافعی رحمہ اللہ نے ''عقود الجمان فی مناقب النعمان'' می امام اعظم کی سترہ مسانید کا سلسلہ روایت بالاتصال مسانید کے جامعین تک بیان کیا ہے۔ (مقامات امام اعظم :ص۴۳۲)
علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ''مناقب االامام اعظم'' میں تحریر فرمایا ہے''امام اعظم سے محدثین اور فہقاء کی اتنی بڑی جماعت نے حدیث کی روایت کی ہے کہ جن کا شمار نہیں''۔علامہ مزنی رحمہ اللہ نے ''تہذیب الکمال'' میں ایک سو کے لگ بھگ ایسے کبار محدثین کو شمار کیا ہے۔ جامع المسانید دیکھیں تو سیکڑوں محدثین کی سند امام اعظم سے روایات مذکور ہیں۔جن میں اکثر وہ علماء ہیں جو ائمہ ستہ اور ان کے بعد دوسروں کے شیوخ اور اساتذہ بالواسطہ یا بلا واسطہ ہیں۔ان مسانید کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں وہ احادیث بھی ہیں جو امام اعظم نے براہ راست صحابہ سے سنی ہیں۔ثلاثیات تو اکثر ہیں۔ جن میں امام اعظم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک (درمیان میں) صرف تین راوی ہیں۔
گذشتہ سطور میں امام اعظم کی متعدد تصانیف کا ذکر کیا گیا ہے۔جس سے حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے جس طرح فقہ کو با قاعدہ مرتب و مدون کرایا ہے۔اسی طرح حدیث کا سرمایہ جو منتقل ہوتا چلا آ رہا تھا۔اس کو بھی باقاعدہ فقہی ترتیب پر مرتب کرایا، آپ کے مسانید کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اکثر روایات دو واسطوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتی ہیں۔اس سے صحت وقوت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ائمہ اربعہ میں صرف امام مالک اس خصوصیت میں شریک ہیں مگر ان کی مرویات میں سب سے عالی یہی مرویات ہیں۔جب کہ امام اعظم کی مرویات میں وحدانیات بھی موجود ہیں۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے وصایا

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں کو چند نصیحتیں فرمائیں جو ظاہری اصلاح اور باطنی تربیت میں بنیادی اور اہم حیثیت کی حامل ہیں۔آپ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا:

"اَنْتُمْ مُسَارُّ قَلْبِیْ وَجَلاءُ حُزْنِیْ اَسْرَیْتُ لَکُمُ الْفِقْهَ وَالْجَمْتُهٗ، وَقَدْتَرَکْتُ النَّاسَ یَطْؤُوْنَ اَعْقَابَکُمْ وَیَلْتَمِسُوْنَ اَلْفَاظَکُمْ، مَامِنْکُمْ اَحَدٌ اِلَّا وَهُوَ یَصْلَحُ لِلْقَضَاءِ فَسَأَلْتُکُمْ بِاللّٰهِ وَبِقَدْرِ مَاوَهَبَ اللّٰهُ لَکُمْ مِنْ جَلَالَةِ الْعِلْمِ لَمَا مَسَّتُمُوْهُ عَنْ ذِلِّ الْاِسْتِجَارِ" (ابوحنیفة حیاته وعصره آراؤه وفقهه: ابوزهرة، ص ۱۸۷)

تم میری مسرت وشادمانی کا سامان اور میرے غم واندوہ کو دور کرنے والے ہو میں نے تمہارے لئے فقہ پر زین کس دی ہے اور لگام لگادی ہے اور لوگوں کو اس حال میں چھوڑ رہا ہوں کہ تمہارے نقش قدم پر چلیں اور تمہارے ارشادات کا طلب گار ہوں۔ تم میں سے ہر ایک قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ میں تم سے اللہ کا اور اس رتبہ کا جو اللہ نے تمہیں عطا فرمایا ہے واسطہ دے کر یہ چاہتا ہوں کہ اس علم کو اجرت لینے کی ذلت سے بچانا۔ جب تم میں سے کوئی قاضی بن جائے تو لوگوں کے مسائل حل کرے، ان کا حاکم نہ بنے۔ لوگوں کے مابین انصاف کرنا اور اگر کوئی خرابی محسوس ہو تو فوراً منصب قضاء سے علیحدہ ہو جانا۔ تنخواہ اور دولت کے لالچ میں اس سے چمٹے نہ رہنا۔ ہاں اگر ظاہر و باطن ایک ہوں تو پھر منصب قضاء پر قائم رہ کر مخلوق خدا کی خدمت کرنا۔

ایسے لوگ جو امور دنیا سے الگ ہو کر محض اللہ کی رضا کے لئے یہ عہدہ قبول کرتے ہیں ان کے لئے تنخواہ حلال ہے۔ اگر تم قاضی بن جاؤ تو لوگوں کے سامنے پردے نہ لگانا کہ وہ تم سے مل نہ سکیں۔ ان کے لئے اپنی عدالتوں کے دروازہ کھلا رکھنا۔ پانچوں وقت کی نماز جامع مسجد میں ادا کرنا اور نماز کے بعد اعلان کرنا کہ جسے انصاف کی ضرورت ہو اس کے لئے عدالت کے دروازے کھلے ہیں۔ بعد نماز عشاء تین بار یہ اعلان کرنا۔ اگر بیمار ہو جاؤ اور عدالت میں نہ جاسکو تو اتنے دن کی تنخواہ مت لینا۔ یاد رکھو انصاف نہ کرنے والے قاضی کی امامت باطل ہوتی ہے۔ ایسے قاضی کا فیصلہ بھی درست نہیں۔ اگر کوئی گناہ یا حرام کرے تو قاضی کا فرض ہے کہ اس کو روکے یا سزا دے۔ (مناقب للموفق: ص ۷۷۔۴)

امام اعظم نے اپنے خاص شاگرد امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نام جو وصایا تحریر فرمایا وہ بلاشبہ نہ صرف امام اعظم کے ایک شفیق باپ، مہربان استاذ، عظیم دانشور اور ماہر نفسیات ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ بلکہ آپ کی عمر بھر کے تجربات کا نچوڑ، اسلامی تعلیمات کا عطر اور دینی و دنیاوی امور میں فلاح اور کامیابی کی ضمانت ہیں۔ مزید یہ آپ کی نصیحا نہ گفتگو خواص وعوام دونوں کے لئے یکساں اور مفید اور نفع بخش ہیں

وہ نصیحتیں جو امام صاحب نے ابو یوسف کے لئے تحریر فرمائی تھیں۔ ملاحظہ ہو۔

جب امام ابوحنیفہ کی ذات سے رشد و ہدایت اور حسن مروت و کردار کے آثار ظاہر ہوئے اور وہ لوگوں کے معاملات کی جانب متوجہ ہوئے۔ امام اعظم نے انھیں یہ وصیت فرمائی کہ اے یعقوب! سلطان وقت کی عزت کرنا اور ان کے مقام کا خیال رکھنا۔ ان کے سامنے دروغ گوئی سے خاص طور پر احتراز کرنا، اور ان کے پاس بہت کم آمدورفت رکھنا اور ان کے ساتھ ایسا معاملہ رکھنا جیسا کہ انسان آگ کے ساتھ رکھتا ہے۔ جب کہ تمہیں کوئی علمی ضرورت مجبور نہ کرے دربار میں حاضر نہ ہونا تاکہ تمہارا اعزاز و وقار برقرار رہے۔ اگر اتفاق سے دربار میں ایسے اہل علم حضرات موجود ہوں جن سے تم کو واقفیت نہ ہو تو اور بھی پرہیز کرنا کیوں کہ جب ان کا علمی رتبہ معلوم نہیں تو ممکن ہے کہ تم ان پر برتری ثابت کرنے کی کوشش کرو۔ مگر یہ جذبہ تمہارے لئے نقصان دہ ہوگا۔ اگر تم ان سے زیادہ صاحب علم ہو تو شاید تم انہیں کسی بات پر جھڑک دو اور اس وجہ سے تم حاکم وقت کی نظروں گر جاؤ۔

اگر سلطان وقت تمہیں کوئی عہدہ عطا کرے تو اس وقت تک قبول نہ کرنا جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ تمہارے طریقہ اجتہاد سے موافق ہے یا نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ سلطنت کے دباؤ سے تم کو اپنی رائے کے خلاف عمل کرنا پڑے۔ اور جس عہدہ اور خدمت کی تم میں قابلیت نہ ہو اس کو ہرگز قبول نہ کرنا۔ بادشاہ وقت اور اس کے حاشیہ نشینوں سے میل جول مت رکھنا۔ صرف بادشاہ وقت سے رابطہ رکھنا۔ اس کے حاشیہ برداروں سے الگ رہنا تاکہ تمہاری عزت و وقار قائم رہے۔

ان ہدایتوں میں اگرچہ بادشاہ کی حرمت و توقیر کی بہت تاکید کی لیکن اظہار حق کے موقع پر بغیر کسی کے دباؤ کے پوری آزادی سے کام کرنے کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ اخیر میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص شریعت میں بدعت کا ایجاد کرنے والا ہو تو علانیہ اس کی غلطی کا اظہار کرنا تاکہ اور لوگوں کو اس کی تقلید کرنے کی جرأت نہ ہو۔ اس بات کی کچھ پرواہ نہ کرنا کہ وہ شخص جاہ و حشمت رکھتا ہے۔ کیوں کہ اظہار حق میں خدا مددگار ہوگا۔ اور وہ اپنے دین کا محافظ و حامی ہے۔ جو خود سلطان وقت سے اگر کوئی نازیبا حرکت صادر ہو تو صاف کہہ دینا کہ میں عہدہ قضا کے اعتبار سے آپ کا مطیع ہوں۔ آپ کی غلطی پر مطلع کرنا میرا فرض ہے۔ پھر بھی نہ مانے تو تنہائی میں سمجھانا کہ آپ کا یہ فعل قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ اگر سمجھ گیا تو خیر ورنہ خدا سے دعا کرنا کہ اس کے شر سے تم کو محفوظ رکھے۔

امور زندگی کی تربیت اور معمولی کاروبار کے متعلق بھی نہایت عمدہ ہدایتیں کی ہیں۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کہ تحصیل علم کو سب پر مقدم رکھنا اس سے فراغت کے بعد حلال ذرائع سے مال و دولت جمع کرنا۔ پھر ازدواجی رشتہ اختیار کرنا۔ علم حاصل کرنے کے زمانے میں اگر تم مال کمانے میں جدوجہد کرو گے تو تم حصول علم سے قاصر رہو گے۔ اور مال تمہیں باندیوں اور غلاموں کی خریداری پر اکسائے گا اور تحصیل علم سے قبل ہی تمہیں دنیا کی لذتوں اور عورتوں کے ساتھ مشغول کر دے گا۔ اس طرح تمہارا وقت ضائع ہو جائے گا۔ اور جب تمہارے اہل و عیال کی کثرت ہو جائے گی تو تمہیں ان کی ضروریات پوری کرنے کی فکر ہو جائے گی۔ اور تم علم سیکھنا چھوڑ دو گے۔ اس لئے علم حاصل کرنا آغاز شباب میں جب کہ تمہارے دل و دماغ دنیا کے بکھیڑوں سے فارغ ہوں پھر مال جمع کرنے کا مشغلہ اختیار کرنا۔ تاکہ شادی سے قبل تمہارے پاس بقدر ضرورت مال ہو کہ اس بغیر اہل و عیال کی ضروریات انسان کو تشویش میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ لہٰذا کچھ مال جمع کرنے کے بعد ازدواجی تعلق قائم کرنا چاہیئے۔

عام آدمیوں اور خصوصاً دولت مندوں سے بہت کم میل جول رکھنا ورنہ ان کو گمان ہوگا کہ تم سے کچھ توقع رکھتے ہیں اور اس خیال میں وہ رشوت دینے پر آمادہ ہوں گے۔ اور بازار میں جانا، دوکان پر بیٹھنا، راستہ یا مسجد میں کوئی چیز کھانا ان تمام باتوں سے نہایت احتراز کرنا۔ کوئی شخص مسئلہ پوچھے تو صرف سوال کے جواب دینا اپنی طرف سے کچھ نہ بڑھانا۔ عقائد کے متعلق عوام سے گفتگو نہ کرنا۔ شاگردوں کے ساتھ ایسے خلوص و محبت سے پیش آنا کہ کوئی غیر دیکھنے والا یہ سمجھے کہ تمہاری اولاد ہیں۔ عام اور معمولی رتبہ کے لوگوں اور ان سے جو آداب مناظرہ سے جاہل ہیں نہایت اجتناب کرنا۔ مناظرہ کرتے وقت نہایت جرأت و استقلال سے کام لینا۔ علم سکھانے سے بھی کسی حال میں اعراض نہ کرنا۔ اگرچہ تم دس سال تک اس طرح رہو کہ تمہارا نہ کوئی ذریعہ معاش ہو، نہ کوئی اکتسابی طاقت۔ کیوں کہ اگر تم نے علم سے اعراض کیا تو تمہاری معیشت تنگ ہو جائے گی۔

تم اپنے ہر فقہ سیکھنے والے طالب علم پر ایسی توجہ رکھو کہ گویا تم نے ان کو اپنا بیٹا اور اپنی اولاد بنالیا ہے۔ تاکہ تم ان میں علم کی رغبت کے فروغ کا باعث بنو۔ اگر کوئی شخص اور بازاری آدمی تم سے جھگڑا کرے تو اس سے جھگڑا مت کرنا ورنہ تمہاری عزت و وقار ختم ہو جائے گا۔ دوسرے لوگوں سے زیادہ عبادت کرنا، ان سے کم تر عبادت اپنے لئے ناپسند کرنا۔ بلکہ عبادت میں سبقت اختیار کرنا۔ کیوں کہ عوام جب کسی

عبادت کو بکثرت کر رہے ہوں اور وہ پھر دیکھیں کہ تمہاری توجہ اس عبادت پر نہیں ہے تو وہ تمہارے متعلق عبادت میں کم رغبت ہونے کا گمان کریں گے۔ اور سمجھیں گے کہ تمہارے علم نے تمہیں کوئی نفع نہیں پہونچایا۔ سوائے اسی نفع کے جو ان کو ان کی جہالت نے بخشا ہے، جس میں وہ مبتلا ہیں۔

لوگوں کے سامنے اللہ کا ذکر بکثرت کرنا تا کہ لوگ تم سے اس خوبی کو حاصل کرلیں، اور اپنے لئے نماز کے بعد ایک وظیفہ مقرر کر لینا، جس میں تم قرآن کریم کی تلاوت کرو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ اور صبر و استقامت کی دولت جو رب کریم نے تو م کو بخشی ہے اور دیگر نعمتیں عطا کی ہیں ان پر اس کا شکر ادا کرنا اور اپنے لئے ہر ماہ کے چند ایام روزے کے مقرر کر لینا تا کہ دوسرے لوگ اس میں بھی تمہاری پیروی کریں۔ زیادہ ہنسنے سے اجتناب کرنا کیوں کہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ بنا دیتا ہے۔ چلنے میں سکون واطمینان اختیار کرنا۔ اور امور زندگی میں زیادہ عجلت پسند نہ بننا۔ جو تمہیں پیچھے سے آواز دے تو اس کی آواز کا جواب مت دینا کیوں کہ پیچھے سے آواز چوپایوں کی دی جاتی ہے۔ سکون اور قلت عادت کو اپنی عادات میں شامل کر لینا تا کہ لوگوں کو تمہاری ثابت قدمی کا یقین ہو جائے۔

تم موت کو ہمیشہ یاد رکھو۔ اپنے ان اساتذہ کے لئے جن سے تم نے علم حاصل کیا ہے، دعا و استغفار کیا کرنا۔ قرآن مجید کی ہمیشہ تلاوت کرتے رہنا۔ قبرستان، مشائخ اور بابرکت مقامات کی کثرت سے زیارت کرتے رہنا اور عام مسلمانوں کے ان خوابوں کو جو نبی کریم ﷺ اور صالحین سے متعلق ہوں سنائے جائیں۔ خواہ مسجد ہو یا قبرستان یعنی ہر جگہ توجہ سے سننا اور نفس پرستوں میں سے کسی کے پاس مت بیٹھنا، سوائے اس کے کہ کسی کو دین کی طرف بلانا ہو۔ کھیل کود اور گالی گلوچ سے اجتناب کرنا۔ مؤذن جب اذان دے تو عوام سے پہلے قبل مسجد میں داخل ہونے کی تیاری کرنا تا کہ عام لوگ اس بات میں تم سے آگے نہ نکل جائیں۔

جب بھی کسی بڑے رتبہ والے کے پاس جاؤ تو ان پر برتری حاصل کرنے کی کوشش مت کرنا جب تک وہ خود تمہیں بلند جگہ نہ عطا کر دیں تا کہ ان کی طرف سے تم کو کوئی اذیت نہ پہونچے۔ کسی قوم میں نماز کی امامت کے لئے پیش قدمی مت کرنا جب تک وہ خود تمہیں از راہ تعظیم مقدم نہ کریں۔ حمام میں دوپہر یا صبح کے وقت مت داخل ہونا۔ سیر گاہوں میں مت جانا۔ ذکر کی مجالس میں یا اس شخص کی مجلس وعظ میں حاضری مت دینا جو تمہاری جاہ منزلت یا تمہاری جانب سے اپنے تزکیہ نفس کی نسبت سے مجلس

قائم کرے بلکہ ان کی جانب اپنے شاگردوں میں سے کسی ایک شخص کو معیت میں اپنے اہل محلّہ اور اپنے عوام کو جن پر تمہیں اعتماد ہے متوجہ کرنا۔ نکاح خوانی کا کام کسی خطیب کے حوالہ کر دینا۔ اسی طرح نماز جنازہ اور عیدین کی امامت بھی کسی اور شخص کے حوالہ کر دینا۔

آخری وصیت یہ ہے کہ سلطان وقت کے قرب و جوار میں رہائش مت اختیار کرنا۔ اگر اپنے پڑوس میں کوئی بڑی بات دیکھنا تو پوشیدہ رکھنا کہ یہ بھی امانت داری ہے۔ لوگوں کے راز ظاہر مت کرنا۔ جو شخص تم سے کسی معاملہ میں مشورہ طلب کرے تو اس کو علم کے مطابق صحیح مشورہ دینا کہ یہ بات تم کو اللہ کے قریب کرنے والی ہے۔ میری اس وصیت کو اچھی طرح یاد رکھنا کہ یہ وصیت تمہیں انشاء اللہ دنیا اور آخرت میں نفع دے گی۔ اور آخر میں لکھتے ہیں کہ ہمیں اپنی نیک دعاؤں میں فراموش مت کرنا۔ ان نصیحتوں کو میری جانب سے قبول کرو کہ یہ تمہارے اور دوسرے مسلمانوں کے فائدہ کے لئے ہیں۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا وصال

بنو امیہ کے ظالمانہ دور کے خاتمہ کے بعد مسلمانوں نے راحت کی سانس لی مگر ان کا یہ اطمینان و راحت بڑا عارضی ثابت ہوا۔ ظلم و ستم کے اسٹیج پر صرف چہرے بدلے ظلم و ستم اپنی جگہ پر قائم رہا۔ بنو عباسیہ نے اپنی حکومت کی مضبوطی اور لوگوں کے دلوں میں اپنی ہیبت اور اپنی حکومت کا خوف بٹھانے کے لئے وہ مظالم کئے جو تاریخ میں ظلم و ستم کا ایک سیاہ باب ہے۔ بنو عباسیہ کے دوسرے خلیفہ فردشت منصور جو ہارون رشید کا دادا تھا۔ وہ فرعون وقت اور انتہائی ظالم و جابر تھا۔ بالخصوص سادات کرام کا جانی دشمن تھا۔ اس کے مظالم سے تنگ آ کر ہی حضرت محمد بن عبداللہ اور ان کے بھائی ابراہیم جو امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے، یکے بعد دیگرے اس ظالم کے خلاف میدان میں آئے۔ اس وقت امام اعظم شہرت و عظمت کی بلندیوں پر پہونچ چکے تھے۔

مسلمانوں نے ان کا ساتھ دیا۔ حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی حمایت کی۔ بڑے بڑے علما، فقہا اور ائمہ کرام نے ان کا ساتھ دیا حتی کہ امام اعظم نے بھی ان کی حمایت کی۔ زبردست مالی مدد کی، عوام و خواص کو ان کی حمایت کے لئے آمادہ فرمایا مگر اللہ کی مشیت دونوں حضرات منصور کے مقابلے میں جام شہادت سے سرفراز ہوئے۔

ظالم و جابر حکمراں منصور کو جب ان جنگوں سے فرصت ملی اور اس کو قدرے اطمینان نصیب ہوا تو ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا، جنہوں نے حضرت نفس زکیہ اور ان کے بھائی حضرت ابراہیم کی مدد کی تھی۔ بالخصوص ان علمائے کرام وائمہ عظام کی طرف اس نے انتقام کا رخ کیا جن کا اثر ورسوخ عام مسلمانوں میں زیادہ تھا۔ اسی ضمن میں سیدنا امام مالک بن انس اس کے زیر عتاب ہوئے اور اس نے جس انداز کا ظلم وستم ان کے ساتھ کیا وہ بڑا روح فرسا ہے۔ امام مالک کے ساتھ بدترین سلوک کیا اس سے مسلمانوں کی نگاہوں میں وہ بہت ذلیل وخوار ہوا۔ پھر اپنی خفت مٹانے کے لئے حج کے بہانہ مدینہ طیبہ امام مالک کی بارگاہ میں اپنی ندامت وبرأت ظاہر کرنے پہونچا کہ یہ جو کچھ آپ کے ساتھ ہوا وہ میرے گورنر مدینہ نے کیا ہے۔ میں بے قصور وبے خبر ہوں۔ حالانکہ امام مالک کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ اسی ظالم کی مرضی ومنصوبے سے ہوا تھا۔

چونکہ امام اعظم نے ان شہزادگان رسول ﷺ کی مدد بہت زیادہ کی تھی اور مسلمانوں کو منصور کے مقابلے میں ابھارا تھا۔ اس ظالم کے ظلم وستم کے خلاف ان کی جانی ومالی مدد مذہبی فریضہ قرار دیا تھا۔ اسی لئے منصور کی نگاہ میں ان کا جرم بہت سنگین تھا۔ مگر امام اعظم کی عظمت وجلالت اور عوام وخواص میں ان کی مضبوط پکڑ سے خوف زدہ تھا۔ امام مالک کے ساتھ مدینہ منورہ میں جو ظلم وستم کیا تھا اس کی صدائے بازگشت عالم اسلام میں تھی۔ اس لئے امام اعظم سے انتقام لینے کے لئے اس نے انتظار کی پالیسی اپنائی اور اسے کسی مناسب بہانے کی ضرورت تھی۔ اسے یہ حقیقت معلوم تھی کہ امام ابوحنیفہ حکومت کا کوئی منصب کسی بھی قیمت پر قبول نہیں کریں گے۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ بنوامیہ کے آخری بادشاہ مروان بن محمد نے اپنے بے حد قابل ومعتمد علیہ گورنر عراق ابن ہبیرہ کا جب عراق کا گورنر بنایا تو اپنی حکومت کے استحکام کے لئے اس نے بڑے بڑے علماء وائمہ کرام کو حکومت کا منصب قہراً وجبراً ہی سہی لینے پر مجبور کیا ۔اس وقت کی بڑی بڑی محترم شخصیتوں نے اس کے خوف کے دباؤ میں حکومت کا منصب قبول کرلیا۔ اس نے امام اعظم کو بلوایا اور آپ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا۔ آپ نے سختی سے انکار کردیا۔ مگر وہ بضد رہا۔ اس کا جوں جوں اصرار بڑھتا رہا آپ کا انکار بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے قسم کھالیا کہ ابو حنیفہ آپ کو قاضی القضاہ کا عہدہ قبول کرنا ہی پڑے گا۔ اس کے مقابلے میں آپ نے بھی قسم کھالیا کہ میں حکومت کا یہ عہدہ ہرگز قبول نہیں کروں گا۔ گورنر کو اپنی قسم کے مقابلہ میں امام اعظم کا قسم کھانا اچنبھا لگا

اوراس کو بڑا غصہ آیا اور کہا کہ تم ہماری قسم کے مقابلے میں قسم کھاتے ہو۔ میں اس وقت تک تمہیں کوڑوں پٹواتا رہوں گا جب تک تم اس کو قبول نہیں کرلو گے۔ آپ نے بڑی ہمت واستقامت کے ساتھ فرمایا کہ آخرت کے عذاب کے مقابلے میں یہ عذاب مجھے قبول ہے۔

چنانچہ اسی وقت آپ کے سر پر بیس کوڑے مارے گئے۔ آپ نے ابن ہبیرہ سے خوف زدہ ہوئے بغیر بڑی شان سے فرمایا ابن ہبیرہ تم یاد رکھو تمہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کے لئے کھڑا ہونا ہوگا اور تمہارا کھڑا ہونا ہمارے اس کھڑے ہونے سے بہت زیادہ ذلت کا کھڑا ہونا ہوگا۔ اس وقت اللہ تم سے اس ظلم کا جواب طلب کرے گا۔ یہ سن کر ابن ہبیرہ نے جلاد کو رک جانے کا حکم دیا اور فوراً جیل میں بھیج دیا۔ رات کو اس نے خواب میں نبی کریم ﷺ کو ناراضگی کے عالم میں یہ فرماتے ہوئے سنا ''اللہ سے نہیں ڈرتا، میری امت کے ایک شخص پر بغیر جرم کے کوڑے مارتا ہے اور اسے دھمکیاں دیتا ہے'' چنانچہ ابن ہبیرہ نے حضور ﷺ کے خوف سے صبح ہی آپ کو آزاد کر دیا۔ اس طرح ایک ظالم حکمراں کے خلاف آپ کی قسم پوری ہوئی۔ اس کے بعد آپ بڑی خاموشی سے حجاز مقدس چلے گئے اور جب تک بنو امیہ کی حکومت ختم نہیں ہوئی آپ کوفہ لوٹ کر نہیں آئے۔

چونکہ منصور عباسی حضرت امام کے اس واقعہ سے واقف تھا۔ چنانچہ کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد آپ کو بغداد بلوایا اور آپ کو شہید کرنے کے لئے وہی بہانہ بنایا۔

منصور نے آپ کو عہدہ قضا پیش کیا آپ نے انکار کر دیا۔ اس آپ کو پہلے سمجھایا پھر لالچ دیا پھر دھمکیاں دیں مگر کسی چیز کا اثر آپ نے قبول نہیں کیا۔ چنانچہ اس جرم پر کہ امام اعظم نے عہدہ قضا قبول نہیں کیا آپ کو قید کر دیا۔ اور ہر روز قید خانہ سے نکال کر دس کوڑے مرواتا تھا۔ چنانچہ دس دن تک یہ ظلم وستم آپ نے برداشت کیا بالآخر اپنے رب کی بارگاہ میں بہت روئے اور دعا کی دعا قبول ہوئی۔

ایک دن بڑی خاموشی سے ظالم منصور نے زہر ملا کر شہید کر دیا وہ بھی اپنے سامنے آپ کو لٹا کر زبردستی زہر کا پیالہ منہ میں ڈلوایا۔ جب موت کا احساس ہوا تو آپ سجدے میں چلے گئے اور حالت سجدہ ہی میں آپ کی شہادت ہوئی۔ نوے سال کی عمر میں دو شعبان المعظم ۱۵۰ھ کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تجہیز وتدفین:۔ آپ کے وصال کی خبر آناً فاناً پورے بغداد میں پھیل گئی۔ جس نے جہاں سنا وہیں

سے بھاگا ہوا چلا آیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے انسانوں کا سیلاب ہر طرف سے امڈ آیا۔ چھ بار آپ نماز جنازہ پڑھی گئی۔ آخری بار نماز جنازہ آپ کے فرزند حضرت حماد نے پڑھائی۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو خیزران کے مقبرے میں دفن کیا گیا۔ وہ غصب کی جگہ نہیں تھی۔ حضرت حسن بن عمارہ قاضی بغداد نے آپ کو غسل دیا اور جب غسل دے کر فارغ ہوئے تو روتے ہوئے فرمایا:

''اللہ آپ پر رحم فرمائے تیس برس سے آپ نے افطار نہیں کیا اور چالیس سال سے رات کو کروٹ نہ لی۔ ہم میں سب سے زیادہ فقیہ، سب سے زیادہ عبادت گزار، ہم میں سب سے زیادہ بھلائی کی خصلتوں کو جمع کرنے والے تھے۔ اور جب دفن ہوئے تو بھلائی سنت کے ساتھ اور اپنے بعد کے آنے والوں کو آپ نے مشکل میں ڈال دیا''۔

آپ کے تدفین کے وقت بڑے بڑے علماء، فقہا و محدثین جمع تھے۔ اور سبھی غم واندوہ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ امیر المومنین فی الحدیث حضرت سیدنا عبداللہ بن مبارک آپ کے شاگرد وصال کی خبر سن کر بغداد آئے اور مزار امام پر حاضری دی۔ آپ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے امام ابو حنیفہ تم پر اللہ رحمت برسائے۔ ابراہیم نخعی گئے تو اپنی جگہ اپنا جانشین چھوڑ گئے۔ حماد بن سلیمان دنیا سے رخصت ہوئے تو تمہیں اپنی جگہ دے کر گئے اور جب تم دنیا سے گئے تو کسی کو اپنا جانشین نہیں چھوڑا۔ یعنی پورے عالم اسلام میں کوئی اس مرتبہ کا نہیں تھا جو امام اعظم کی جگہ پر کرسکتا۔

مزار مقدس مرجع خلائق

سلجوقی شہنشاہ سلطان الپ ارسلان نے ۴۵۹ھ میں آپ کے مزار پاک پر ایک عالیشان گنبد بنوایا روز اول ہی سے آپ مزار مبارک عوام وخواص کا مرکز و مرجع بنا ہوا ہے۔ حضرت سیدنا امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں روزانہ ان کی مزار کی زیارت کو جاتا ہوں اور جب بھی مجھ پر کوئی مشکل گھڑی آتی ہے یا کوئی حاجت پیش آتی ہے تو ان کے مزار کے قریب دو رکعت نماز نفل پڑھتا ہوں اور آپ کے وسیلہ سے اللہ کے حضور عرض کرتا ہوں۔ تو اللہ ہماری عرضی کو قبول فرماتا ہے۔ اور امام اعظم کے طفیل ہماری حاجت پوری ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ جیسا کہ حضرت شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''اِعْلَمْ اَنَّهٗ لَمْ یَزَلِ الْعُلَمَاءُ وَذُو الْحَاجَاتِ یَزُوْرُوْنَ قَبْرَهٗ وَیَتَوَسَّلُوْنَ عِنْدَهٗ فِیْ قَضَاءِ حَوَائِجِهِمْ

وَیَرَوْنَ نَجحَ ذٰلِکَ مِنھُمُ الْاِمَامُ الشَّافِعِیُ رَحِمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ اِنْتَھٰی"
جان لے کہ علماء اور اصحاب حاجات امام صاحب کی قبر کی زیارت کرتے رہے اور قضاء حاجات کے لئے آپ کو وسیلہ پکڑتے رہے۔ اور ان حاجتوں کا پورا ہونا دیکھتے رہے ہیں۔ ان علمائے کرام میں سے حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کا سر فہرست نام آتا ہے۔ (الخیرات الحسان: ص ۶۹)
سلطان الپ ارسلان نے آپ کے مزار مقدس کے نزدیک ایک عالیشان مدرسہ بنوایا تھا۔ یہ بغداد کا اپنی نوعیت کا پہلا مدرسہ تھا۔ جو مدرسہ مشہد ابوحنیفہ کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ بغداد کا مشہور مدرسہ نظامیہ اس کے بعد قائم ہوا۔ سلطان نے مدرسہ کے افتتاح کے وقت بغداد کے تمام علماء و شرفاء کو دعوت دی۔ اس کے قریب ایک شاندار مسافر خانہ بھی بنوایا جس میں قیام و طعام کی سہولت تھی۔ (نزہۃ القاری شرح بخاری: ۱۶۲ تا ۱۶۴)

مذہب حنفی کی مقبولیت و اشاعت

مذہب حنفی کوفہ میں پیدا ہوا اور بغداد میں پروان چڑھا اور جب اس کی اشاعت عام ہوئی تو وہ بغداد سے نکل کر مغرب (یعنی اندلس) کو چھوڑ کر تمام اسلامی ممالک کے شہروں میں پہونچ گیا۔ عراق، مصر، شام، روم کے تمام شہروں سے ہوتا ہوا ماوراء النہر تک وسیع ہو گیا۔ پھر عرب ممالک سے نکل کر سرزمین ہندوسندھ اور چین تک پھیل گیا۔ جہاں کوئی مذہب اس کا راستہ نہ روک سکا۔ ان ممالک کے دور دراز علاقوں میں اپنی انفرادیت کے ساتھ زندہ اور پائندہ ہے۔ اور وہاں کے مسلمان اپنے عبادات سے لے کر معاملات تک میں فقہ حنفی کے اصولوں پر عمل پیرا ہیں۔ تقریباً پوری اسلامی دنیا کے دو تہائی حصے سے زیادہ پر پورے آب و تاب جاودانہ کے ساتھ مذہب حنفی کا قبضہ واقتدار ہے۔ اندلس (موجودہ اسپین) کے سوا تقریباً پوری اسلامی دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں تھا جہاں حضرت امام اعظم کے علم و فضل کا فیضان ان کے تلامذہ در تلامذہ کی شکل میں نہ پہونچا ہو۔ اور ان کے اوپر علم و فن کا سحاب نہ برسا ہو۔ اور اس کے زبردست اثرات نہ مرتب ہوئے ہوں۔ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بغداد، کوفہ، بصرہ، یمن، یمامہ، بحرین، رملہ، رہوار، کرمان، شام، اصفہان، دمشق، جرجان، طبرستان، سمرقند، بخارا، وغیرہ۔ الغرض آپ کے علمی فیضان کی سرحد ہی نہیں۔ بڑے بڑے بادشاہِ مملکت سے زیادہ لوگوں کے دلوں پورے عزت و

احترام کے ساتھ آپ حکمراں ہیں۔

آپ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم مطاع، سب سے بڑے فقیہ، سب سے بڑے محدث، سب سے بڑے مجتہد، سب سے بڑے عابد وزاہد، سب سے بڑے متقی ہی نہیں، بلکہ صاحب ورع تھے۔علم اہل علم کی جو پرورش آپ نے کی اس کی صدیاں گزر جانے کے بعد بھی کوئی دوسی مثال نہیں۔

آپ اپنے استاذ حضرت حماد بن سلیمان کی طرح عراق کے سب بڑے فقیہ ورئیس تھے۔آپ اپنے زمانے کے سب سے بڑے تاجر اور سب سے بڑے امین بھی تھے۔ انتقال کے بعد پانچ کروڑ کی امانتیں ان کے گھر سے نکلیں۔اپنی دولت کا بڑا حصہ دین وعلم دین علماء مشائخ و بزرگان دین پر خرچ کیا۔ آپ کی حیات میں علماء ومشائخ کا گھر ان عطیے اور تحفوں سے بھرا رہتا تھا۔غریب مگر ذہین طلبہ کی کفالت کی اوران کے گھر والوں کو بھی سنبھالے رکھا۔حضرت قاضی ابو یوسف کی مثال سامنے ہے۔ سخاوت کا یہ عالم تھا کہ آپ نے اپنے گھر سے کسی سائل اور ضرورت مند اور قرض مانگنے والوں کا کبھی واپس نہیں کیا۔قرآن کے احترام کا یہ عالم تھا کہ جس وقت آپ کے فرزند حماد نے بسم اللہ خوانی کی تو آپ نے بچے کے استاذ کو پانچ ہزار درہم نذر کئے۔اور بچے نے جس دن سورہ فاتحہ ختم کیا اس دن پھر استاذ کو پانچ ہزار درہم پیش کئے وہ بھی ندامت ومعذرت کے ساتھ کہ ”وَاللّٰہِ لَوْ کَانَ عِنْدِیْ اَکْثَرَ مِنْ ذٰلِکَ لَدَفَعْتُ تَعْظِیْماً لِلْقُرْآنِ“ خدا کی قسم اگر میرے پاس اس سے زیادہ ہوتا تو وہ بھی قرآن کے احترام میں پیش کر دیتا۔اس امیری اور سلطانی میں ان کے زہد کا عالم یہ تھا کہ ان کے بعد انتقال ان کے ذاتی اثاثے کے بارے میں دیکھنے والوں کی زبان یہ ہے ”بَعْدَہٗ لَایُوْجَدُ فِیْ بَیْتِہٖ اِلَّا مُصْحَفُ الْمُقَدَّسُ“ ان کے گھر میں مصحف مقدس کے سوا کچھ بھی نہیں پایا گیا۔

دنیا میں کوئی اتنا بڑا تاجر نہیں ملے گا جس نے اپنی زبردست آمدنی کا تقریباً صد فی صد دین وعلم دین، علماء ومشائخ، حاجت مندوں، غریب طلبہ اور علم دین کے فروغ واشاعت میں خرچ کیا ہو۔اس خصوص میں امام اعظم ابو حنیفہ اپنی مثال آپ ہیں۔

اسلامی حکومت کی باگ وڈور جن ہاتھوں میں رہی ہر دور میں ان کی بھاری تعداد حنفی ہی کی تھی۔اور ان حکومتوں مذہب بھی حنیف تھا۔

عباسی خلافت کے عروج زوال دونوں میں عوام کا مذہب حنفی تھا۔عباسی خاندان کے بعد زوال جن

خاندانوں کو عروج حاصل ہوا وہ تقریباً سب کے سب حنفی اور ان کی حکومتوں کا مذہب حنیف تھا۔
سلاطین آل سلجوقی، سلاطین آل بویہ، سلاطین آل عثمان، چرّامان مصر حضرت سلطان نورالدین زنگی شہید رحمۃ اللہ علیہ، ملک المعظم عیسیٰ بن الملک العادل (سلطان صلاح الدین ایوبی کا بھتیجہ) سلطان محمود غزنوی سلاطین ہند بالخصوص آل تیمور ظہیرالدین محمد بابر سے لے کر آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر تک (سوائے ایک کے کہ وہ شیعہ ہو گیا تھا۔) سب کے سب حنفی المسلک تھے۔ بالخصوص شہنشاہ محی الدین محمد اورنگ زیب علیہ الرحمہ تو سنیت و حنفیت کے نشان نصرت تھے۔ فقہ حنفی کے ایک زبردست عالم، جن کا دربار علماء، فقہاء، محدثین، شعراء اور دیگر اصحاب فضل و کمال سے بھرا رہتا تھا۔ جنھوں نے ایک بہت بڑا اور عالیشان مدرسہ قائم کیا تھا۔ فقہ حنفی پر مشتمل ان کے نام سے ایک عظیم و جلیل ''کتاب التفرید'' منسوب ہے۔ جس میں پچاس ہزار سے زائد مسائل کا ذکر ہے۔ وہ خود حنفی اور ان کی حکومت کا مذہب بھی حنفی تھا۔
اشرافان امت، افتخاران امت، برادران امت، اخیاران امت، فقیہان امت، اساطین امت اور مقبولان امت کی طویل ترین فہرست پر نظر ڈالی جائے، تو ان کی بھاری اکثریت امام اعظم ابو حنیفہ کی اتباع و اطاعت میں دل و نگاہ کے ساتھ خمیدہ سر ہے۔

ائمۃ ھٰذہ الدنیا جمیعا بلاریب عیال ابی حنیفۃ

اس دنیا کے تمام ائمہ کرام بلا شک و شبہ ابو حنیفہ کے عیال ہیں۔
یہ خواجہ خواجگاں عطائے رسول نائب النبی فی الہند، اقطابان جہاں کے آقا، قصر عارفاں کے امام سلطان الہند علی الاطلاق، پیشوائے قدسیان بالاتفاق، کشور ولایت کے تاجدار حضور سیدنا و مرشدنا و مولانا حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ عنہ، قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، شیخ الشیوخ العالم حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر، سلطان الاولیاء حضرت خواجہ سید نظام الدین محمد بدایونی ثم دہلوی، حضرت خواجہ علاء الدین علی احمد صابری کلیری، حضرت نصیرالدین چراغ دہلوی، حضرت امیر خسرو، حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز بندہ نواز، حضرت خواجہ برہان الدین غریب، آئینہ ہند خواجہ اخی سراج، حضرت علاء الحق پنڈوی، حضرت سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی، مشیر حق شاہ شہیداں فاتح ہندوستاں حضرت سید سالار مسعود غازی بہرائچ شریف، مخدوم بہار حضرت شیخ شرف الدین یحی

منیری، حضرت علامہ خواجہ فخر الدین دہلوی، سرکار داتا گنج بخش لاہوری، حضرت شعیب الاولیاء شاہ محمد یار علی، الغرض خاصان امت اور مقبولان بارگاہ ذوالجلال کی ایک طویل ترین فہرست ہے۔ کہ اگر ان کے مقدس ناموں کو صرف لکھا جائے، تو ایک مستقل مبسوط کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی، محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی، حضرت علامہ خیر الدین، (والد ماجد ابوالکلام آزاد) حضرت علامہ فضل رسول بدایونی، بحر العلوم علامہ عبدالعلی فرنگی محلی، حضرت علامہ نظام الدین سہالوی، صاحب درس نظامی حضرت علامہ مفتی نقی علی خان بریلوی، حضرت امام احمد رضا خان بریلوی المعروف اعلیٰ حضرت، مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خان بریلوی، سید المفسرین حضرت علامہ سید مفتی نعیم الدین مرادآبادی، مبلغ اسلام حضرت علامہ مفتی حبیب الرحمٰن قادری عباسی، ملک العلماء حضرت علامہ مفتی ظفر الدین بہاری، محدث اعظم ہند حضرت علامہ سید محمد کچھوچھوی، حافظ ملت حضرت علامہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی، شارح بخاری حضرت علامہ غلام جیلانی میرٹھی، حافظ بخاری حضرت علامہ سید عبدالصمد چشتی وغیرہ، یہ اصحاب فضل وکمال اوراساطین امت سب کے سب قصر حنفیت ہی کے تو ستون ہیں۔

تو ماہ منیری ہمہ اختر اند　　　　تو سلطان ملکی ہمہ لشکر اند

حالات
حضرت سیدنا امام مالک رضی اللہ عنہ

فہرس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام اور حسب و نسب

مالک نام ہے، کنیت ابوعبداللہ ہے اور لقب امام دارالہجرۃ ہے۔ والد کا اسم گرامی انس ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے۔ حضرت مالک بن انس بن مالک بن انس ابی عامر بن عمرو بن حارث بن غیمان یا عثمان بن جثیل یا غثیل بن عمرو بن حارث الاصبحی۔ حافظ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کا نسب یعرب بن یشجب بن قحطان پر منتہی ہوتا ہے۔ ذو اصبح الحارث بن مالک بن زید بن غوث بن سعد بن عوف بن عدی بن مالک بن زید بن سہل بن عمرو بن عیش بن معاویہ جن جشم بن یعرب بن قحطان، آپ کی والدہ ماجدہ کا نام عالیہ بن شریک بن عبدالرحمٰن الازدیہ ہے۔

آپ کے آباء و اجدا کا اصلی وطن یمن تھا۔ سب سے پہلے امام مالک کے دادا ابوعامر مدینہ منورہ میں اقامت پذیر ہوئے۔ چونکہ آپ کے پردادا یمن کے شاہی خاندان حمیر کی شاخ اصبح سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے مورث اعلیٰ اس خاندان کے شیخ تھے۔ اس لئے حارث کا لقب ذو اصبح تھا۔ اسی وجہ سے امام مالک کو اصبحی کہتے ہیں۔ اس خاندان میں سب سے پہلے آپ کے پردادا ابوعامر مشرف باسلام ہوئے۔ قاضی ابوبکر بن العلاقسیری نے فرمایا کہ یہ جلیل القدر صحابی تھے۔ بدر کے علاوہ تمام جنگوں میں شریک تھے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی ''تنویر'' میں ان کو صحابی لکھا ہے۔ اور علامہ ذہبی نے ''تجرید الصحابۃ'' میں تحریر فرمایا ہے کہ ''لم ارا احدا ذکرہ فی الصحابۃ وکان فی زمن النبی ﷺ'' میں نے کسی کو ان کا تذکرہ صحابہ میں کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ البتہ حضور ﷺ کے زمانہ ظاہر میں تھے۔ اور حافظ نے بھی ''اصابہ'' میں کی قسم ثالث میں ذکر کیا ہے۔ اور ذہبی ہی کے قول پر اکتفا کیا ہے۔ اور اصابہ کی قسم ثالث میں ان لوگوں کا ذکر کیا ہے، جنہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانہ پایا ہو۔ لیکن کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا ہو۔

امام مالک کے دادا مالک بن ابوعامر باتفاق تابعی ہیں۔ بلکہ کبار تابعین میں سے ہیں۔ صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جن چار شخصوں نے رات کو خفیہ طور سے اٹھا کر جنت البقیع میں دفن کیا ان میں سے ایک حضرت امام مالک کے دادا مالک بن ابوعامر بھی تھے۔ آپ کا

آپ کا انتقال صحیح قول کے مطابق ۱۷۹ھ میں ہوا۔ کما قال الزرقانی۔ امام مالک کے والد حضرت انس کی کوئی روایت صحاح ستہ اور کتب متداولہ میں نہیں ہے۔ لیکن حافظ نے لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے والد مالک بن ابو عامر سے روایت کی ہے۔

ولادت باسعادت:۔ حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ مدینے میں ولید بن عبدالملک اموی کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تاریخ پیدائش میں بڑا اختلاف ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے لکھا کہ امام مالک ۹۳ھ میں پیدا ہوئے، علامہ ذہبی نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں تحریر فرمایا ہے کہ یحیٰ بن بکیر جو امام مالک کے بڑے شاگردوں میں سے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے ''ولدت سنۃ ثلاث وتسعین'' میں ۹۳ھ میں پیدا ہوا۔ اور اکثر علماء کرام کی یہی رائے ہے۔ لیکن بعض حضرات ۹۰ھ، بعض نے ۹۵ھ ذکر کیا ہے۔ اور امام یافعی نے ''طبقات الفقہاء'' میں ۹۴ھ تحریر کیا ہے۔ اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ شکم مادر میں معمول سے زیادہ رہے۔ مؤرخین کے نزدیک مشہور تو یہ ہے کہ آپ تین سال تک رہے۔ لیکن علامہ واقدی اور عطاف بن خالد سے منقول ہے کہ دو برس رہے۔ (بستان الحدیث اردو: ص۱۲،)

امام مالک رضی اللہ عنہ کا حلیہ مبارکہ

حضرت مطرف بن عبداللہ یساری لکھتے ہیں کہ آپ دراز قد، سفید رنگ مائل بہ زردی، کشادہ چشم اور خوب صورت تھے۔ ناک بلند اور سر کے اگلے حصہ میں بال کم تھے۔ ایسے شخص کو عربی زبان میں اصلع کہتے ہیں۔ داڑھی گنجان اور اس قدر لمبی کہ تھی کہ سینہ پہونچتی تھی اور مونچھ کے ان بالوں کو جو لبوں کے کنارے پر ہوتے تھے، ان کو کترا تے تھے۔ منڈ وانے کو مکروہ سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ مونچھ کا منڈ وانا مثلہ ہوتا ہے۔ اور مونچھیں بھی خوب تھیں۔ آپ اس معاملے میں حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تقلید فرماتے تھے۔ چنانچہ منقول ہے ''اِنَّہٗ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کَانَ یَفْتِلُ اِذَاھَمَّہٗ اَمْرٌ'' یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب کوئی امر عظیم پیش آتا تھا تو اپنی مونچھ پر پیچ دیا کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی مونچھوں کے دو طرف بال دراز تھے۔

امام مالک رضی اللہ عنہ نہایت خوش پوشاک تھے۔ عدن کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔ جو نہایت

نفیس اور بیش قیمت ہوتے تھے۔ اور لباس اکثر سفید ہوتے تھے۔ اکثر اوقات عطر استعمال کیا کرتے تھے۔ (بستان المحدثین: ص ۱۲، ۱۳)

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو بچپن کے زمانے میں دیکھا تھا۔ ایک مرتبہ امام اعظم سے لوگوں نے دریافت کیا کہ مدینہ منورہ کے نو رعمر لڑکوں کو آپ نے کیسا پایا؟ تو ارشاد فرمایا کہ اگر ان میں سے کوئی بلندی حاصل کرے گا تو وہ مالک بن انس ہے۔ نیز فرمایا کہ میں نے مدینہ میں علم بکھیرا ہوا دیکھا اگر کوئی شخص اس کو جمع کرے گا تو وہ یہی لڑکا یعنی مالک بن انس ہے۔ ابن عالم فرماتے ہیں کہ بعد میں میں نے امام ابوحنیفہ کی یہ بات امام مالک کو سنائی تو انہوں نے کہا کہ ابوحنیفہ نے سچ کہا کہ میں نے ان کو دیکھا ہے کہ سمجھ بوجھ کے آدمی تھے۔ (بستان المحدثین اودو: ص، ۱۲، ۱۳)

تعلیم و تربیت

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ ایک ایسے خاندان اور ماحول میں آنکھیں کھولی جہاں اثر وحدیث کا بول بالا تھا۔ پہلے آپ نے اسلامی گھرانے کے دستور و رواج کے مطابق حفظ قرآن مجید فرمایا۔ اور قرآن حکیم کی قرأت وسند مدینہ منورہ کے مشہور و معروف امام القراء حضرت نافع بن عبدالرحمٰن متوفی ۱۶۹ھ سے حاصل کیا۔ پھر بعد میں حفظ حدیث کی طرف مائل ہوئے۔ مدینہ میں علم حدیث سیکھنے کا جو ماحول قائم تھا اس سے متاثر ہو کر آپ نے اپنی ماں کی خدمت عالیہ میں اس کا اظہار کیا کہ میں بھی علم حاصل کرنے جاؤں گا۔ ماں نے کہا کہ آؤ میں تم کو علم دین کا لباس پہنا دوں۔ چنانچہ انہوں نے مجھے (ثیاب مستمرہ) اوٹنگے کپڑے پہنائے اور سر پر سیاہ رنگ کی لمبی ٹوپی رکھ کر اوپر سے عمامہ باندھ کر اجازت مرحمت فرماتے ہوئے کہتی ہیں "اِذْهَبْ اِلٰى رَبِيْعَةَ فَتَعَلَّمْ مِنْ اَدَبِهٖ قَبْلَ عِلْمِهٖ" ربیعہ کے پاس جاؤ اور علم سے پہلے ان سے ادب سیکھو۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ والدہ نے کہا "اِذْهَبْ الْاٰنَ فَاكْتُبْ" اب جاؤ حدیث لکھو۔ حضرت ربیعہ بن عبدالرحمٰن جلیل القدر تابعی اور مدینہ منورہ کے مسلم فقہاء میں سے ہیں۔ (ترتیب المدارک: ج ۱ ص ۱۹۹)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو علم حدیث سیکھنے کا ذوق وشوق اس قدر تھا کہ ربیعہ کے حلقہ درس سو جو کچھ سنتے یا سیکھتے اس کو درختوں کے سامنے بیٹھ کر حفظ کرتے۔ ایک بار ایسا کرتے ہوئے آپ کی بہن

نے دیکھ لیا تو اس کا تذکرہ اپنے والد گرامی سے کیا۔انہوں نے جواباً کہا "یَا بُنَیَّۃُ ! اِنَّہٗ یَحْفَظُ اَحَادِیْثَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم"، بیٹی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں حفظ کرتا ہے۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کو علم طلب کرنے کی خواہش وحرص بہت زیادہ تھی۔ حالانکہ زمانہ طالب علمی میں مفلسی کا یہ عالم تھا کہ مکان کی چھت توڑ کر اس کی کڑیوں کو بیچ کر کتابیں وغیرہ خریدتے تھے۔مگر اس کے بعد آپ پر دولت کا دروازہ کھل گیا اور کثرت سے بڑی بڑی فتوحات شروع ہوگئیں۔

(اولیاء رجال الحدیث: ص ۱۷۹)

امام مالک رضی اللہ عنہ اور مسند درس وافتاء

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے ذوق وشوق، محنت وذہانت اور علم وفراست کی بنا پر سترہ سال کی عمر میں ہی تمام علوم وفنون میں درجہ کمال حاصل کر لیا تھا۔اور اسی عمر میں آپ نے اپنے اساتذہ اور شیوخ کی اذن پر مسند درس وافتاء سنبھالی۔خود ارشاد فرماتے ہیں:

"مَا اَفْتَیْتُ حَتّٰی شَھِدَ لِیْ سَبْعُوْنَ اِنِّی اَھْلٌ لِذٰلِکَ" جب تک ۷۰/ستر علماء نے میرے بارے میں شہادت نہیں دی کہ میں افتاء کا اہل ہوں میں نے فتویٰ نہیں دیا۔(تذکرۃ الحفاظ: ج ا،ص ۲۰۸)

اس وقت ان کے کئی شیوخ زندہ تھے اور ان کی حیات میں امام مالک فتوی دیا کرتے تھے۔ایوب سختیانی کہتے ہیں کہ میں حضرت نافع کی زندگی میں مدینہ گیا اس وقت امام مالک کا حلقہ درس وافتاء قائم تھا۔ابن منذر کا بیان ہے کہ نافع اور زید بن اسلم کی زندگی میں ہی ان کے حلقہ درس سے بڑا تھا۔شعبہ کا بھی یہی قول ہے۔(تقدمۃ الجرح والتعدیل: ص ۲۶)

امام مالک کی مجلس درس وافتاء دو جگہ منعقد ہوتی تھی۔ایک مدینہ منورہ مسجد نبوی میں درس وافتاء کے لئے ایک مجلس کا انتخاب فرمایا جس میں دور دراز سے لوگ آیا کرتے تھے۔اور دوسری مجلس وادی عقیق کے مقام جرف میں جہاں آپ کا ذاتی مکان تھا۔اور وہاں پر درس دینا اس لئے شروع کیا تھا کہ آپ اپنی زندگی کے آخری ایام میں بیماری کی وجہ سے گھر پر ہی درس دینے لگے تھے۔

امام مالک رضی اللہ عنہ کا علمی مقام

حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا علمی مقام نہایت ارفع واعلیٰ ہے۔وہ علم وتفقہ کے وہ ماہتاب

ہیں جس کی روشنی کے سامنے آسمان علم ومعرفت کے سیاروں کی چمک دمک گم معلوم ہوتی نظر آتی ہے۔
ان کے علمی مقام کا اندازہ ان نبوی بشارتوں سے لگایا جاسکتا ہے جن کا مصداق علماء نے آپ کی ذات کو ٹھہرایا ہے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں ''یوشک ان یضرب الناس اکباد الابل یطلبون العلم فلا یجدون عالما اعلم من عالم المدینۃ'' عنقریب وہ زمانہ آئے کہ لوگ اونٹوں پر سوار ہوکر علم طلب کرنے کے لئے سفر کریں گے۔ لیکن مدینہ کے عالم سے بڑھ کر کسی عالم نہ پائیں گے۔ (التعلیق الممجد علی مؤطا امام محمد: ص ۱۴)

حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ اس عالم مدینہ سے مراد حضرت امام مالک بن انس ہیں۔
ابوعبداللہ فرماتے ہیں:
''رَأَیْتُ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ فِی الْمَسْجِدِ قَاعِداً وَالنَّاسُ حَوْلَہٗ وَمَالِکٌ قَائِمٌ بَیْنَ یَدَیْہِ وَبَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ مِسْکٌ فَھُوَ یَاخُذُ مِنْہُ قَبْضَۃً قَبْضَۃً وَیَدْفَعُھَا اِلٰی مَالِکٍ وَمَالِکٌ یَذُرُّھَا عَلَی النَّاسِ قَالَ مُطْرِفٌ فَاَوَّلْتُ ذٰلِکَ الْعِلْمَ وَاتِّبَاعَ السُّنَّۃِ'' (اکمال فی اسماء الرجال: ص ۶۲۴)
میں نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ آپ کے اردگرد بہت سارے لوگ موجود ہیں۔ امام مالک آپ کے سامنے کھڑے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے مشک رکھا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس سے مٹھیاں بھر بھر کے امام مالک کو عطا فرما رہے ہیں اور امام مالک لوگوں پر تقسیم کررہے ہیں۔ مطرف نے کہا میں نے اس خواب کی تعبیر علم اور اتباع سنت سے لی۔
امام شافعی فرماتے ہیں:
قَالَتْ لِیْ عَمَّتِیْ وَنَحْنُ بِمَکَّۃَ رَأَیْتُ فِیْ ھٰذِہِ اللَّیْلَۃِ عَجَباً فَقُلْتُ لَھَا مَاھُوَ قَالَتْ رَأَیْتُ کَانَّ قَائِلاً یَقُوْلُ مَاتَ اللَّیْلَۃَ اَعْلَمُ اَھْلِ الْاَرْضِ قَالَ الشَّافِعِیُ فَحَسِبْنَا ذٰلِکَ فَاِذَاھُوَیَوْمَ مَاتَ مَالِکُ بْنَ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ'' (حلیۃ الاولیاء: ص ۳۳۰)
ہم مکہ میں تھے کہ میری پھوپھی نے کہا کہ میں نے آج رات ایک تعجب خیز واقعہ خواب میں دیکھا۔ میں نے کہا وہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کوئی کہہ رہا ہے کہ آج کی رات دنیا کا سب سے بڑا عالم فوت ہوگیا۔ امام شافعی نے فرمایا کہ ہم نے اس کا حساب وتخمینہ لگایا تو وہ امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کے وصال کا دن تھا۔

محمد بن رمح کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں حضور ﷺ کو دیکھا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان، بعض مسائل میں جہاں امام مالک اور لیث کا اختلاف ہو تو وہاں کیا کیا جائے؟ ارشاد فرمایا ''مَالِکٌ، مَالِکٌ وَرَثَۃُ جَدِّیْ اِبْرَاھِیْمَ '' میرے دادا ابراہیم کے علم کا ورثہ مالک بن انس کو ملا ہے۔یعنی جہاں ان دونوں کا اختلاف ہو تو امام مالک کے قول کو ترجیح دو۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مرتبہ حدیث وفقہ کے متعلق فرماتے ہیں: ''اِذَا ذُکِرَ الْعُلَمَاءُ فَمَالِکٌ اَلنَّجُمُ، وَمَا اَحَدٌ اَمَنَّ عَلَیَّ مِنْ مَالِکٍ'' جب علماء کا تذکرہ کیا جاتا تو امام مالک ستارے کے مانند بلند ہوتے ہیں۔ مجھ پر امام مالک سے زیادہ کسی کا احسان نہیں ہے۔یعنی جب علماء کا تذکرہ ہوتا تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا نام سرفہرست آتا۔

امام شافعی فرماتے ہیں: ''لَوْلَا مَالِکٌ وَابْنُ عُیَیْنَۃَ لَذَھَبَ الْعِلْمُ مِنَ الْحِجَازِ'' اگر امام مالک اور ابن عیینہ نہ ہوتے تو علم حجاز سے رخصت ہو جاتا۔ (فتح الباری: ج۱،ص ۷)

حضرت محمد بن ابی السری عسقلانی نے خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی اور حضور ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کچھ ارشاد فرمائیں تا کہ میں حضور کی جانب سے اس ارشاد کی تبلیغ کروں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اے عسقلانی! میں نے مالک ابن انس کو ایک خزانہ دے دیا ہے جسے وہ تم سب میں تقسیم کر رہا ہے اور وہ خزانہ مؤطا ہے۔ (روض الفائق: ص ۱۴۸)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام مالک حضور ﷺ کے منظور نظر اور آپ کی کتاب موطا امام مالک ایک ایسی مستند اور صحیح جامع ہے کہ حضور ﷺ نے اپنا خزانہ ارشاد فرمایا ہے۔

حضرت امام ذہبی فرماتے ہیں کہ پانچ باتیں جیسی امام مالک کے حق میں جمع ہوگئیں ہیں۔ میرے علم کے مطابق کسی اور شخص میں جمع نہیں ہوئیں: (۱) دراز عمر اور عالی سند (۲) عمدہ فہم وادراک اور وسیع علم (۳) آپ کے حجت اور صحیح الروایۃ ہونے پر ائمہ کرام کا اتفاق (۴) آپ کی عدالت، اتباع سنت اور دین داری پر محدثین عظام کا اتفاق (۵) فقہ وفتویٰ میں آپ کی مسلمہ مہارت۔

امام مالک رضی اللہ عنہ کے شیوخ واساتذہ

امام مالک رضی اللہ عنہ نے جن سے علم دین حاصل کیا ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جن میں اجلہ

تابعین کرام اور مشہور فقہاء ومحدثین بھی ہیں۔ جو صدق طہارت میں معروف اور حفظ علم قرآن وحدیث وفقہ میں ممتاز تھے۔ آپ نے جن شیوخ سے موطا میں روایت کی ہے ان کی تعداد ننا وے ہے۔ ان میں سے صرف چھ حضرات غیر مدنی ہیں باقی سب اساتذہ مدنی ہیں۔ اس طرح مدینہ کا جو علم متفرق سینوں میں بکھرا ہوا تھا وہ اب ایک سینہ میں مجتمع ہو گیا۔ اسی لئے آپ کا لقب ''امام دار الہجرۃ'' ہوا۔ یہ صرف موطا کے شیوخ کی تعداد ہے۔ ورنہ علامہ زرقانی اور دولقی نے تحریر کیا ہے کہ آپ کے اساتذہ نو سو سے زیادہ ہیں۔ جن سے علم دین حاصل کیا ہے۔ امام نووی ''تہذیب الاسماء'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام مالک کے اساتذہ کی تعداد نو سو ہے۔ جن تین سو تابعین اور چھ سو تبع تابعین تھے۔ لیکن حضرت نافع جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے خصوصی خادم وشاگرد تھے۔ اور حدیث ودرایت کے شیخ تھے۔ ان سے زیادہ استفادہ کیا جب تک وہ زندہ رہے۔ تقریباً بارہ سال تک امام مالک ان کے درس میں شریک رہے۔ اور موطا کی بکثرت روایتیں انہی سے ہیں اور مالک عن نافع عن ابن عمر کو اصح الاسانید قرار دیا گیا ہے۔ اور اسی کو سلسلۃ الذہب کہا گیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہارون رشید نے امام مالک سے کہا کہ ہم نے آپ کی کتاب موطا میں حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ذکر بہت کم پایا، فرمایا کہ وہ میرے شہر میں نہ تھے اور نہ میں ان کے اصحاب سے ملاقات کر سکا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایات ان دونوں حضرات سے بھی کم ہیں۔

چوں کہ آپ کو مدینہ منورہ سے خصوصی محبت تھی اس لئے باہر نکلنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ وہ مدینہ طیبہ میں وفات کی تمنا میں وہیں اقامت پذیر رہے۔ اسی وجہ سے ایک مرتبہ صرف فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے مکہ شریف حاضر ہوئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی مذکورہ بالا حضرات کے شاگردوں سے ملاقات نہ ہو سکی۔ البتہ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بکثرت حج کرتے تو حضرت نافع کی روایت بھی امام صاحب کے پاس موجود تھی۔ چنانچہ ابوحنیفہ عن نافع عن ابن عمر کی سلسلۃ الذہب سند امام ابوحنیفہ سے بھی موجود ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ان مشائخ اعلام اور مشہور ومعروف اساتذہ کرام میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی پیش خدمت ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت نافع مولیٰ ابن عمر، حضرت محمد بن مسلم بن شہاب زہری، حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیر، حضرت نعیم بن عبداللہ المجمر، حضرت زید بن اسلم، حضرت حمید الطّویل، حضرت سعید مقبری، حضرت ابوحازم سلمہ بن دینار، شریک بن عبداللہ ابونمیر، حضرت صالح بن کیسان، حضرت صفوان بن سلیم، حضرت ابوالزناد محمد بن منکدر، حضرت عبد بن دینار، حضرت ایوب سختیانی، حضرت عبدالرحمٰن بن القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق، ثور بن زید دیلی، حضرت ابراہیم بن ابی عیلہ مقدسی، حضرت ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن، حضرت ہشام بن عروہ، حضرت ابراہیم بن ابی عبلہ مقدسی، حضرت ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن، حضرت ہشام بن عروہ، حضرت یحیٰ بن سعید انصاری، حضرت عائشہ بنت سعد بن وقاص وغیرھم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ (تہذیب التہذیب: ج۱ص۵)

امام مالک رضی اللہ عنہ کے تلامذہ واصحاب

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کی درسگاہ علم سے فیض یافتہ تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ حضرت حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں "حَدَّثَ عَنْهُ خَلْقٌ مِنَ الْاُمَّۃِ" حافظ علامہ ذہبی تحریر فرماتے ہیں "حَدَّثَ عَنْهُ اُمَمٌ لَایَکَادُوْنَ یُحْصَوْنَ" یعنی آپ سے اتنے لوگوں نے روایت کی ہے جن کا شمار تقریباً ناممکن ہے۔ علامہ دارقطنی نے اس تعلق سے ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ جس میں امام مالک سے روایت کرنے والوں کی تعداد ہزار بتائی ہے۔ اورحافظ ابوبکر خطیب بغدادی کے ایک رسالہ میں نوسوترانوے ۹۹۳ ر رواۃ مذکور ہیں۔ خود آپ کے بعض شیوخ نے آپ سے روایت کی ہے۔ مثلاً حضرت ایوب سختیانی، حضرت ربیعہ الرائی، حضرت یحیٰ بن سعید انصاری، محمد بن ابی ذئب، ابوالاسود اوراعمش وغیرہ۔

اہل علم وفضل تلامذہ میں سے حضرت امام محمد بن حسن شیبانی، حضرت امام عبداللہ بن مبارک، لیث بن سعد اشعیہ، سفیان ثوری، یحیٰ القطان، ابن مہدی، ابو عاصم النبیل، عبدالرحمٰن اوزاعی، وغیرہ ہیں۔ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے "ترتیب المدارک" میں ان کے نام حروف تہجی کے اعتبار سے جمع کئے ہیں۔ جن کی تعداد تیرہ سو سے زائد ہے۔

صاحب اکمال تحریر فرماتے ہیں کہ امام مالک کے فخر کے لئے یہی کافی ہے کہ امام شافعی جیسی ہستی کا شمار

ان کے شاگردوں میں ہوتا ہے۔ علاوہ بریں محمد بن ابراہیم ، ابن دینار، ابو ہاشم اورعبدالعزیز بن ابوحازم بھی ان کے شاگردوں میں ہیں۔ان کے علاوہ ان کے شاگردوں میں ابن معین بن عیسٰی، یحیٰ بن یحیٰ ،عبداللہ بن مسلمہ، قعینی اور عبداللہ بن وہب جیسے حضرات بھی ہیں، جوامام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، ابوداؤد، احمد بن حنبل اور یحیٰ بن معین جیسے ائمہ حدیث کے استاذ ہیں۔حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اتنے حضرات نے روایت کیا ہے جن کا احاطہ بہت مشکل ہے۔ان کے شاگرد جس ملک میں جا کر اقامت پذیر ہوئے وہ پورے ملک کے امام اور یگانۂ روزگار ثابت ہوئے۔ (اکمال فی اسماء الرجال:ص۶۲۴)

امام مالک رضی اللہ عنہ اور علمائے کرام کا اعتراف

مختلف ادوار واقوام میں آپ کی مدح وثنا کا چرچا رہا اور اس عظیم فقیہ کی سیر وسوانح کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہ ثنا خوان مختلف مکاتب فکر سے وابستہ تھے۔ مگر آپ کی عظمت شان اور جلالت علم پر سب کا اتفاق تھا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اعتراف فضل وکمال میں علماء کے بکثرت اقوال ہیں۔ اب ہم ان میں سے بطور نمونہ بعض بزرگان سلف کے مقولہ درج کر رہے ہیں۔ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں:

''سُفْیَانَ الثَّوْرِیُّ اِمَامٌ فِی الْحَدِیْثِ وَلَیْسَ بِاِمَامٍ فِی السُّنَّةِ وَالْاَوْزَاعِیُ اِمَامٌ فِی السُّنَّةِ وَلَیْسَ بِاِمَامٍ فِی الْحَدِیْثِ وَمَالِکٌ اِمَامٌ فِیْهِمَا جَمِیْعاً'' سفیان ثوری امام الحدیث ہیں امام الفقہ نہیں اور اوزاعی امام الفقہ ہیں امام الحدیث نہیں اور امام مالک بن انس دونوں فن کے امام ہیں۔(حلیۃ الاولیاء:ص۳۳۲)

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں:

''اِذاجَاءَ الْحَدِیْثُ عَنْ مَالِکٍ فَاشْدُدْ یَدَیْکَ بِهٖ'' جب تمہیں امام مالک سے کوئی روایت ملے تو اسے مضبوطی پکڑلو (قبول کرلو) (حلیۃ الاولیاء:ص۳۲۲)

حضرت یحیٰ بن سعید کہا کہ حدیث کا سب سے زیادہ صحیح جانکار امام مالک سے بڑھ کر کوئی نہیں۔

(اکمال فی اسماء الرجال:۶۲۴)

امام اعظم ابوحنیفہ نے فرمایا کہ میں نے امام لک سے زیادہ جلد صحیح جواب دینے والا اور اچھی پرکھ کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ (تہذیب التہذیب: ج ا ص ۸)

ابن قحطان اور ابن معین نے فرمایا کہ امام مالک امیر فی الحدیث ہیں۔ ابن معین یہ بھی فرمایا کہ امام مالک مخلوق پر اللہ کی حجتوں میں سے ایک حجت ہیں۔ اور ایسے امام ہیں کہ ان کے فضل وکمال پر علمائے کرام کا اتفقا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ''وکل من روی عنہ مالک فھو ثقۃ الا عبدالکریم'' جس سے بھی امام مالک نے روایت کیا وہ تمام کے تمام ثقہ تھے سوائے عبدالکریم کے۔

مصعب زبیری کا قول ہے کہ امام مالک ثقہ، مامون، ثبت، عالم فقیہ، حجت اور صاحب ورع ہیں۔

امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص کسی کی حدیث حفظ کرنا چاہتا ہے تو کسی کی یاد کرے فرمایا امام مالک بن انس کی۔

امام بخاری سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ صحیح سند کون سی ہے؟ فرمایا مالک عن نافع عن ابن عمر۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ تابعین کے بعد میرے نزدیک امام مالک سے زیادہ دانشمند، بزرگ، قابل وثوق اور ضعفاء سے کم روایت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ موصوف نے بلوامیہ عبدالکریم کے علاوہ کسی متروک سے روایت کی ہو۔ سفیان ثوری ایک مستقل مجتہد ہونے کے باوجود مناسک حج میں امام مالک کی پیروی کرتے تھے۔ ابن معین جو نقد حدیث میں امام ہیں فرماتے ہیں کہ امام مالک اس امت کے لئے رحمت تھے۔ ابن ابی حازم نے ناقد حدیث آوردی سے پوچھا کہ خدائے کعبہ کی قسم: مالک سے بڑا کوئی تم نے دیکھا؟ جواب دیا کہ ''خدایا'' نہیں۔

امام محمد ابوزہری فرماتے ہیں کہ امام مالک رضی اللہ عنہ کی فقہ میں دو باتیں نمایاں ہیں ''ایک یہ کہ امام مالک جہاں فقیہ اثر تھے وہیں فقیہ رائے بھی تھے۔ جس طرح اپنی فقہ کے اندر اثر کا بکثرت استعمال کرتے وہیں رائے کو بھی خوب استعمال کرتے ہیں۔ متقدمین ان کو فقہائے رائے شمار کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ سے جو فقہ مروی ہے اور اس کا جو طریقہ ہے وہ ان کے اس قول پر شاہد ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت امام مالک کے یہاں رائے کے بہت سے وسائل تھے۔ لیکن ان کا مرجع ایک ہی اصل تھا اور وہ تھا جلب نفع اور دفع حرج''

امام مالک رضی اللہ عنہ کا پیشہ

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کا ذریعہ معاش کیا تھا؟ اس کے بارے میں مجھے کوئی ٹھوس روایت نہیں ملی۔ لیکن اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے والد گرامی کا پیشہ پتر سازی تھا۔ آپ بچپن ہی میں حصول علم حدیث کی طرف مائل ہو چکے تھے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے علم کے ساتھ یہ پیشہ بھی بطور روزی کمانے کے لئے اختیار کیا ہو۔ دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے بھائی نضر روئی کے کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور وہ خود علم اور طلب حدیث میں مشغول تھے۔ حضرت امام مالک ان کے ساتھ اس کو بیچا کرتے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آپ کا ذریعہ معاش تجارت رہا۔

آپ کے خلفاء و حکام سے بھی تعلقات تھے۔ ان کی طرف سے آنے والے ہدایا و تحائف کو قبول کر لیا کرتے تھے۔ جب کہ آپ کے معاصر حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نہ تو بنو عباس کے خلفاء اور نہ ہی اموی خلفاء کے ہدایا قبول فرماتے تھے۔ ایک بار آپ سے خلفاء کے اموال قبول کرنے کی بابت سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا "اَمَّا الْخُلَفَاءُ فَلَاشَکَّ یَعْنِی اَنَّهٗ لَابَاسَ بِهٖ، وَاَمَّا مِنْ دُوْنِهِمْ فَاِنَّ فِیْهِ شَیْئاً" رہی بات خلفاء کی تو اس میں کوئی شک نہیں یعنی ان سے لینے میں کوئی حرج نہیں، جہاں تک ان کے علاوہ کی بات ہے تو اس میں باعث حرج۔ اس کی وجہ آپ کی نظر میں یہ رہی ہوگی کہ خلفاء اپنی خواہش کی چیزوں کو اپنے لئے جمع کر لیا کرتے تھے اس میں سے نکال کر بھیجا کرتے تھے۔ جسے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں محسوس کرتے تھے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ہارون رشید آپ کے لئے تین ہزار دینار بطور وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ اس سلسلے میں آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا "لَوْ کَانَ اِمَامٌ عَدْلٌ فَانْصَفَ اَهْلُ الْمُرُوَّةِ لَمْ اَرَبِهٖ بَاساً" اگر امام عادل ہوتا تو صاحب مروت شخص ضرور انصاف کرتے۔ لہٰذا میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا ہوں۔

آپ کا حکماء اور خلفاء سے تعلق ہونے کے باوجود علم اور علماء کو ان کی شان و شوکت پر ترجیح دیتے تھے۔ چنانچہ ہارون رشید نے ایک بار آپ کے پاس اپنی مجلس میں حاضر ہونے کا پیغام بھیجا تا کہ اپنی کتاب موطا ہمارے پاس لا کر مجھے حدیث کا درس دیں۔ تو آپ نے اس کے پاس جا کر حدیث کا درس دینے

سے برجستہ انکار فرمادیا۔ چنانچہ خلیفہ ہارون رشید کو کہنا پڑا ''وَاللّٰہِ لَانَسْمَعُہٗ اِلَّافِیْ بَیْتِکَ'' بخدا ہم آپ کے گھر میں ہی اس کی سماعت کریں گے۔ اسی طرح کا واقعہ ہارون رشید کے بچوں کے ساتھ بھی پیش آیا ہے جس کو ہم آگے بیان کریں گے۔ (مفتاح السعادۃ: ج۲،ص۸۶)

امام مالک رضی اللہ عنہ اور تعظیم حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ میرے نزدیک امام مالک رضی اللہ عنہ سے زیادہ امانت دار کوئی نہیں۔ محدث کبیر حضرت علامہ ذہب بن خالد فرماتے ہیں کہ مشرق ومغرب میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا امانت دار کسی کو دیکھا ہی نہیں۔ آپ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر اس کا احترام کرنے کی حتی الامکان کوشش کرتے تھے۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ جب حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرنے کا ارادہ فرماتے تو سب سے پہلے وضو یا غسل کا اہتمام کرتے پھر عمدہ اور بیش قیمت پوشاک زیب تن فرماتے، بالوں میں کنگھی کرتے، خوشبو لگاتے اور وقار وہیبت کے ساتھ مسند تدریس کو رونق بخشتے پھر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرنا شروع کرتے۔ لوگوں نے آپ سے اس قدر احتیاط واہتمام کرنے کی وجہ دریافت کیا تو ارشاد فرمایا: ''اُحِبُّ اَنْ اُعَظِّمَ حَدِیْثَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَلَااُحَدِّثُ بِہٖ اِلَّاعَلٰی طَھَارَۃٍ مُتَمَکِّناً'' میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کو محبوب رکھتا ہوں اور باطہارت بیٹھ کر حدیث بیان کرتا ہوں۔

راستے میں کھڑے ہوکر یا جلد بازی میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرنے کو ناپسند کرتے اور ارشاد فرماتے ''اُحِبُّ اَنْ اَتَفَھَّمَ مَااُحَدِّثُ بِہٖ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم'' مجھے زیادہ پسند ہے کہ جو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کروں تو سمجھ کر بیان کروں۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت ابوحازم حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمارہے تھے حضرت امام مالک رحمہ اللہ علیہ ان کے پاس سے گزرے اور ان کی مجلس حدیث میں شریک نہیں ہوئے اور آگے نکل گئے۔ تو وجہ دریافت کرنے پر ارشاد فرمایا کہ بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی اور کھڑے ہوکر حدیث رسول کو سننا میں نے خلاف ادب سمجھا اس لئے میں آگے بڑھ گیا۔ (حلیۃ الاولیاء: ص۳۱۸)

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کے تلمیذ خاص حضرت ابن حبیب سے منقول ہے کہ بیان حدیث کے

وقت ایک ہی نشست میں مجلس تدریس کو تمام فرماتے اور از راہ ادب زانو نہ تبدیل کرتے، اس سلسلے میں کمال احتیاط ملحوظ رکھتے تھے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حضرت عبداللہ بن مبارک بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ حضور علیہ وسلم کی حدیث پاک بیان فرمارہے تھے کہ ایک بچھو نے نیش زنی شروع کردی اور دس یا گیارہ مرتبہ ڈنک مارا۔ آپ کا چہرۂ مبارک شدت تکلیف کے باعث زرد ہوتا گیا اور بے چینی بڑھتی گئی۔ اس کے باوجود آپ نے درس حدیث تک نہیں فرمایا بلکہ اسی طرح بیان حدیث نبوی علیہ وسلم میں مشغول رہے۔ اور جب درس حدیث ختم ہوا اور سب لوگ چلے گئے تو میں نے عرض کیا حضور! آج آپ کو کیا ہوگیا تھا کہ آپ سخت بے چین نظر آرہے تھے۔ تو ارشاد فرمایا کہ یہ میرا اظہار جرأت یا اپنی آزمائش پر صبر کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ محض حدیث رسول علیہ وسلم کی تعظیم و ادب کی وجہ تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام مالک رضی اللہ عنہ کے دل میں حدیث رسول کا بڑا ادب و احترام تھا اور ہمیں بھی حضور علیہ وسلم کی حدیث پاک کا ادب و احترام اور تعظیم و توقیر کرنا چاہیئے۔ (روض الفائق: ص ۱۴۹)

خلیفہ ہارون رشید اپنے دور حکومت میں روضۂ رسول علیہ وسلم کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ جب ملاقات اور گفت وشنید کے بعد واپس جانے کا ارادہ فرمایا اور باہر نکلنا چاہا تو ہارون رشید نے یا امام المسلمین برائے کرم روزانہ آپ ہمارے پاس تشریف لائیں تا کہ ہمارے بیٹے امین و مامون آپ سے حدیث سماعت کریں۔ حضرت امام مالک نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا:

"مَهْ يَا اَمِيرَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَاتَضَعُ فِيْ عِزَّةِ شَيْءٍ رَفَعَهُ اللّٰهُ اَلْعِلْمُ يُؤْتِيْ وَلَا يُؤْتِيْ" ٹھہریئے: اے امیر المومنین! آپ نے اس چیز کی عزت باقی نہیں رکھی جسے اللہ تعالیٰ نے بلندی دی، علم ایک ایسی چیز ہے کہ لوگ اس کے پاس آتے ہیں نہ کہ علم لوگوں کے پاس جاتا ہے۔

ہارون رشید نے انصاف سے کہا "صَدَقْتَ اَيُّهَا الشَّيْخُ كَانَ هٰذَا هَفْوَةٌ مِّنِّيْ فَاسْتُرْهَا عَلَيَّ" اے شیخ! آپ نے سچ کہا یہ میری لغزش تھی، معاف کردیا جائے۔

بعدہ امین و مامون کو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دولت خانہ پر بھیجا، آپ ان دونوں کو دیگر طلبہ کے ساتھ بیٹھا کر درس حدیث دیتے اور امام مالک خود باہیبت اور پر جلال رہتے تا کہ سلاطین و امرا

خوف کھائیں۔(مناقب ائمہ اربعہ فارسی،ص۳۴؍۳۵)

امام مالک اور احترام مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

جس طرح آپ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نہایت ہی ادب واحترام کرتے تھے اسی طرح شہر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ادب واحترام ملحوظ رکھتے تھے۔ابن خلکان ذکر کرتے ہیں ”کَانَ مَالِکٌ لَایَرْکَبُ فِی الْمَدِیْنَۃِ مَعْ ضُعْفِہٖ وَکِبَرِسِنِّہٖ وَیَقُوْلُ لَااَرْکَبُ فِیْ مَدِیْنَۃٍ فِیْھَا جُثَّۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَدْفُوْنَۃٌ“ امام مالک رضی اللہ عنہ ضعف اور کبرسنی کے باوجود مدینہ منورہ میں کبھی سواری پر سوار نہیں ہوتے۔اور فرماتے تھے جس ارض مقدس میں جسم اطہر مدفون ہو اس میں سوار ہونا شان محبت اور ادب کے خلاف ہے۔(التعلیق المجد علی موطا امام محمد،ص۱۵)

ابونعیم مثنیٰ بن سعید سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا:

”سَمِعْتُ مَالِکاً یَقُوْلُ مَابِتُّ لَیْلَۃً اِلَّارَأَیْتُ فِیْھَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم“ امام مالک کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں جب بھی رات کو سوتا ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتا ہوں۔

امام ملک رحمۃ اللہ علیہ یہ بارہا فرمایا کرتے تھے کہ مجھے مدینہ طیبہ کی مٹی سے خوشبو آتی ہے۔اور تین دن پر ایک مرتبہ استنجا کے لئے جاتے اور فرماتے کہ مجھے بار بار جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔قضائے حاجت کے لئے مدینہ منورہ کے حرم سے باہر نکل جاتے بجز عذر بیماری وغیرہ۔یہی حال امام اعظم رضی اللہ عنہ کا بھی تھا کہ جب سفر حج کے لئے حاضر ہوتے تو مدینہ منورہ کے حدود میں قضائے حاجت نہیں فرماتے۔

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالک کے دروازے پر چند خراسانی گھوڑے اور مصری خچر بندھے ہوئے دیکھا جن سے عمدہ اور بہتر میں نے کبھی نہیں دیکھا، میں نے تعجب خیز لہجے میں حضرت سے دریافت کیا کہ یہ گھوڑے اور خچر کیا فائدہ پہونچا سکتے ہیں۔آپ نے فرمایا اے عبداللہ میری جانب سے سب کو ہدیۃ قبول کرلو۔میں نے کہا سواری کے لئے ایک ہی رکھ لیجئے فرمایا مجھے شرم آتی ہے کہ جس ارض مقدس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت اقدس ہو اس زمین کو گھوڑوں اور خچروں کے کھر سے روندوں یہ میرے دل کو گوارا نہیں ہے۔(ایضا)

ایک مرتبہ ہارون رشید نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس کوئی ذاتی مکان ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ تو اس نے آپ کو تین ہزار اشرفیاں دے کر کہا کہ آپ ایک مکان خرید لیجئے۔ آپ نے اشرفیاں قبول کرلیں۔ جب ہارون رشید کی مجلس سے اٹھنے کا ارادہ کیا تو کہا کہ اگر آپ ہمارے ساتھ چلیں تو نہایت اچھا ہوگا۔ کیوں کہ میں نے یہ عزم کرلیا ہے کہ لوگوں کو موطا کا حامل بناؤں۔ جیسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حامل قرآن بنایا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی کوئی صورت نہیں۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام مختلف شہروں میں قیام پذیر ہوئے۔ اور ہر اہل شہر کے پاس علم ہے۔ اور رہا میرا تمہارے ساتھ چلنا تو یہ نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "اَلْمَدِیْنَةُ خَیْرٌ لَّھُمْ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ" مدینہ ان کے لئے بہتر ہے اگر وہ جانتے۔ رہی اشرفیاں سو یہ موجود ہیں، چاہو تو لے لو یعنی تم جو یہ احسان کر کے مدینہ سے جدا کرنا چاہتے ہو یہ نہیں ہوسکتا۔

دَارُالْحَبِیْبِ اَحَقُّ اَنْ تَھْوَاھَا   وَنَحْنُ مِنْ طَرَبٍ اِلیٰ ذِکْرَاھَا

حبیب کا گھر زیادہ حق دار ہے کہ اس کی خواہش کی جائے اور ہم اس کے ذکر سے خوش ہوتے ہیں۔

امام مالک رضی اللہ عنہ شہر رسول کی محبت و ادب اور تعظیم و توقیر میں حد درجہ کوشاں رہتے تھے اور ہرگز مدینہ منورہ سے باہر تشریف نہ لے جاتے تھے۔ ہاں ایک مرتبہ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے اور بس۔ امام مالک ذاتی مکان جو تھا تو اسے طلب علم کے شوق میں فروخت کردیا تھا پھر کوئی مکان نہ بنایا تھا۔ اور مسجد نبوی میں اس جگہ بیٹھتے جہاں امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی جائے نشست تھی اور یہ وہی جگہ تھی جہاں اعتکاف کے موقع پر حضور ﷺ کے بستر مبارک بچھایا جاتا تھا۔

امام مالک رضی اللہ عنہ کے اقوال زریں

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے جو بڑا پر مغز علم و حکمت سے لبریز اور احادیث نبویہ کا لب لباب اور خلاصہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

وَخَیْرُ اُمُوْرِ الدِّیْنِ مَا کَانَ سُنَّةً   وَشَرُّ اُمُوْرِ الْمُحْدَثَاتِ الْبَدَائِعُ

دین کا بہترین کام وہ ہے جو سنت ہو اور بدترین چیزیں وہ ہیں جو دین میں نئی نئی چیزیں خلاف سنت

نکالی جائیں۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ علم کثرت روایت کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک نور ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں ڈال دے۔

آپ نے اپنے بھانجے ابوبکر واسماعیل سے ارشاد فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں علم حدیث میں بہت شوق ہے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا اگر تم حقیقتاً دوست رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کا تمہیں نفع عنایت فرمائے تو حدیث کی روایت کم کرو اور علم فقہ زیادہ حاصل کرو۔

ایک دفعہ کسی نے طلب علم کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ علم کا طلب کرنا اچھی چیز ہے مگر آدمی کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ صبح وشام تک جو امور واجبہ ہیں ان پر کتنا عمل کیا۔

ایک مرتبہ فرمایا بے کار اور غلط باتوں کے پاس پھٹکنا بربادی ہے۔ غلط بات زبان پر لانا سچائی سے دوری کی بنیاد ہے۔ اگر انسان کا دین برباد ہونے لگے تو دنیا کتنی بھی ہو بے کار ہے۔

تصنیفات امام مالک رضی اللہ عنہ

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حدیث اور فقہ کی تدوین کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا ۔ ۱۴۰ھ اور ۱۵۰ھ کے درمیان عالم اسلام میں فقہی انداز پر کتابیں لکھی جانے لگی تھیں۔ تقریباً اس کے تیس سال بعد ۱۷۹ھ میں امام صاحب کی وفات ہوئی۔ اس دوران بہت سے علمائے کرام نے کتابیں لکھیں۔ جن میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ایک نمایاں مقام کے حامل تھے۔ قاضی عیاض نے امام مالک کی تصنیفات میں درج ذیل کتابوں کی نشاندہی کی ہے ملاحظہ فرمائیں:

(۱) کتاب الموطا (۲) رسالۃ الی ابن وھب فی القدر (۳) التفسیر لغریب القرآن (۴) کتاب النجوم وحساب مدار الزمان ومناز القمر (۵) رسالۃ مالک فی الاقضیۃ (۶) رسالۃ الی ابی غسان محمدبن مطرف فی الفتور (۷) الکتاب المناسک (۸) رسالۃ الی ھارون الرشید المشھور فی الاداب والمواعظ (۹) کتاب السیر (۱۰) رسالۃ الی اللیث فی اجماع اھل المدینۃ (۱۱) تفسیر القرآن (۱۲) کتاب المسائل (ترتیب المدارک: ص ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷)

موطا امام مالک رضی اللہ عنہ اور زمانہ تالیف

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کی مشہور و مقبول ترین کتاب موطا ہے۔ جو کتب خانہ اسلام کی وہ دوسری کتاب ہے۔ جو قرآن مجید کے بعد باقاعدہ فقہی ترتیب پر مرتب ہو کر منصۂ شہود پر آئی۔ علامہ ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں کہ موطا ہی نقش اول اور بنیادی کتاب ہے۔ بخاری کی حیثیت تو اس باب میں نقش ثانی کی ہے۔ اور انہیں دونوں کتابوں پر مسلم و ترمذی جیسے بعد کے مولفین نے اپنی کتابوں کی بنیاد رکھی ہے۔

موطام کی تصنیف تو مدینہ منورہ میں ہوئی اس لئے امام مالک ہمیشہ مدینہ ہی میں قیام پذیر رہے۔ اس لئے تالیف کا صحیح زمان و مکان معلوم نہیں ہوسکا۔ صرف قرائن سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

قاضی عیاض نے ترتیب المدارک میں امام مالک کے خاص شاگرد ابومصعب کی یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ موطا کی تالیف خلیفہ منصور عباسی کی فرمائش پر اس کے دور حکومت میں شروع ہوئی تھی لیکن پایہ تکمیل اس کے انتقال کے بعد ہوئی۔ منصور ۶ / ذی الحجہ ۱۵۸ھ میں انتقال کرتا ہے۔ بعدہ اس کا بیٹا مہدی تخت نشین ہوتا ہے اور اس کی حکومت کے ابتدائی دور میں موطا کی تالیف مکمل ہوئی ہے۔

ابن حزم نے یہ بیان کیا ہے کہ موطا کی تالیف یحیٰ بن سعید انصاری کے بعد کی ہے متوفی ۱۴۳ھ۔ لیکن زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ ۱۵۰ھ کے بعد کا واقعہ ہے۔ اس لئے کہ ۱۴۸ھ میں شہر بغداد کی تعمیر بھی پایہ تکمیل کو پہونچ گئی تھی۔ تو اس نے اس قسم کی تمنا ظاہر کی تھی۔ اور بعض دوسرے شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کا واقعہ ہے۔ علامہ کوثری کی تحقیق یہی ہے کہ موطا کی تالیف امام اعظم کی وفات کے بعد منصور کے آخری عہد میں شروع ہوئی اور مہدی کے ابتدائی دور میں مکمل ہوئی۔

منصور نے امام مالک کو موطا کی تالیف پر آمادہ کیا تو ان سے اس طرح مخاطب ہوا کہ ابوعبداللہ تم جانتے ہو کہ اب اسلام میں تم سے اور مجھ سے زیادہ شریعت کا جاننے والا کوئی باقی نہیں ہے۔ رہا میں تو خلافت وسلطنت کے جھگڑوں میں ہوں اور تم کو فرصت حاصل ہے۔ لہٰذا تم لوگوں کے لئے ایسی کتاب تصنیف کر جاؤ جس لوگ فائدہ حاصل کریں۔ س کتاب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رخصتیں،

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سختیاں اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شواذ کو نہ بھرو اور لوگوں کے لئے تصنیف وتالیف کا ایک نمونہ قائم کردو۔ امام مالک فرماتے ہیں بخدا منصور نے یہ باتیں کیا کہیں کہ تصنیف ہی سکھادیں۔

امام مالک نے تصنیف سے فارغ ہوکر اس کو شیوخ حدیث کی خدمت میں پیش کیا سب نے اس کو انتہائی درجہ پسند کیا۔ عام اہل مدینہ کے لئے وہ دن عجیب مسرت کا تھا۔ جب ان کے مجموعہ فضائل میں ایک اور فضیلت کا اضافہ ہو رہا تھا۔ سعید بن انام ایک شاعر موطا کی تعریف میں کہتا ہے:

فَبَادِرْ مُوَطَّا مَالِکٍ قَبْلَ فَوْتِہٖ فَمَابَعْدَہٗ اِنْ کَانَ لِلْحَقِّ مَطْلَبُ

تم مالک کی موطا کو جلد لو کھونے نہ پائے۔ اگر یہ کھوگئی تو حق کی جستجو کی پھر جگہ نہیں۔

وَدَعْ لِلْمُوَطَّا کُلَّ عِلْمٍ تُرِیْدُہٗ فَاِنَّ الْمُوَطَّا الشَّمْسُ وَالْغَیْرَ کَوْکَبُ

اور موطا کے لئے ہر اس علم کو جس کو چاہتے ہو چھوڑ دو۔ کیوں کہ موطا آفتاب ہے اور اس کے علاوہ دوسری کتابیں ستارہ ہیں۔

موطا کی وجہ تسمیہ

موطا کی وجہ تسمیہ میں بہت سی قیاس آرائیاں کی گئی ہیں۔ لیکن ان سے بہتر ہے کہ خود مؤلف امام مالک ہی کی زبانی سماعت فرمالیں کہ انہوں نے اس کی وجہ تسمیہ کیا بیان فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"عَرَضْتُ کِتَابِیْ ھٰذا عَلٰی سَبْعِیْنَ فَقِیْھاً مِنْ فُقَھَاءِ الْمَدِیْنَةِ فَکُلُّھُمْ وَاطَانِیْ عَلَیْہِ فَسَمَّیْتُہٗ بِالْمُوَطَّا" میں نے اپنی اس کتاب کو مدینہ منورہ کے ستر فقہاء پر پیش کیا سب نے میری موافقت کی، اس لئے میں نے اس کا نام موطا رکھا۔

لفظ "موطا" توطیہ کا مفعول ہے جس کے معنیٰ صاحب قاموس نے روندنے، کسی چیز پر چلنے، تیار کرنے اور نرم وسہل بنانے کے بیان کئے ہیں۔ تو موطا کے لغوی معنیٰ روندا ہوا، چلا ہوا، تیار کیا ہوا، نرم وسہل بنایا ہوا، کے ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب "مسوّیٰ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ روندے ہوئے اور چلے ہوئے کے مجازی معنیٰ یہ ہیں کہ جس پر عام ائمہ، علما اور اکابر چلے ہوں۔ اور جس کو ان سب کی رایوں نے روندا ہو۔ یعنی سب نے اس کے متعلق گفتگو کی ہو اور اس سے اتفاق

کیا ہو، اس طرح گویا اس کے معنیٰ متفق ومطابق کے ہیں۔ چونکہ تصنیف کے بعد شیوخ حدیث نے اس سے اتفاق کیا و مطابقت کی ہے۔ اس لئے اس کا نام موطا سے مشہور ومعروف ہو گیا۔ (مقدمہ مسوّیٰ: ص ۶)

حضرت ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم اصبہانی کہتے ہیں کہ میں نے ابوحاتم سے دریافت کیا کہ اس کا نام موطا کیوں رکھا گیا؟ تو فرمایا کہ امام مالک نے اس کو مرتب کر کے لوگوں کے لئے سہل اور آسان کر دیا، اس لئے اس کا نام موطا امام ملک رکھا گیا۔

حضرت ابن فہر نے فرمایا کہ امام مالک سے پہلے کسی نے یہ نام نہیں رکھا بلکہ آپ کے ہم عصر مصنفین میں سے بعض نے جامع کے ساتھ، بعض مصنف کے ساتھ اور بعض نے مؤلف کے ساتھ موسوم کیا ہے۔

موطا کا مقام اور مقبولیت

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ساری تصنیفات میں موطا کو جو شہرت اور مقبولیت حاصل ہے اور کسی کو حاصل نہیں۔ موطا کے بارے میں حضرت امام شافعی فرماتے ہیں ''مَاتَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاءِ اَصَحُّ مِنْ مُوَطَّا مَالِكٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ'' روئے زمین پر موطا امام مالک سے صحیح ترین کتاب کوئی نہیں۔ یہ قول اس وقت کا ہے جب کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تصنیف نہیں ہوئی تھی۔ امام صاحب نے تقریباً دس ہزار احادیث کریمہ سے منتخب کر کے موطا کو مرتب کیا ہے۔ اور سال بہ سال اس کی تحقیق و تنقیح کرتے رہے۔ اسی طرح اس میں کمی ہوتی رہی۔ ابتداءً موطا میں چار ہزار یا اس سے زائد حدیثیں تھیں۔ مگر ان کے انتقال کے وقت ایک ہزار سے کچھ زیادہ رہ گئیں۔ بے شمار اہل علم نے موطا کی روایت امام مالک سے کی اور بہت سے رایوں نے بعد میں روایت کی۔ اس وجہ سے اس کے بہت سے نسخے تیار ہو گئے جن میں اختلاف پائے جاتے ہیں۔ بعض نے نسخوں کی روایت کی تعداد بیس اور بعض نے تیس بتائی ہے۔ کئی راویوں نے امام صاحب سے موطا کی روایت کی اور اس میں قدرے حذف اور اضافہ کے ساتھ مستقل ایک شکل دے دی۔ جیسے موطا امام محمد جو دراصل موطا امام مالک ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نور اللہ مرقدہ تو موطا کو تمام کتب سے افضل اور سب کی اصل تسلیم کرتے ہیں اور موطا کی شرح مصفی کے مقدمہ میں وجوہ ترجیح کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

جمہور علمائے کرام نے موطا کو کتب حدیث کے طبقہ اولیٰ میں شمار کیا ہے۔ اور شاہ عبدالعزیز دہلوی اپنے مختصر رسالہ ''ما یجب حفظہ للمناظر'' میں کتب حدیث کو پانچ طبقات میں تقسیم فرمایا ہے اور طبقہ اولیٰ میں صحیحین اور موطا کو شمار کیا ہے۔ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں بھی یہی تحریر فرمایا ہے۔ اور صاحب مفتاح السعادۃ نے کتب حدیث کی ترتیب اس طرح رکھی ہے: بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور لکھا کہ علامہ نووی نے کتب اصول کو پانچ شمار کیا ہے۔ مذکورہ بالا ترتیب پر۔ لیکن جمہور علماء نے اسے چھ شمار کیا ہے۔ ان میں موطا کو بھی شمار کیا ترمذی کے بعد نسائی سے قبل۔ یعنی پانچویں نمبر پر موطا کو رکھا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ موطا مسلم کے بعد تیسرے درجہ میں ہے۔ اور ابن حزم نے تو موطا کو سب سے اخیر میں رکھا ہے۔ لیکن مولانا عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ موطا میں تردید فرمائی ہے۔ اور کہا ہے کہ ہمارے شیخ فرماتے ہیں کہ اختلاف کا مبنیٰ یہ ہے کہ جس نے صحت اسناد کا اعتبار کیا اس نے موطا کو درجہ اولیٰ میں رکھا اور جس نے یہ گمان کیا کہ موطا میں صرف احادیث ہی نہیں فروع مالکیہ وغیرہ بھی ہیں اس نے موطا کو اخیر میں رکھا۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تدریب'' میں ابن حزم کے قول کو تفصیل سے بیان کیا۔ ابن حزم نے یہ بھی لکھا ہے کہ موطا میں ستر ۷۰ر سے زیادہ حدیثیں ایسی ہیں جس پر امام مالک نے خود عمل نہیں کیا۔ اور بعض احادیث موطا میں ایسی بھی ہیں جس کو جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن اس کا جواب ظاہر ہے کہ امام مالک نے اپنی دانست میں مکمل تحقیق وتنقید کے بعد لکھا ہے۔ اس لئے وہ معذور ہیں اور ان پر دوسروں کا کلام حجت نہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس راوی میں وجوہ ضعف بعد میں پیدا ہوئے ہوں اور جن پر عمل نہیں کیا وہ مؤول یا منسوخ ہو۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ اور آپ کے معاصرین حضرات نے موطا کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا ہے کہ امام صاحب نے جب اسے فقہائے مدینہ کے سامنے پیش کیا تو سب نے داد وتحسین سے نوازا اور بعد کے علماء کرام کے نزدیک انتہائی مقبول رہی۔ علامہ نووی شرح مسلم کے مقدمہ میں اپنے استاذ کا حال بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ایک کتاب مجھ کو ایسی ملی جو ان تمام کتابوں (صحیحین اور ترمذی وغیرہ) سے بہتر ہے۔ اگرچہ یہ کتابیں بھی اچھی ہیں۔ اور وہ موطا جس کے مصنف کا نام مالک بن انس ہے جو تمام محدثین کے شیخ الشیوخ ہیں۔

علامہ زرقانی شارح موطا فرماتے ہیں کہ جب امام نے اس کتاب کو تصنیف فرمایا تو دوسرے علما نے اسی طرز سے احادیث کے مجموعے تیار کیئے۔ لوگوں نے امام مالک سے جا کر بیان کیا آپ نے فرمایا کہ صرف اخلاص وحسن نیت کو بقا ہے۔ یہ پیشین گوئی بالکل درست ثابت ہوئی۔ آج ان کی تصنیفات کا سوائے موطا ابن ابی ذئب کے نام ونشان بھی معلوم نہیں ہوتا۔

موطا کی مقبولیت وفضیلت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ موطا کی روایت امام مالک سے تقریباً ایک ہزار لوگوں نے کی ہے۔ جن میں ہر طبقہ کے لوگ ہیں۔ فقہاء، محدثین، صوفیاء وزہاد اور خلفا نے تبرکاً امام مالک سے اس کی سند حاصل کی ہے۔ اس لئے اس کے بہت سے نسخے وجود میں آئے اور وہ تیس طرق سے منقول ہے۔ لیکن سولہ نسخے مشہور ومعروف ہیں ان میں سے چار نسخے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ یحیٰ، ابن بکیر، ابومصعب اور ابن وہب کے نسخے۔ تمام نسخون کی تفصیل مقدمہ اوجز میں ہے۔ اس وقت موطا امام مالک کے نام سے جو مشہور ہے وہ یحیٰ اندلسی کا نسخہ ہے۔ اور جب موطا امام مالک بولتے ہیں تو یہی نسخہ مراد ہوتا ہے۔ اور اسی کی سیوطی، زرقانی، باجی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے شرح بھی کی ہے۔

موطا کے شرح وحواشی

موطا کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کو شارحین، معلقین اور محشین کی ایک بڑی جماعت ہاتھ آئی ہے۔ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معلومات کے مطابق ان کی تعداد ۹۶ ر بتائی ہے۔ ان کے بعد بھی اس میں ہر زمانہ میں اضافہ ہوتا رہا۔ ہم یہاں چند شروحات وتعلیقات کا ذکر کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) **المنتقی**، ابوالولید باجی کی شرح ہے۔ (متوفی ۴۷۴ھ) صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں کہ یہ ابن عبدالبر کی شرح ''**التمھید**'' کا اختصار ہے۔ (۲) **الاسماء** (۳) **الاستیفاء**، یہ دونوں بھی ابوالولید باجی کی ہیں۔ (۴) **کتاب التمھید لما فی الموطا من المعانی والاسانید**، حافظ عبدالبر قرطبی مالکی کی شرح ہے۔ (متوفی ۴۶۳ھ) موطا کے معانی کی تشریح اور اس کے اسانید کی تحقیق نیز اس کے ضمن فقہ وحدیث کی بے شمار معلومات بترتیب رواۃ اور حروف تہجی کے اعتبار سے درج کیا ہے

(۵) القیس فی شرح موطا امام مالک بن انس ،قاضی ابوبکرابن العربی کی ہے۔(متوفی ۵۴۶ھ)(۶) المقتبس فی شرح موطا امام مالک ابومحمد عبداللہ بن بطلیموسی نحوی کی ہے۔ (متوفی ۵۲۱ھ)(۷) کشف المغطا عن الموطا ،حافظ علامہ جلال الدین سیوطی کی شرح ہے(متوفی ۹۱۱)(۸)تنویر الحوالک ،یہ بھی انہی کی لکھی ہوئی ہے جو کشف المغطا عن الموطا کا اختصار ہے۔(۹) تجدیر الحوالک ،یہ بھی انہی کی لکھی ہوئی کتاب ہے جس میں صرف موطا کی حدیثیں جمع کی گئی ہیں۔(۱۰)شرح زرقانی ،محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی کی نفیس شرح ہے (متوفی ۱۱۲۲ھ) یہ شرح تین جلدوں میں ہے۔ اکثر حصہ فتح الباری سے ماخوذ ہے۔ مصنف نے ۱۰۹۷ھ میں شروع کر کے ۱۱/ذی الحجہ ۱۱۱۲ھ میں مکمل کیا ہے۔(۱۱)المصفیٰ ،شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی فارسی زبان میں تعلیق ہے۔اس میں اکثر اختلاف فقہاء کی تفصیل ہے۔(۱۲)المسوّیٰ،شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ہے جو مصفیٰ کا عربی میں اختصار ہے۔(متوفی ۱۱۷۶ھ)(۱۳) الفتح الرحمانی ،ابومحمد ابراہیم بن حسین معروف شیخ بیری زادہ حنفی کی شرح ہے۔(متوفی ۱۲۹۴ھ)انہوں نے اکثر علامہ عینی کی شرح سے استفادہ کیا ہے۔(۱۴) المجلی ،شیخ اسلام اللہ حنفی دہلوی کی نہایت ہی محققانہ شرح ہے۔(متوفی ۱۲۲۹ھ) جو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اولاد میں سے ہیں۔ (۱۵)التعلیق الممجد علی موطاامام محمد ،مولانا عبدالحی لکھنوی کا حاشیہ ہے۔(متوفی ۱۳۰۷ھ) (شمس المسالک تزئین الممالک سیوطی،ص ۵۴/۵۸،اس کے علاوہ کشف الظنون، مدارک وغیرہ سے ماخوذ ہے)

فقہ مالکی کو فروغ دینے والی کتابیں

جن کتابوں سے آپ کے مذہب مالکی کو فروغ ملا وہ مدونہ، واضحہ ،عتبیہ اور موازیہ ہیں۔اس کی قدر تفصیل یوں ہے کہ حضرت عبدالمالک بن حبیب اندلس آئے وہاں انہوں نے''واضحہ'' نام کی کتاب مدون کیا اور مذہب مالکی کو عام کیا۔ پھر محمد بن احمد بن عبدالعزیز عتبی نے عتبیہ مدون کیا۔اسد بن فرات نے اصحاب امام ابوحنیفہ کے بارے میں لکھا اس کے بعد مذہب مالکی کی طرف رخ کیا۔ چنانچہ وہ عبدالرحمٰن بن قاسم کے پاس رہ کر تمام فقہی ابواب کے متعلق لکھ کر قیروان آئے۔ جو کچھ انہوں نے لکھا تھا اسی کا نام اسد بن فرات کی طرف منسوب کرتے ہوئے اسدیہ نام رکھا۔ پھر اسدیہ کو سحنون نے

لکھا تھا اسی کا نام اسد بن فرات کی طرف منسوب کرتے ہوئے اسدیہ نام رکھا۔ پھر اسدیہ کو سحنون نے اسد بن فرات کو پڑھ کر سنایا اور مشرق چلے گئے۔ وہاں انہوں نے ابن قاسم سے ملاقات کی۔ یہاں انہوں نے ان سے اسدیہ کے مسائل کے بارے میں بحث وتکرار کیا اور ان سے سیکھا۔ انہوں نے اس کتاب کے بہت سے مسائل سے رجوع کیا۔ اور اسدیہ کے مسائل لکھ کر مدون کرنا شروع کیا اور جن مسائل سے انہوں نے رجوع کیا تھا اس کو باقی رکھا اور مدونہ نام رکھا۔ اس کے بعد انہوں نے اسد کے نام لکھا کہ وہ کتاب سحنون (مدونہ) کی پیروی کریں۔ اس پر اسد نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ اس لئے لوگ اسدیہ کو ترک کر کے مدونہ کی پیروی میں لگ گئے۔ حالانکہ اس کے اندر بھی بہت سے مسائل میں اختلاط تھا۔ اسی وجہ سے اس کو **مختلطہ** بھی کہا جاتا تھا۔

چنانچہ اہل قیروان نے ''مدونہ'' اور اہل اندلس نے ''واضحہ'' پر پورا دھیان دیا۔ پھر ابن ابی زید نے اسی ''مدونہ یا مختلطہ'' کا اختصار پیش کیا اور اس کا نام ''المختصر'' رکھا۔ پھر اسی کتاب ''المختصر'' کی تلخیص ابوسعید البرادعی جو قیروان کے ایک بڑے فقیہ تھے، نے کی۔ اور اس کا نام ''تہذیب'' رکھا۔ اس کے بعد اہل اندلس نے عتبیہ پر اعتماد کیا اور واضحہ اور دیگر کتابوں کو ترک کر دیا۔ بعد میں انہیں امہات الکتب کی تشریح وتوضیح اور جمع وتالیف، علمائے مالکیہ کرتے رہے۔ ''موازیہ'' یہ حضرات محمد بن ابراہیم بن زیاد اسکندری کی تصنیف ہے جو ابن مواز کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کا انتقال ۲۶۹ھ میں ہوا۔ اسی کتاب کے بارے میں ''مدارک'' میں ''اجل کتاب الفہ المالکیون اصح المسائل وابسطہ کلاما واوعبہ'' یہ مالکیوں کی لکھی کتابوں میں سے سب سے ممتاز، اس کے مسائل صحیح ترین اور اس میں شرح وبسط کے ساتھ مسائل مذکور ہیں۔ جب کہ اس کتاب کو ابوالحسن القابسی نے مذہب مالکی کی تمام امہات الکتب پر ترجیح دی ہے۔

اجتہاد میں فقہ مالکی کی اہمیت

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے سات مخصوص فقہا اور دیگر فقہاے کرام سے ان کی فقہ اور حدیث پڑھی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے پاس ہر چہار جانب سے فتاویٰ آتے۔ آپ نے جو حدیث وفقہ پڑھی تھی اس کے مطابق فتویٰ دیتے۔ اگر ان سے مسائل کا تصفیہ نہیں ہو پاتا تو اس سے ملتی جلتی حدیث اور

فقہ کے مطابق فتویٰ صادر فرماتے۔ اگر یہ بھی نہ ہوتا تب اجتہاد کرتے۔ کتاب، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نص یا اس کے نچوڑ یا اس کے اشارہ یا مفہوم سے احکام کا استخراج کرتے۔ لیکن اس سے پہلے نصوص کے مابین موازنہ کرتے۔ چنانچہ سنت اور کتاب کا موازنہ کرتے ہوئے نص میں تعارض نہ ہونے پر قیاس کا استعمال کر کے حکم صادر فرماتے اور اسی کو صحیح مانتے۔ پھر اگر کوئی ایسی مصلحت ہوتی تو اس مصلحت کے مطابق فتویٰ صادر کرتے جس میں شارع کی طرف سے نہ کوئی نص موجود ہو اور نہ اس کے اختیار میں کوئی حرج ہو۔ کیوں کہ فقہ مالکی میں مصلحت ان اصول میں سے تھے جن پر اس فقہ کا دارومدار تھا۔

امام مالک رضی اللہ عنہ کی آزمائش

تاریخ اسلامی کا یہ ایک سیاہ باب ہے کہ بہت سے صاحبان تخت وتاج نے اپنی امارت کے نشے میں اہل حق علماء وفقہا پر بے جا ظلم وستم کے پہاڑ توڑتے ہیں۔ اسی سیاہ باب کا ایک حصہ .... یہ بھی ہے کہ منصور کے اشارے پر جعفر بن سلیمان نے امام مالک رضی اللہ عنہ کو بلوا کر ستر، ۷۰ / یا سو، ۱۰۰ / کوڑے لگوائے۔ ان کو کھینچا گیا اور دونوں ہاتھوں کو کھنچوا کر مونڈھے سے اتروا دیئے گئے تھے۔ یہاں تک کہ ہاتھ اٹھانا ان کے لئے دشوار تھا۔ ان تمام باتوں سے امام مالک کی عزت دوبالا ہوگئی اور شہرت میں اضافہ ہی ہوا۔ چنانچہ بعض علماء نے تحریر کیا ہے کہ یہ کوڑے کیا تھے امام مالک کے لئے زیور تھے جس سے زینت اور اعزاز میں اضافہ ہوگیا۔

وجہ ابتلاء میں شدت سے اختلاف ہے۔ کوئی طلاق مکرہ کے عدم وقوع کو بیان کرتا ہے۔ کوئی حضرت علی پر حضرت عثمان غنی کی تقدیم کو بیان کرتا ہے۔ کوئی یہ لکھتا ہے کہ والیٔ مدینہ جعفر بن سلیمان سے کسی نے یہ شکایت کر دی تھی کہ امام مالک آپ لوگوں کی بیعت کو صحیح تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ اور بعض مورخین بیان کرتے ہیں کہ امام مالک نے مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کو ترک کر دیا ہے۔ اور جب آپ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

"لَیْسَ کُلُّ النَّاسِ یَقْدِرُ اَنْ یَتَکَلَّمَ بِعُذْرِہٖ" ہر شخص اپنا عذر بیان کی قدرت نہیں رکھتا۔

ابو مصعب سے منقول ہے کہ امام مالک پچیس سال تک مسجد کی جماعت میں شریک نہیں ہوئے۔ دریافت کرنے پر بتایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ کوئی منکر دیکھوں اور اس پر روک ٹوک نہ کر سکوں۔

بعض مورخین یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ آپ کو سزا دینے کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے متعہ کو حرام قرار دیا جبکہ خلفائے بنو عباس اس کو درست مانتے تھے۔ وجہ جو بھی رہی ہو۔ لیکن یہ طئے ہے کہ آپ پر کوڑا برسایا گیا تھا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ جب نفس زکیہ نے مدینہ منورہ میں منصور کے خلاف اعلان جنگ کیا تو امام مالک نے بھی لوگوں سے یہ فرمایا تھا کہ منصور نے جبراً بیعت لی اور اس کی بیعت درست نہیں ہے۔ خلافت نفس زکیہ کا حق ہے۔

سفاح اور منصور کے لرزہ خیز مظالم کی داستان کتب تاریخ میں محفوظ ہے۔اس لئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان کو اور ان کے اعمال کو فاسق سمجھتے تھے۔اور ''فروع مالکیہ'' میں ہے کہ فاسق کے پیچھے نماز باطل ہے اسی وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جماعت میں شرکت نہ کرتے تھے۔

دراوردی کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا جب کوڑے لگائے گئے تو امام مالک نے فرمایا ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ فَاِنَّھُمْ لَایَعْلَمُوْنَ'' اے اللہ! ان کو بخش دے اس لئے کہ وہ نہیں جانتے۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب آپ کوڑوں کی ضرب سے بے ہوش ہو گئے اور گھر پر لائے گئے تو ہوش میں آتے ہی فرمایا تم سب کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنے مارنے والوں کو معاف کر دیا ہے۔ یہ واقعہ (۱۴۶ھ یا ۱۴۷ھ) کا ہے۔اس بعد جب منصور حج کے لئے آیا تو اس نے امام مالک سے کہا آپ چاہیں تو جعفر سے قصاص دلا دوں، امام مالک نے ارشاد فرمایا کہ واللہ جب بھی مجھ پر کوڑا برسایا جاتا تو فوراً جعفر کو معاف کر دیتا تھا اس لئے حضور ﷺ سے اس کو قرابت ہے کہ آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے خاندان سے ہے۔

بعض لوگوں نے کہا کہ جعفر بن سلیمان نے جو کچھ کیا تھا منصور کے اشارے پر کیا تھا اور اس کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے معاف کر دیا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد منصور کو بہت افسوس ہوا تھا۔جیسا کہ تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔اور ہو سکتا ہے کہ امام مالک رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں بھی اس کو ندامت ہوئی ہو اور تسلی کے طور پر قصاص کی بات کی ہو۔ ورنہ ظاہر ہے کہ معافی کے بعد قصاص کا کوئی سوال ہو ہی نہیں سکتا۔

امام مالک رضی اللہ عنہ کی وفات

یحیٰ بن یحیٰ بیان کرتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے وقت آخری ملاقات کے لئے ایک سوتیس فقہا اور محدثین حاضر تھے۔ اور سب اسی انتظار میں کھڑے تھے کہ شاید ایسی حالت میں امام کی نگاہ کرم مجھ پر پڑ جائے اور میری دنیا و آخرت سنور جائے۔ اس حالت میں آنکھیں کھولیں اور یحیٰ بن یحیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ''اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ اَضْحَکَ وَاَبْکیٰ وَاَمَاتَ وَاَحْییٰ ''اس خدائے تبارک وتعالیٰ کے لئے حمد ہے جس نے ہمیں کبھی خوشی دے کر ہنسایا اور کبھی غم دے کر رلایا، ہم اسی کے حکم سے زندہ رہے اور اسی کے حکم پر جان دے رہے ہیں۔ بعدہ فرمایا اب موت سر پر کھڑی ہے اور خداوند قدوس سے ملاقات کا وقت قریب آ گیا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا: ائے امام! اس وقت آپ کا کیا حال ہے؟ ارشاد فرمایا ''الحمدللہ'' میں اولیاء اللہ کی صحبت کی وجہ سے بہت خوش ہوں۔ اور میں اہل علم کو اولیا میں سے سمجھتا ہوں۔ یاد رکھو! حضرات انبیاے کرام علیہم السلام کے بعد اللہ تعالیٰ کو علما سے زیادہ عزیز کوئی مخلوق نہیں ہے۔ علماے کرام انبیاے عظام کے وارث ہیں۔ اور میں بے حد خوش دلک ہوں کیوں کہ میری تمام زندگی تحصیل علم دین اور تعلیم میں گزری ہے۔ سن لو! میں کسی آدمی کو شریعت کا ایک مسئلہ بتا کر اس کے اعمال کی اصلاح کر دینا یا کسی عالم سے ایک مسئلہ پوچھ کر اپنے اعمال و ایمان کی اصلاح کر لینا ایک سو حج نفل، اور ایک سو جہاد سے بہتر سمجھتا ہوں۔ بعدہ آپ کی آواز دھیمی پڑ گئی۔ اور چند منٹ میں آپ کا وصال ہو گیا۔ ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' (اولیاء رجال الحدیث: ص۲۸۲)

آپ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ لیکن علامہ جلال الدین سیوطی اور علامہ زرقانی نے تحریر فرمایا ہے کہ یک شنبہ کو بیمار ہوئے اور تقریباً تین ہفتہ بیمار رہے۔ مرض کی شدت میں کوئی تخفیف نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ بائیسویں دن یکشنبہ، ۱۱/ یا ۱۴/ ربیع الاول ۱۷۹ھ میں یہ نفس قدسی صفات مضیق زمان و مکان سے سعت اعلیٰ علیین و جوار اقدس رب العالمین کی طرف انتقال کر گیا۔ جسد مبارک مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں مدفون ہوا۔

کسی بزرگ نے ایک ہی قطعہ میں ولادت، وفات اور عمر سب کو جمع کر دیا ہے۔

فَخْرُ الْاَئِمَّةِ مَالِکٌ نِعْمَ الْاِمَامُ السَّالِکُ مَوْلُوْدُهٗ نَجْمُ هُدیٰ وَفَاتُهٗ فَازَمَالِکٌ

امام مالک اماموں کے لئے فخر ہیں۔پیروں کے لئے بہترین پیشوا ہیں۔ان کی تاریخ پیدائش ہدایت کا ستارہ ۹۳ھ ہے۔اوران کی تاریخ وفات یہ ہے کہ مالک کا کامیاب ہوئے ۱۷۹ھ اس سے عمر بھی معلوم ہوگئی چھیاسی سال۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے''المدارک'' میں ذکر کیا ہے کہ جس رات امام مالک رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔اسی رات عمر بن سعد انصاری نے خواب دیکھا کہ ایک کہنے والا کہہ رہا تھا۔

لَقَدْ اَصْبَحَ الْاِسْلَامُ زَعْزَعَ رُکْنُهٗ غَدَاةَ ثَویٰ الْهَادِیْ لَدیٰ مُلْحَدِالْقَبْرِ

اسلام کے ستون ہل گئے جس صبح کو رہنما قبر میں آسودہ ہوا۔

اِمَامُ الْهُدیٰ لَازَالَ لِلْعِلْمِ صِیَاناً عَلَیْهِ سَلَامُ اللّٰهِ آخِرَ الدَّهْرِ

وہ ہدایت کا پیشوا اور ہمیشہ علم کا محافظ رہا اس پر تا قیامت خدا کا سلام ہو۔

دوردراز شہروں اور ملکوں کے علماء کو جب امام مالک کی وفات کی خبر پہونچی تو انہوں نے غم واندوہ کا اظہار کیا۔کوفہ میں سفیان بن عیینہ کو جب معلوم ہوا تو ان پر سکوت طاری ہوگیا اور بے ساختہ ارشاد فرمایا''مَاتَرَکَ عَلیٰ رَحْبِ الْاَرْضِ مِثْلَهٗ'' روئے زمین پر امام مالک نے اپنی مثال نہیں چھوڑی۔حماد بن زید نے کہا''رحمۃ اللہ کان من الدین بمکان'' خدائے تعالیٰ رحم فرمائے مذہب میں ان کا بڑا رتبہ تھا۔

امام کا غم ۳۲۲ رسال کے بعد بھی پاک دلوں سے کم نہ ہوا تھا۔آپ کے انتقال پر ابومحمد جعفر بن حمد بن حسین السراج نے ذیل کے اشعار میں مرثیہ کہا:

سَقٰی جَدَثاً ضَمَّ الْبَقِیْعَ لِمَالِکٍ مِنَ الْمُزْنِ مِرْعَادِ السَّحَائِبِ مِبْرَاقِ

(اللہ تعالیٰ) اس قبر کو سیراب کرے جو مالک کو اپنے آغوش میں لے لے۔بجلی اور کڑک کے ساتھ برسنے والے بادل سے۔

اِمَامُ مُؤطَاهُ الَّذِیْ طَبَقَتْ بِهٖ اَقَالِیْمُ فِی الدُّنْیَافَسَاحَ وَاَفَاقَ

وہ امام جس کی موطا ہے جس پر دنیا کے وسیع ملکوں اور گوشوں نے اتفاق عام کیا ہے۔

اَقَامَ بِہٖ شَرْعَ النَّبِیِّ مُحَمَّدٍلَہٗ حَذَرٌ مِنْ اَنْ یَضَامَ وَاَشْفَاق

وہ جس نے اپنی موطا کے ذریعہ نبی کی شریعت کوقائم کیااورجس کاان کوڈرتھا کہ اس شریعت پر ظلم نہ ہو۔

لَہٗ سَنَدٌ عَالٍ صَحِیْحٌ وَھَیْبَۃٌ فَلِکُلٍّ مِنْہُ حِیْنَ یَرْوِیْہِ اِطْرَاقُ

اس کی سند بلند اور صحیح ہے اور ہیبت ناک ہے۔ جب وہ اس کی روایت کرتے ہیں تو سب بغور سنتے ہیں۔

وَلَمْ یَکُنْ اِلَّاابْنُ اِدْرِیْسَ وَحْدَہٗ کَفَاہُ اِلَّا اِنَّ السَّعَادَۃَ اِرْزَاق

اگرامام شافعی کے سوا کوئی اوران کا شاگرد نہ ہوتا تو بھی ان کے لئے فخر کافی تھاہاں خوش بختی بھی روزی ہے۔

خلاصہ کلام

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ جہاں فقیہ ابوالاثر تھے وہیں فقیہ الرائے بھی تھے۔آپ کی فقہ منجمد نہ تھی جیسا کہ ابن خلدون نے اس فقہ پر الزام لگایا ہے۔آپ کی فقہ حالات اور مقتضیات زمانہ پر منطبق تھی۔ جس کی اصل بنیاد کتاب اللہ اور سنت کے ساتھ دیگر اصول فقہ مالکی تھی۔ فقہ مالکی آج بھی حجاز، بصرہ، مصر، بلاد افریقہ، اندلس، صلقیہ، مراکش، اسلم، سوڈان، میں پائی جاتی ہے۔ بغداد میں بھی خوب خوب اس کاظہور ہوا۔لیکن چارسو ہجری تک کچھ کمزور شکل میں رہی۔ نیشاپور میں اس کا فروغ ہوا۔ جہاں پراس فقہ کے ائمہ اور مدرسین پائے گئے۔

حیات

حضرت سیدنا

ابوعبداللہ محمد شافعی بن ادریس

رضی اللہ عنہ

فہرس

امام شافعی رضی اللہ عنہ اہل سنت کے ان چار عظیم وجلیل اماموں میں سے ایک ہیں جن کے علم واجتہاد، فضل وکمال اورزہدوورع پراس امت کا اتفاق ہے، امت اسلامیہ کا ایک بہت بڑا طبقہ آپ کا مقلد ہے اورآپ ہی کی طرف نسبت کرتے ہوئے خودکوشافعی کہتا ہے۔

نام ونسب: آپ کا اسم گرامی محمد ہے، کنیت ابوعبداللہ اورلقب شافعی ہے، والد کا نام ادریس ہے آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے حضرت ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن عبدالمطلب بن عبدمناف الہاشمی القرشی المطلبی ۔ (حلیۃ الاولیاء ج۹ص۱۷۶)

آپ کے سلسلہ نسب میں ایک نام حضرت شافعی ہے جوصغارصحابہ میں سے ہیں، حضرت شافعی ہی کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کوشافعی کہا جاتا ہے حضرت شافع عبدالمطلب جوانی کے ایام میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے، حضرت سائب بن عبید بن ہاشم کے علمبردار تھے، یہ بدر کے دن کفارمکہ کے ساتھ تھے، اورمکہ والوں کی شکست کے بعد دیگرقیدیوں کے ساتھ آپ بھی قیدی بنالئے گئے تھے، آپ نے قیدسے رہائی کیلئے فدیہ اداکیااس کے بعدآپ ایمان کی دولت سے بہرورہوئے۔ (اکمال فی اسمائے الرجال ص۶۲۵)

عبد یزید بن ہاشم کی ماں ہاشم بن عبدمناف کی لڑکی ہیں جورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داداہیں اورشافع کی ماں خلدہ بنت اسد بن ہاشم بن عبدمناف فاطمہ بنت اسد کی بہن ہیں جوامیرالمومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں، ام الحسن بنت حمزہ بن قاسم بن یزید بن حسن بن علی بن ابی طالب اس طرح بھی امام شافعی کی والدہ کا نسب مذکورہے، اس سے ثابت ہواکہ امام شافعی کا نسب عبدمناف میں جاکرحضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے، اس وجہ سے آپ ہاشمی اورقرشی ہیں، اورآپ میں یہ ایک ایساوصف ہے جوباقی تینوں ائمہ مجتہدین سے آپ کوممتازکردیتا ہے۔ (مناقب ائمہ اربعہ فارسی، ص۳۷/۳۸)

ولادت باسعادت: مؤرخین اورسیرت نگاروں نے کہا کہ آپ کے والد بزرگوارنے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرماکرفلسطین کے ایک شہرغزہ کارخ کیا، اورآپ کا یہ سفرطلب معاش کے لئے تھا، آپ کے والدگرامی نے غزہ میں سکونت اختیارکرلی، اسی شہرغزہ میں ۱۵۰ھ میں امام شافعی رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت ہوئی اوریہ بھی کہا گیا کہ آپ کی پیدائش شہرعسقلان میں ہوئی، بعض لوگوں نے یہ بھی

بیان فرمایا ہے کہ آپ کی ولادت شہر یمن میں ہوئی اور اس سن میں ہوئی جس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال فرمایا اور بعض نے یہ بیان کیا ہے آپ کی ولادت باسعادت اس دن ہوئی جس دن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ''دن کا یہ اتفاق بعض روایت میں مذکور ہے، جب کہ مؤرخین کے نزدیک اسی سال میں پیدا ہوتا مسلم ہے۔

محمد بن حکیم فرماتے ہیں'' امام شافعی کی والدہ محترمہ کو جب حمل قرار پایا، تو ان کی والدہ ماجدہ نے خواب دیکھا کہ مشتری ستارہ آپ کے شکم مبارک سے نکلا اور پارہ پارہ ہو گیا، پھر اس کے اجزاء ہر شہر میں بکھر گئے، معبر حضرات نے اس خواب کی تعبیر بیان کی آپ کے بطن پاک سے ایک زبردست عالم پیدا ہوگا جس کا علم دنیا کے کناروں تک پھیل جائے گا۔ (اکمال فی اسمائے الرجال ص ۶۲۵)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ خود بیان فرماتے ہیں کہ بچپن میں میری پوری توجہ دو باتوں کی طرف تھی ایک تو تیراندازی اور دوسری تحصیل علم، تیراندازی میں مجھے اتنی مہارت ہوگئی تھی کہ دس میں دس نشانہ صحیح بیٹھتا تھا اسی زمانے میں گھوڑے کی سواری کا بھی شوق تھا، تیراندازی اور شہ سواری کے موضوع پر ''کتاب السبق الرمی''، لکھی جو اپنے موضوع پر پہلی کتاب تھی۔ (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۲)

امام شافعی فرماتے ہیں کہ مجھے خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے لڑکے تم کون ہو؟ عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کا ایک فرد ہوں، فرمایا میرے قریب آؤ، میں آپ سے قریب ہو گیا اور منہ کھول دیا، آپ نے اپنا لعاب دہن میرے منہ، ہونٹ اور زبان پر مل دیا اور فرمایا جاؤ اللہ تمہیں خیر و برکت سے نوازے۔

امام صاحب اپنے بچپن کا ایک اور خواب بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت وجیہ انسانی صورت میں مکہ کے اندر دیکھا کہ آپ مسجد حرام میں لوگوں کی امامت فرما رہے ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور تعلیم دینے لگے، میں ان سے قریب ہوا، اور عرض گزار ہوا کہ مجھے بھی تعلیم فرمائیے، آپ نے اپنی آستین سے ایک ترازو نکالی اور مجھے دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ تمہارے لئے ہے، امام شافعی کا بیان ہے کہ میں نے ایک معبر سے اس کی تعبیر دریافت کی تو اس نے بتایا کہ علم کے اعتبار سے آپ منصب امامت پر فائز ہوں گے، اور سنت رسول کی پیروی کریں گے، کیونکہ مسجد حرام کا امام دیگر اماموں سے فضل ہوتا ہے اور ترازو سے مراد یہ ہے کہ اشیاء کی

حقیقت تک آپ کی رسائی ہوگی۔(اکمال فی اسمائے الرجال،ص ۶۲۵)

امام شافعی اور تحصیل علم

ابتدائی عمر میں امام شافعی بہت تنگ دست تھے،خود فرماتے ہیں کہ میں یتیم تھا اور میری والدہ کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ وہ میری تعلیم کے لئے معلم کو اجرت دے سکیں،لیکن وہ معلم اس بات پر راضی ہوگئے کہ جب میں کچھ دیر کیلئے باہر چلا جاؤں تو یہ میری درسگاہ میں ان بچوں کو پڑھائے،فرماتے ہیں کہ جب میں نے قرآن کریم ختم کرلیا تو پھر میں اعلی علوم وفنون کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوا،ابتداءً شعروادب،لغت اور تاریخ عرب کی طرف توجہ فرمائی،اس کے بعد تجوید وقرأت اور حدیث وفقہ کی تحصیل شروع فرمائی۔

آپ نے شعرولغت میں وہ کمال حاصل کیا کہ آپ کا شمار ائمہ لغت میں ہونے لگا۔امام اصمعی فرماتے ہیں کہ ”صححت اشعار هذيل على فتى من قريش يقال له محمد بن ادريس،، میں نے ہذیل کے بہت سے اشعار کی صحت ایک قریشی نوجوان سے معلوم کی،اس قریشی جوان کا نام محمد بن ادریس ہے،امام احمد بن حنبل فرمایا کرتے تھے ”كا الشافعى من افصح الناس،، امام شافعی لوگوں میں سب سے زیادہ فصیح اللسان تھے،امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو امام شافعی کی قرأت بہت پسند تھی کیونکہ آپ کی زبان میں بڑی فصاحت تھی۔(حلیۃ الاولیاء،ج ۹ص ۷۳)

آپ علوم دینیہ کی طرف اپنے رجحان کا واقعہ خود اس طرح بیان فرماتے ہیں”ایک دن میں ذوق وشوق سے سید کے اشعار پڑھ رہا تھا کہ ناگاہ نصیحت آمیز غیبی آواز آئی،اشعار میں پڑکر کیوں وقت ضائع کرتے ہو جاؤ جاکر فقہ کا علم حاصل کرو،میرے دل ہر اس آواز کا بڑا اثر ہوا،اور میں نے مکہ میں سفیان بن عینیہ کی درسگاہ میں حاضری دی ان کے بعد حضرت خالد بن زنجی جو حدیث کے امام اور مفتی مکہ تھے،ان کی درسگاہ سے فیض حاصل کیا اور تین سال تک ان سے علم فقہ وحدیث کی تحصیل کرتا رہا۔

امام شافعی کی بارگاہ امام مالک میں حاضری

پھر اسی اثناء میں ہمیں معلوم ہوا کہ امام مالک اسی وقت کے امام المسلمین اور سید العلماء ہیں، فرماتے ہیں کہ دل میں امام مالک سے کسب فیض اور تحصیل حدیث کا جذبہ بیدار ہوا، میں نے ایک آدمی سے مؤطا عاریتاً حاصل کر کے اسے حفظ کر لیا بعدہ والیٔ مکہ کی خدمت میں حاضر ہو کر والیٔ مدینہ اور امام مالک بن انس کے نام شفارشی حفظ حاصل کئے اور مدینہ منورہ پہونچ گیا اور حاکم مدینہ کو خط دیا تو اس نے کہا اے نوجوان! اگر تم مجھ سے مدینہ منورہ سے مکہ تک پیدل ننگے پاؤں چلنے کی تکلیف دو تو یہ مجھ پر آسان ہے بہ نسبت امام مالک کے دروازے تک چلوں، تو میں نے کہا اگر آپ چاہیں تو انہیں خود ہی تشریف لائے کیلئے فرمائیں، والیٔ مدینہ نے کہا یہ تو اور دشوار ہے، بہتر یہی ہے کہ تم ان کی بارگاہ میں حاضر رہو، اور خدمت میں رہو، اس صورت میں ممکن ہے کہ ہمارے لئے بھی ان کا دروازہ کھل سکے۔

حاکم مدینہ امام مالک کی بارگاہ میں حاضری کی غرض سے سوار ہو گیا، امام شافعی بھی ساتھ ہو لئے، پہنچنے پر ایک شخص نے دروازے پر دستک دی ایک سیاہ فام باندی باہر آئی، اس سے امیر مدینہ نے کہا کہ اپنے آقا سے کہا کہ میں ملاقات کی غرض سے دروازے پر آیا ہوں، باندی اندر گئی اور بہت دیر کے بعد آئی اور کہا کہ آقا کا کہنا ہے کہ اگر کوئی مسئلہ ہو تو ایک کاغذ پر لکھ دیجئے تاکہ اس کا جواب دیا جائے اور تمہارے آنے کی کوئی دوسری غرض ہے تو اس کیلئے جمعرات کا دن مقرر ہے لہٰذا تشریف لے جایئے اور اس روز آیئے والی مدینہ نے کہا کہ میں حاکم مکہ کا ایک اہم معاملہ میں خط لے کر آیا ہوں، پھر وہ باندی اندر گئی اور ایک کرسی لے کر حاضر آئی جسے دروازے کے کنارے لگا دیا۔

اس کے بعد امام مالک عظمت وجلال کے ساتھ تشریف لائے، آپ دراز قامت، باوقار اور پر جلال آدمی تھے، اور طیلسان کا لباس زیب تن کئے ہوئے تھے، پھر حاکم مدینہ نے حاکم مکہ کا خط آپ کے حوالے فرمایا، آپ اس کو پڑھتے ہوئے جب اس عبارت پر پہونچے ان محمد بن ادریس رجل ن امره کذا کذا،، یعنی محمد بن ادریس ایک شریف اور لائق لڑکا ہے اور اس کا معاملہ ایسا ایسا ہے یعنی تنگ دست ہے اور آپ سے علوم وفنون حاصل کرنے کا ذوق وشوق ہے، یہ جملہ پڑھ کر خط آپ کے

ہاتھ سے زمین بدوس ہوگیا، اور فرمایا سبحان اللہ! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی قدر اتنی گھٹ گئی ہے کہ اسے حاصل کرنے کیلئے شفارشی خط کی ضرورت پیش آئے؟ امام شافعی خود فرماتے ہیں کہ میں امام مالک کے قریب ہو کر عرض کیا ''اصلحك الله،، اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے، اور آپ کے درجات اور بلند فرمائے ، میں عبدالمطلب کی اولاد سے ہوں میرے حالات یہ ہیں، آپ نے جب میری گفتگو سماعت فرمائی تو کچھ دیر تک میری طرف دیکھتے رہے، امام مالک کو فہم وفراست کا ملکہ حاصل تھا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا اے نوجوان! تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے عرض کیا محمد بن ادریس، فرمایا اے محمد اللہ سے ڈرو اور معاصی سے پرہیز کرو کیونکہ عنقریب تمہاری بڑی شان ہوگی، اللہ تعالیٰ تمہارے قلب میں ایک نور رکھے گا تم اسے معصیت کے ذریعہ بجھا مت دینا، پھر فرمایا کہ کل تم ایسے آدمی کو ساتھ لے کر آنا جو تمہارے لئے مؤطا پڑھ کر سنا سکے، عرض کیا کہ میں اسے زبانی پڑھ سکتا ہوں، دوسرے دن آپ کے پاس حاضر ہو کر مؤطا کی قرأت شروع کر دی، آپ کو میری قرأت بہت پسند آئی، جب میں ان کی اکتاہٹ محسوس کر کے بند کرنا چاہتا تو فرماتے صاحبزادے اور پڑھو یہاں تک کہ میں نے تھوڑے ہی دن میں کتاب مؤطا مکمل کر لی، آپ کی وفات تک میں مدینہ منورہ ہی میں قیام پذیر رہا۔

(اکمال فی اسمائے الرجال، ص ۶۲۵)

امام شافعی کا امام محمد سے شرف تلمذ

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے بغداد جا کر حضرت امام محمد بن حسن شیبانی سے ملاقات کی اور ان کی خدمت عالیہ میں رہ کر ان سے علم فقہ وحدیث کا درس حاصل کرتے رہے، جو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد اور ان کے علم وفقہ کے ناشر وترجمان تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں امام مالک، پھر امام محمد کے استاذ ہونے کو تسلیم کرتا ہوں۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی کی والدہ سے نکاح فرمالیا تھا اور اپنا تمام مال واسباب اور کتابیں امام شافعی کو سپرد کر دی تھیں، امام شافعی خود فرماتے ہیں کہ میں ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر امام محمد کی کتابیں اپنے ساتھ لے کر آیا اور پھر ان کی کتابوں سے خوب علمی استفادہ کرتا رہا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے تھے کہ علم فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد کا ہے۔

(اولیائے رجال الحدیث، ص۲۸۴)

امام شافعی کی ذہانت وفراست

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نہایت ذہین وفطین اورذکی وعقل مند تھے، حضرت ابوعبیدفرماتے ہیں''مارایت احداً اعقل من الشافعی،، میں نے امام شافعی سے بڑھ کرکسی کوعقل مندنہیں دیکھا،اسی طرح یونس بن عبدالاعلیٰ فرماتے ہیں''لوجمعت امۃ لوسعھم عقلہ،، اگرپوری امت بھی ایک طرف جمع ہوجائے توامام شافعی کی عقل سب کووسعت کریگی۔

امام حمیدی فرماتے ہیں کہ'' میں نے مکہ معظّمہ کے تمام اساتذہ کوامام شافعی رضی اللہ عنہ کی فہم وفراست، ذکاوت اورعلم کی تعریف میں رطب اللسان پایا،امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میرے پاس علم حاصل کرنے والوں میں امام شافعی سے زیادہ ذہین اورسمجھ دارکوئی نہیں آیا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی عمرچھ سال تھی اس وقت آپ مکتب جایاکرتے تھے،آپ کی والدہ ماجدہ اولادبنوہاشم سے تھیں اوربڑی عابدہ وزاہدہ تھیں،لوگ اپنی امانتیں ان کے پاس رکھاکرتے تھے،ایک مرتبہ دوشخص آپکی بارگاہ عالیہ میں حاضرہوئے اورایک صندوق بطورامانت ان کے سپردکرکے چلے گئے، چنددنوں کے بعدان میں سے ایک شخص آیااورکہنے لگاوہ صندوق دیجئے جوہم نے تمہارے پاس رکھاتھا، انہوں نے اس کودے دیاپھرچندروزکے بعددوسراشخص آیااورصندوق کامطالبہ کرنے لگاانہوں نے کہاکہ تمہاراساتھی آیاتھاوہ لے گیااس نے کہاکہ ہم نے آپ سے یہ نہ کہاتھاکہ جب تک ہم دونوں نہ آئیں صندوق ہرگزنہ دیناانہوں نے کہاہاں بیشک تم نے کہاتوتھااس نے کہاپھرآپ نے کیوں دے دیا، حضرت امام شافعی کی والدہ ماجدہ حیران وپریشان ہوگئیں اورسوچنے لگیں اب کیاکیاجائے؟ اتنے میں امام شافعی مدرسے سے تشریف لائے،آپ نے والدہ کوپریشان حال دیکھ کرعرض کیا،کیابات ہے کہ آپ کے چہرے پرپریشانی کے آثارنمودارہیں۔انہوں نے ساراواقعہ بیان کیا، امام صاحب نے فرمایافکرکرنے کی کوئی بات نہیں ہے، مدعی کہاں ہے؟ تاکہ میں اس کوجواب دوں مدعی بولامیں حاضرہوں، حضورکیابات ہے، حضرت امام شافعی نے فرمایاکہ تمہاراصندوق موجودہے،اپنے ساتھی کوبلاؤتاکہ صندوق تم دونوں کی موجودگی میں حوالے کیاجائے وہ شخص حیران ہوا

اورلا جواب ہوکر واپس چلا گیا۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بچپن ہی سے بڑے ذہین وفطین اور حاضر جواب تھے اور کمال علم وفضل کے مالک تھے تو پھر بڑے ہوکر کیوں نہ امام المسلمین بنتے۔(تذکرۃ الاولیاء،ص ۲۵۵)

ایک رات ہارون رشید اور اس کی بیوی زبیدہ میں کچھ تنازع واقع ہوگیا اتفاق سے زبیدہ کے منہ سے نکل گیا کہ تو دوزخی ہے، ہارون رشید نے یہ لفظ سن کر کہا کہ اگر میں دوزخی ہوں تو تجھے طلاق۔ اسی وقت دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوگئے، لیکن ہارون رشید کو زبیدہ سے بڑی محبت تھی اس لئے اس کی جدائیگی سے بہت بےچین و بےقرار ہوا، اور جملہ علماء وفضلا کو جمع کر کے اس مسئلے کا حل چاہا، مگر کسی نے اس کا جواب نہ دیا، سب بے متفق ہوکر یہی کہا کہ اس بات کا علم خدائے تعالیٰ ہی کو ہے کہ وہ دوزخی ہے یا جنتی، ایک لڑکا ان علماء کی جماعت سے کھڑا ہوا اور کہنے لگا اگر اجازت ہو تو میں اس مسئلے کا حل پیش کروں، سب لوگ حیران و پریشان رہ گئے، کہ جب اتنے بڑے بڑے علمائے کرام اس مسئلے کو حل کرنے سے قاصر رہے تو یہ لڑکا کیا جواب دے گا، بہرحال ہارون رشید نے اس لڑکے کو اپنے پاس بلایا اور کہا تم ہی جواب دو اس لڑکے نے کہا کہ آپ کو میری ضرورت ہے یا مجھے آپ کی، ہارون رشید نے کہا کہ مجھے آپ کی ضرورت ہے یہ سن کر لڑکے نہ کہا پھر آپ تخت سے نیچے اتریئے اور مجھے تخت پر بیٹھ کر جواب دینے دیجئے، اس لئے کہ علماء کا رتبہ بلند و بالا ہے، ہارون رشید نے کہا بہت اچھا اور تخت سے نیچے اتر آیا اور وہ لڑکا تخت پر بیٹھ کر ہارون رشید کی طرف مخاطب ہوکر کہا پہلے آپ میرے ایک سوال کا جواب دیجئے کہ آپ کبھی کسی گناہ پر قدرت رکھنے کے باوجود محض خوف خدا سے باز رہے؟ ہارون رشید نے کہا ہاں واللہ میں ایک مرتبہ اس پر قادر ہونے کے باوجود صرف خوف خدا سے گناہ میں ملوث ہونے سے محفوظ رہا ہوں یہ سن کر لڑکے نے کہا کہ میں فتوی دیتا ہوں کہ آپ دوزخی نہیں ہیں بلکہ جنتی ہیں اس پر تمام علماء پکار اٹھے کہ آپ نے کس دلیل سے یہ فتوی صادر فرمایا ہے کہ جنتی ہے، لڑکے نے جواب دیا کہ قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کہ تلاوت کرو کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے" واما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوى، فان الجنة هى الماوٰى،، جس شخص نے گناہ کا قصد کیا اور پھر خدا کے خوف سے باز رہا پس اس کی جگہ جنت ہے، سارے علماء یہ سن کر شاباشی دینے لگے، اور کہا کہ جو لڑکپن میں اس قدر فہم وذکاوت کا مالک ہے وہ بڑا ہوکر معلوم نہیں کس درجہ کا عالم ہوگا، یہ لڑکا کون تھا یہ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ تھے۔(تذکرۃ الاولیاء،ص ۲۵۶)

فراست ایک ایسا ملکہ ہے جو ہر شخص میں نمایاں نہیں ہوتا یہ بات کثرت تجربہ اور کمال عمل کے بعد انسان کو حاصل ہوتی ہے اغیار اور صلحائے امت کو اپنے طبقہ کے نیکوکاروں کو پہچان لینے اور جان لینے کی طاقت ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے ''اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله،، مومن کی فراست کے بچو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

یہ خوبی امام شافعی رضی اللہ عنہ میں کامل طور سے پائی جاتی تھی جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل ایک مسجد میں تشریف فرما تھے ایک شخص نماز پڑھنے کے لئے حاضر ہوا، امام احمد بن حنبل نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ یہ شخص لوہار ہے، امام شافعی نے فرمایا نہیں، یہ شخص ترکھان ہے پھر وہ شخص نماز سے فارغ ہوکر جانے لگا تو امام احمد بن حنبل نے دریافت کیا تو اس نے بتایا پہلے میں لوہار کا کام کرتا تھا لیکن اب میں لکڑی کا کام کرنے لگا ہوں۔ (نزہۃ المجالس، ص ۱۱۷، ج۱)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے مزنی سے روایت کی کہ میرا ایک مسجد میں امام شافعی اور ربیع بن سلیمان کے ساتھ اتفاق ہوا، اچانک ایک شخص آیا اور وہ مسجد میں سوئے ہوئے آدمیوں میں کسی کو تلاش کر رہا تھا، امام شافعی نے ربیع بن سلیمان سے فرمایا کہ جاؤ اور اس تلاش کرنے والے سے کہو کیا تمہارا حبشی غلام جس کی آنکھ خراب ہے گم ہوگیا ہے؟ ربیع نے اس شخص سے کہا تو وہ شخص آپ کے ساتھ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا بتائیے میرا غلام کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ جیل خانہ میں ہے، وہ شخص قید خانہ پہونچا اور وہاں واقعی غلام اسے مل گیا۔

مزنی نے امام شافعی سے عرض کیا کہ آپ نے مجھے اور تعجب میں ڈال دیا، فرمائیے کہ آپ نے یہ سب باتیں کیسے جان لیئے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب تلاش کرنے والا مسجد میں آیا تو میں سمجھ گیا کہ وہ کسی بھاگے ہوئے شخص کو تلاش کر رہا ہے پھر یہ مسجد کے اس کونے میں گیا جہاں سیاہ فام غلام سوئے ہوئے تھے میں نے بغور دیکھا کہ وہ شخص آنکھوں پر گہری نظر ڈال رہا تھا جس سے میں نے جان لیا کہ اس کا کوئی آنکھ خراب والا حبشی غلام بھاگا ہے، سائل نے ان باتوں کو سن کر آپ سے دریافت کیا کہ آپ نے یہ کیسے جان لیا کہ وہ جیل خانے میں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میرا تجربہ ہے کہ جب کوئی شخص بھوکا ہوتا ہے تو چوری کرتا ہے اور جب شکم سیر ہوتا ہے تو وہ زنا کرتا ہے اور یہ دونوں چیزیں جیل میں لے جانے کا سبب ہیں اس لئے میں نے جان لیا کہ ان دونوں باتوں میں سے ایک تو ضرور ہے جس کی وجہ

سے جیل جانا پڑا تحقیق کے بعد واقعی یہی نکلا۔
خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی جہاں علوم وفنون کے جامع تھے وہیں آپ کو علم فراست میں بھی کامل ملکہ حاصل تھا جس کی وجہ سے آدمی کو پہچان لیتے تھے کہ اس کا پیشہ کیا ہے اور یہ کس کام کیلئے آیا ہے اس معاملے میں آپ کی ذات منفرد نظر آتی ہے۔ (سیرت امام شافعی، ص ۷۷)

امام شافعی کا علمی فضل وکمال

امام شافعی کا علمی فضل وکمال احاطۂ بیان سے باہر ہے کیونکہ وہ تمام جہاں میں بڑے عالم اور امام مشرق ومغرب ہیں، خدائے تبارک وتعالیٰ نے ان کی ذت میں اس قدر علوم وفنون اور قابل فخر باتیں جمع فرمادی ہیں کہ ان سے پہلے یا ان کے بعد کسی قریشی عالم میں اس قدر علوم وفنون اور خوبیاں جمع نہیں فرمائیں اور تمام دنیا میں ان کا تذکرہ اس قدر رہا کہ ان کے سوا کسی اور کا نہیں ہوا۔
آپ کے علمی فضل وکمال اور خوبیوں کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''لا تسبوا قریشا فان عالمها يملا طباق الارض علماً،، قریش کو برا نہ کہو کیونکہ قریش کا ایک عالم دنیا کو علم سے بھر دیگا (یعنی اپنے علم کے ذریعہ پوری روئے زمین کو علم سے مالا مال کردیگا، اس حدیث کے مطابق چونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ قریشی تھے اور اولاد عبدالمطلب ہیں، عبدمناف میں پیدا ہوئے اس لے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو امام شافعی پر منطبق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ روئے زمین پر کوئی قریشی عالم امام شافعی کے مثل نہیں ہوا۔
شوافع کے علاوہ دوسرے علماء متقدمین نے بھی یہی فرمایا ہے کہ اس حدیث پاک میں امام شافعی کی طرف اشارہ ہے، امام احمد بن حنبل نے امام شافعی کے علم وفضل اور ان کی خدمات کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے ''ما مس احد محبرة ولا قلما الا وللشافعی عنقه منه،، جس شخص نے بھی قلم ودوات کا استعمال کیا ہے، اس کی گردن پر امام شافعی کا احسان ہے۔
اور آپ کی علمی فوقیت اور برتری کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کو ابتدائے صدی سوم کے مجدد ہونے کا شرف حاصل ہے اس لئے کہ آپ (۱۵۰ھ) میں پیدا ہوئے اور (۲۰۴ھ) میں انتقال فرمایا، اسی کے ساتھ ساتھ آپ کا علمی کمال اور خدمت دین سب پر عیاں ہیں اور اس سے

صاف ظاہر ہے کہ آپ منصب مجددیت کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے، نیز حدیث کا یہ مضمون بھی آپ کی ذات بابرکت پر صادق آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''ان اللہ عزوجل یبعث لھٰذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ رجلا یقیم لھا امر دینھا،، اللہ تعالیٰ ہر صدی میں امت کی اصلاح کے لئے ایک ایسی شخصیت (مجدد) کو مبعوث فرماتا ہے جو امت کیلئے دین کے معاملے کو قائم کرے،

آپ کے تذکرے میں یہ بھی مذکور ہے کہ امام ثوری نے فرمایا کہ اگر امام شافعی کی عقل نصف مخلوق کی عقل کے ساتھ وزن کی جائے تو امام صاحب کی عقل ان سب پر بھاری ہوگی۔ اور امام احمد بن حنبل جو امام شافعی کے اجلۂ تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں، فرماتے ہیں کہ مجھے حدیث نبوی میں ناسخ ومنسوخ ، خاص وعام اور مجمل ومفصل میں کوئی تمیز نہیں تھی، مگر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت نے ان میں تمیز کرنے کی صلاحیت بخشی۔

اکمال میں مذکور ہے کہ امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے والد ماجد کی خدمت عالیہ میں عرض گزارہوا کہ امام شافعی کون بزرگ تھے؟ کہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ ان کے حق میں اکثر دعائیں کرتے رہتے ہیں، امام احمد بن حنبل نے جواباً ارشاد فرمایا ''کان الشافعی کالشمس للنہار وکالعا فیہ للناس، فانظر ھل لھٰذین خلف اوعنھما عوض،، امام شافعی ایسے ہی ہیں کہ دن کے لئے سورج اور انسان کیلئے صحت تو دیکھو کہ کیا ان دونوں چیزوں کا کوئی بدل ہے۔

دوسرے صاحبزادے صالح بن احمد کا بیان ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ میرے والد گرامی کی عیادت کے لئے تشریف لائے، والد محترم انہیں دیکھ کر کھڑے ہوگئے، اور حضرت کو اپنی جگہ بیٹھایا اور خود ان کے سامنے بیٹھ گئے، دیر تک دونوں حضرات کی آپس میں گفتگو ہوتی رہی جب امام شافعی نے جانے کا ارادہ فرمایا، تو والد محترم نے رکاب تھام لیا اور کافی دور تک ساتھ ساتھ پیدل چلے، حضرت امام یحییٰ بن معین کو اس بات کا پتہ چلا تو کہنے لگے کہ آپ اتنا بیمار ہونے کے باوجود امام شافعی کے ساتھ پیدل کیوں چلے؟ حضرت امام احمد بن حنبل نے فرمایا، ابوزکریا! اگر ان کی دوسری رکاب آپ نے تھامی ہوتی تو بہت سے فیوض وبرکات حاصل کر لیتے، جو فقہ حاصل کرنے تمنا رکھتا ہو اسے امام

شافعی کے خچر کی دم سونگھنا ہی پڑے گی۔ (اکمال فی اسمائے الرجال، ص ۶۲۵)

امام شافعی کے علمی جلالت کا اعتراف

امام شافعی رضی اللہ عنہ کی علمی جلالت، فہم حدیث اور فضل وکمال کا اعتراف خود ان کے مذہب اور دیگر مذاہب کے علماء نے کیا ہے بطور نمونہ علمائے کرام کے اقوال کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔

ایک مرتبہ حضرت امام احمد بن حنبل، امام اسحاق بن راہویہ اور امام یحییٰ بن معین مکہ مکرمہ حاضر ہوئے اور تینوں حضرات کا قصد ہوا کہ امام عبدالرزاق محدث مکہ کے درس میں حاضری دیں لیکن جب یہ حضرات حرم مکہ میں داخل ہوئے تو ملاحظہ فرمایا کہ ایک نوجوان سند تدریس پر جلوہ افروز ہے اور اس کے اطراف ونواح لوگوں کا ہجوم ہے، اور وہ نوجوان بڑی دلیری سے یہ اعلان کررہا تھا کہ اے عراق والو! اے شام والو! اگر کسی حدیث کے بارے میں کچھ پوچھنا ہو تو مجھ سے دریافت کرلو، حضرت اسحاق فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ نوجوان کون ہے جو بڑی بے باکی اور جرأت مندی سے کہہ رہا ہے، لوگوں نے بتایا کہ یہ محمد بن ادریس شافعی مطلبی ہیں، امام اسحاق نے امام احمد بن حنبل سے کہا چلو اس نوجوان سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کا مطلب معلوم کرلیں۔ مکنوا الطیور فی اوکارھم، امام احمد بن حنبل نے فرمایا، اس حدیث کا معنی تو صاف ظاہر ہے کہ رات کے وقت پرندوں کو ان کے گھونسلوں سے نہ اڑاؤ، لیکن خیر میں تمہارے کہنے سے پوچھ لیتا ہوں، امام احمد بن حنبل نے امام شافعی سے دریافت کیا کہ اس حدیث کا مقصود کیا ہے، آپ نے فوراً جواب دیا کہ زمانے جاہلیت میں لوگوں کا دستور تھا کہ جب رات میں ان کو سفر کرنا ہوتا تو وہ پتھر مار کر گھونسلوں سے پرندوں کو اڑایا کرتے تھے، تو اگر وہ پرندہ دائیں جانب اڑتا تو اچھا شگون لیتے تھے کہ یہ سفر مبارک ہوگا اور اگر بائیں جانب اڑتا تو وہ اس سے برا شگون لیتے تھے یعنی یہ سفر کامیاب نہ ہوگا۔

لیکن جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس فرش گیتی پر جلوہ فگن ہوئے اور آپ نے ان کی یہ نازیبا حرکت ملاحظہ فرمائی تو ارشاد فرمایا کہ اس کی کوئی حقیقت ہی نہیں صرف تم لوگ اللہ رب العزت کی ذات پر بھروسہ رکھو اور پرندوں کا اپنے گھونسلوں میں آرام کرنے دو۔ یہ سن کر امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد بن حنبل

سے کہا اگر ہم نے عراق سے حجاز تک کا سفر محض اس حدیث کی شرح کیلئے کیا ہوتا تو بھی ہمارا سفر کامیاب ہوتا، یہ تینوں حضرات ائمہ کرام نے آپ کی جلالت شان اور فہم حدیث کا اعتراف کیا اور کہا بیشک اس نوجوان کا دعویٰ سچا ہے۔ (سیرت امام شافعی، ص ۸۴)

تاریخ ابن خلکان میں مشہور نجومی نفطویہ نے فرمایا کہ امام شافعی کی مثال علماء میں ایسی ہے جیسے چودھویں رات کا آسمان کے ستاروں میں ہے، خدا کی قسم وہ تمام علوم کا خزانہ ہیں لوگوں کے سرتاج ہیں، تمام فقہاء سے بلند تر ہیں، آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح روایتوں پر عمل کیا ہے۔

حضرت امام حمیدی استاذ امام بخاری جب امام شافعی کی کوئی روایت یا قول بیان کرتے تو یوں فرماتے ''حدثنا الفقهاء الامام الشافعی،، یعنی ہم سے تمام فقہاء کے سردار امام شافعی نے بیان کیا ہے۔ امام ابوثور فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس نے امام شافعی کے دور میں ان جیسا شخص علم وفصاحت، ثبات واستقامت اور معرفت میں دیکھا ہے تو وہ کذاب ہے کیونکہ ان جیسا اس دور میں کوئی بھی نہ تھا۔

امام نسائی فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ہمارے ثقہ اور مشہور علمائے کرام میں ہوتا ہے امام بخاری وامام مسلم نے بھی آپ کی بہت تعریف وتوصیف فرمائی ہے، یہ محدثین شافعی المذہب تھے۔

حضرت عبداللہ انصاری فرماتے ہیں کہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو دوست رکھتا ہوں اگرچہ میں شافعی نہیں ہوں مگر اس وجہ سے کہ میں نے آپ کے جس مقام پر نظر ڈالی تو آپ کو کامل ہی پایا۔

قاضی عیاض نے مدارک میں بیان کیا ہے کہ محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم نے فرمایا کہ مجھ سے میرے والد نے فرمایا ''یا بنی الزم هذا الرجل فمارأیت ابصرمنه باصول الفقه اوقال باصول العلم، قال محمد ولولا الشافعی ماعرفت الذی عرفت،، اے صاحبزادے تم اس شخص کو لازم کرلو اصول فقہ یا اصول علم میں ان سے بڑھ کر بصیرت رکھنے والا میں نے کسی کو نہیں دیکھا اور فرمایا اگر امام شافعی نہ ہوتے تو میں کچھ بھی نہیں جانتا۔

اخرج ابن عساکر عن علی بن المدینی قال علیکم بکتب الشافعی وقال انی لااترک حرفا واحدا الا کتبه فان فیه معرفة،، علی بن مدینی سے روایت ہے انہوں نے فرمایا لوگو! تم امام

شافعی کی کتابوں کو لازم کرلو، میں نے امام شافعی کے ایک حرف کو بھی نہیں چھوڑا سب کو جمع کر رکھا ہے کیونکہ اس میں معرفت الٰہی ہے۔

امام بیہقی نے فرمایا حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات میں اس قدر فضائل ومناقب جمع ہیں کہ کسی دوسرے کی ذات میں جمع نہیں ہوئے۔

پہلی چیز آپ کے نسب ومرتبے کی بزرگی ہے اور یہ کہ آپ رسول اکرم ﷺ کے خاندان نبوت کے چشم وچراغ ہیں، آپ کا مسلک وعقیدہ خواہشات نفس اور بدعتوں سے محفوظ ہے آپ نہایت سخی اور حدیث شریف کی صحت وسقم اور ناسخ ومنسوخ سے بخوبی واقف تھے، کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ کے حافظ تھے۔ اور مخالفین کی جعل سازی کے کاشف تھے، حضرت امام احمد بن حنبل جیسے جلیل القدر اصحاب سلیمان بن داؤد ہاشمی، امام حمیدی، حسین کرابیسی، ابوثور، زعفرانی بویطی، ابوالولذی، حرملہ، ربیع بن سلیمان، حارث بن سریج اور مزنی جیسے بزرگ آپ کے زہد وعلم اور سنت کے اہتمام میں متفق ہیں، آپ کی عظمت شان پر جس قدر علماء متفق ہیں کسی دوسرے کے لئے اس قدر اتفاق نہیں دیکھا گیا۔ (سیرت امام شافعی، ص ۹۷/۹۸)

امام شافعی کی تقوی شعاری

امام شافعی رضی اللہ عنہ زہد وتقوی شعاری میں بے مثل ومثال تھے، آپ عابد وزاہد متقی پرہیزگار اور صاحب ولایت وباکرامت بزرگ تھے، آپ کے زہد وورع کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ رات کے تین حصہ کرتے تھے، پہلے حصے میں تصنیف وتالیف، دوسرے حصے میں نوافل اور تیسرے حصے میں آرام کرتے تھے۔ اور روزانہ بلاناغہ ایک ختم قرآن مجید فرماتے، پوری زندگی میں کبھی کوئی جھوٹ آپ کی زبان پر نہیں آیا۔ اور نہ کبھی قسم کھائی، سخت سے سخت سردیوں میں بھی کبھی غسل جمع نہیں چھوڑا۔ اور سولہ سال تک لگاتار کبھی شکم سیر کھانا تناول نہیں فرمایا فقہاء ومحدثین کے علاوہ اپنے دور کے بہت سے مشائخ صوفیہ کی صحبت اٹھائی۔ (اولیاء رجال الحدیث، ص ۱۷۸)

حضرت ابراہیم بن محمد نے فرمایا ''میں نے امام شافعی رضی اللہ عنہ سے عمدہ کسی شخص کو نماز پڑھتے ہوئے

نہیں دیکھا، آپ کی نماز مسلم بن خالد زنجی کی نماز کے مشابہ تھی، ان کی مسلم جریج کی نماز کے مماثل، ان کی عطاء بن رباح کی نماز کے مانند، ان کی حضرت عبداللہ بن زبیر کی نماز کے مثل اور ان کی حضرت ابوبکر صدیق کی نماز کے مشابہ تھی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نماز کے بارے میں کیا پوچھتے ہو ان کی نماز تو بالکل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مشابہ تھی۔

حضرت ابن عبداللہ بلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم زاہدوں، عابدوں اور علمائے کرام کا اور ان کے زہد وفصاحت اور علم کا تذکرہ کرتے ہوئے بیٹھے تھے کہ اچانک عمر بن نباتہ تشریف لائے اور ہماری گفتگو کے متعلق دریافت کیا تو ہم نے ان کو اپنا موضوع سخن بتایا تو عمر بن نباتہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے محمد بن ادریس شافعی سے بڑھ کر کسی کو بھی پرہیز گار، خوف خدا رکھنے والا، سخی عالم اور بزرگ، کریم وعظیم اور فضل والا نہیں پایا۔

حاکم نے روایت کی ہے کہ امام حسن بن محمد بن زعفرانی نے فرمایا ''ما رأیت مثل الشافعی افضل ولا اکرم ولا اسخیٰ ولا اتقی ولا اعلم منه،، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر افضل، بزرگ، سخی، پرہیز گار اور عالم میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔

حضرت ربیع بن سلیمان فرماتے ہیں ''محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ عنہ رمضان المبارک میں نماز کے اندر ساٹھ قرآن مجید ختم فرماتے تھے۔ (حلیۃ الاولیاج ۹، ص ۱۳۴)

آپ کے بھانجے حضرت ابومحمد اپنی والدہ ماجدہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں کہ ایک رات تیس مرتبہ یا کم وبیش امام صاحب کے پاس سے گزری، تو ان کے کمرے میں چراغ جل رہا تھا، لیٹے ہوئے کچھ غور وفکر فرماتے پھر باندی کو چراغ لانے کا حکم فرماتے وہ چراغ کو سامنے رکھ دیتی کچھ لکھتے، پھر کہتے لے جاؤ، ابومحمد سے دریافت کیا گیا کہ چراغ واپس کیوں کیا کرتے تھے تو انہوں نے بتایا کہ تاریکی میں دل زیادہ روشن ہوتا ہے نیز فرمایا کہ گفتگو میں جان پیدا کرنے کیلئے خاموش اور قوت استنباط حاصل کرنے کیلئے غور وفکر کو کام میں لانا چاہئے، نیز یہ بھی فرمایا جس نے چپکے سے اپنے بھائی کو نصیحت کی اسی نے اخلاص کے ساتھ برتاؤ کیا اور جس نے لوگوں کے سامنے نصیحت کی اس نے اپنے بھائی کو بدنام کیا اور اس کے حق میں خیانت کی۔ (اکمال فی اسمائے الرجال، ص ۶۲۵)

مذکورہ بالا باتوں سے معلوم ہوا کہ آپ انتہائی درجہ کے عابد وزاہد تھے، اللہ تعالیٰ کا نہایت خوف

رکھنے والے اور ہمیشہ اخرت کی فکرر کھنے والے تھے۔

امام شافعی کی سخاوت

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ ابتداء میں تنگدستی سے زندگی بسر کرر ہے تھے مگر تعلیم حاصل کرنے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر قسم کی نعمتوں سے مالامال فرمایا، اکثر خلیفۂ وقت، امراء ووزراء اور اہل ثروت آپ کو تحفہ وتحائف اور نذرانہ وہدایا پیش کرتے رہتے تھے، اور ہر شخص اس کے قبول کرنے میں اصرار کرتا رہتا تھا، ایک مرتبہ ہارون رشید نے آپ کو بطور نذرانہ پچاس ہزار درہم پیش کئے، مکمل دراہم کو آپ نے فقراء ومساکین یتیموں، بیواؤں اور نادر طلبہ وعلمائے کرام میں تقسیم کردیا، اس پر لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ اس قدر کیوں تقسیم فرمارہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ''وفی اموالھم حق للسائل والمحروم،، ان بے بسوں وبیکسوں کے نصیب سے یہ دولت ہاتھ آئی ہے اس لئے میں نے انہی کی نذر کردی، خدائے تعالیٰ نے مجھے ایک ذریعہ بنایا ہے جس کے واسطہ یہ مال ان تک پہونچ گیا اور میں میدان محشر کے حساب سے ڈرتا ہوں کہ ان کے حقوق کا فرض جو مجھ پر ڈالا گیا ہے اس کو میں صحیح طور پر ادا کرر ہا ہوں یا نہیں۔ (سیرت امام شافعی۔ص۷۷)

آپ کی سخاوت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ سے بڑھ کر کسی اور کو سخی نہیں دیکھا، انہی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں عید کی شب میں ان کے ساتھ مسجد سے نکلا اور راستے میں محو گفتگو تھا، یہاں تک کہ ان کا مکان آگیا، ایک غلام حاضر خدمت ہوا اور اس نے آپ کو ایک اشرفی کی تھیلی بطور ہدیہ پیش کی اور عرض گزار ہوا کہ میرے آقا آپ کی خدمت عالیہ میں سلام عرض کیا ہے۔ اور اس تھیلی کو قبول کرنے کی گزارش کی ہے، امام شافعی نے وہ تھیلی قبول فرمائی، تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص آیا اور کہنے لگا حضور میرے گھر بچہ پیدا ہوا ہے اور میرے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے جس سے میں بچے کی دیکھ بھال کرسکوں، امام صاحب بے وہ تھیلی اس آدمی کو دے دی اور خالی ہاتھ مکان کے اندر تشریف لے گئے۔ (اکمال فی اسمائے الرجال، ص۶۲۵)

حضرت حمیدی بیان فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ دس ہزار سکے رومال میں باندھ کر صنعاء سے مکہ مکرمہ تشریف لارہے تھے، آپ نے شہر مکہ سے باہر ہی خیمہ نصب کروایا، لوگ آپ نے

سب رقم ان کے مابین تقسیم کردی اس کے بعد شہر مکہ میں داخل ہوئے۔(ایضاً)

ایک مرتبہ عید کے موقع پر گھر میں کھانے پینے کا کوئی انتظام نہیں تھا، آپ کی اہلیہ نے کہا کہ آپ تو صرف اپنی قوم کے ساتھ صلہ رحمی کرتے رہتے ہیں کل عید کا دن ہے اور گھر میں کوئی سامان نہیں ہے اس لئے کسی سے بطور قرض ہی لیجئے، آپ نے ایک شخص سے ستر دینار قرض لئے، فقراء ومساکین نے آپ کو گھیر لیا، آپ نے ان میں سے پچاس دینار ان لوگوں میں تقسیم کردیئے، بیس دینار لیکر گھر گئے اور ابھی بیوی کو دینے نہ پائے تھے کہ قریشی نے دروازے پر دستک دی آپ فوراً باہر تشریف لائے وہ رو رو کر اپنا حال بیان کرنے لگا تو آپ کو رحم آیا اور آپ نے بچے ہوئے دینار کو سامنے رکھ دیا اور فرمایا جو ضرورت ہو لے لو، اس نے مکمل لے لیا اور بولا ابھی تو مجھے اور ضرورت ہے، آپ اہلیہ محترمہ کے پاس پہونچے اور سارا واقعہ بیان کیا، اس نے کہا یونہی کرتے رہتے ہیں بہرحال رات ہوئی اور خاموشی سے سب لوگ سوگئے۔ صبح جعفر بن یحییٰ نے وزیر ہارون رشید کا ایک قاصد آیا اور بلاکر ساتھ لے گیا، جعفر نے میری خوب تعظیم وتوقیر کی، آپ سے کہا کہ آج رات خواب میں ہاتف غیبی نے مجھے آپ کا واقعہ بتایا ہے لہٰذا میں آپ کے زبانی سننا چاہتا ہوں، فرماتے ہیں کہ میں نے اپنا سارا واقعہ سنایا جعفر نے ایک ہزار دینار بطور نذرانہ پیش کیا اور اس کے قبول کرنے پر مصر ہوا۔ چنانچہ آپ نے وہ دینار قبول فرمایا۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی سخاوت ہے کہ آپ اپنے بھائی کی تکلیف دور کرنے کی خاطر اپنی پرواہ نہیں کرتے تھے اولاً اس ضرورت مند کی ضرورت پوری فرماتے بعدہ اپنا خیال کرتے تھے جیسا کہ مذکورہ بالا واقعات سے معلوم ہوا، اس لئے سخاوت کرنے والا ہمیشہ ائدہ میں رہتا ہے اس کے مال واسباب میں اضافہ کے سوا کمی نہیں آتی ہے۔ (سیرت ائمہ اربعہ، ص ۳۴۷)

امام شافعی کے اقوال زریں

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ زبان وادب کے ماہر تھے، فصاحت وبلاغت میں یکتائے روزگار تھے مختصر کلمات میں وعظ ونصیحت کی بہت باتیں بیان فرمادیتے تھے، آپ کا کلام اس حدیث پاک کا آئینہ دار تھا "خیر الکلام ماقل ودل"، یعنی بہترین کلام وہ ہے جو مختصر ہو اور زیادہ معانی پر دلالت کرے۔ چند اقوال بطور نمونہ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ سرجانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں” قال الشافعی، اجمع المسلمون علی ان من استبا زت لہ سنۃ رسول اللہ ﷺ لم یجد لہ ان یدعھا بقول احد،، امام شافعی فرماتے ہیں کہ سب مسلمانوں کااس پر اجماع ہے کہ حضورﷺ کی حدیث کسی کے قول کی وجہ سے کبھی ترک نہ کی جائے گی۔
(ناطورۃ الحق،ص ۲٦،بحوالہ: سیرت ائمہ اربعہ)

”وکان یقول اذا ثبت عن النبی ﷺ بابی وامی شیء لم یجد لنا ترکہ،، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان جب آپ سے کوئی روایت ثابت ہوجائے تو اس کو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔(میزان الکبری ،ص ۵۰،بحوالہ: سیرت ائمہ اربعہ)

” قال الامام الشافعی، العلم جھل عند اھل الجھل کما ان الجھل جھل عند اھل العلم کفی للعلم فضیلتہ انہ یدعیہ من لیس فیہ وکفی للجھل سوءٌ بان یتبراء من ھو فیہ ویغضب اذانسب الیہ، علم جاہلوں کے نزدیک جہالت ہے اسی طرح جہل علم والوں کے نزدیک جہالت ہے،علم کے لئے اس کی یہی فضیلت کافی ہے کہ بے علم اس کے مدعی ہیں،جہل کے لئے یہی برائی کافی ہے کہ جاہل اپنے جہل کے منکر ہیں،اگران کو جاہل کہہ دیا جائے تو وہ غصہ میں آجاتے ہیں۔

”قال الامام، من اذا ارضیتہ قال فیک مالیس فیک کذلک اذا اغضبتہ قال فیک ما لیـــس فیک،، جو شخص اتحادواتفاق کی صورت میں تمہارے صفات کی ایسی تعریف کرے جوتم میں موجود نہ ہوں،تو وہ شخص دشمنی میں تمہارے وہ عیوب بیان کرے گا جوتم میں نہیں ہیں۔

قال الشافعی، مثل الذی یطلب العلم بلاحجۃ کمثل حاطب اللیل یحمل حزمۃ حطب وفیہ افعی یلدعہ وھو لا یدری،، جو شخص بغیر سمجھے بوجھے علم حاصل کرلیتا ہے تواسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص رات کولکڑیوں کا گٹھا باندھے اوراس میں کوئی سانپ ہوتو وہ اس کوکاٹے اوروہ نہ جانے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اپنے نفس کے لئے سب سے بڑا ظالم وہ شخص ہے کہ جب مرتبہ یا عہدہ پاتا ہے،تو رشتہ داروں کے ساتھ بداخلاقی سے پیش آتا ہے اوردوستوں کے ساتھ اجنبیوں کی طرح سلوک کرتا ہے شریف کے ساتھ ہلکے پن سے پیش آتا ہے اور بزرگوں کے مقابلہ میں تکبر کرتا ہے۔

من اطاع اللہ بالعلم نفعہ سرہ، جوکوئی علم کے ساتھ اللہ کی اطاعت کرے گا،تو علم اس کے باطن کو نفع دیگا۔

قال الامام، من کان فیه ثلاث خصال فقد استکمل الایمان من امر بالمعروف وائتمر ونهی عن المنکر وانتهیحافظ حدود الله،، جس شخص کے اندر تین باتیں ہوگی، یقیناً اس کا ایمان کامل ہوجائے گا (۱) نیکی کا حکم دے اور خود عمل کرے (۲) برائی سے روکے اور خود بھی رکے (۳) اور اللہ تعالیٰ کے حدود کی حفاظت کرے یعنی احکام خداوندی کی پابندی کرے (سیرت امام شافعی، ص ۵۱)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن کی تعلیم سے انسان کا درجہ بلند ہوتا ہے، علم فقہ کے حصول سے عزت ملتی ہے، اور علم حدیث سے قوت دلیل اور لغت کی وضاحت سے قلب کو سکون حاصل ہوتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ تین کام بڑے سخت ہیں، تنگی میں سخاوت، خلوت میں تقوی، اور خوف وہراست کے وقت سچی بات کہنا۔ سخاوت دنیا وآخرت کے عیوب کو چھپانے والی چیز ہے، قلب زبان کی کھیتی ہے اس سے اچھی باتوں کی تخم ریزی کرو، اگر کچھ دانے نہ اگے تو کچھ ضرور اگیں گے، زبان سے جو بات نکلتی ہے وہ پتھر سے زیادہ سخت، سوئی سے زیادہ دھسنے والی، ایلوے (پھل) سے زیادہ کڑوی، چکی کے پاٹ سے زیادہ پھرنے والی اور نوک سے زیادہ تیز ہوتی ہے اس لئے احتیاط سے بات کیا کرو تا کہ شرمندگی نہ اٹھائی پڑے۔

اور فرماتے ہیں کہ جو شخص دولت وثروت کے زور اور خود کے گھمنڈ میں علم حاصل کرتا ہے وہ ناکام رہے گا جس نے خاکساری، تنگ دستی اور احترام علم کے ساتھ علم کو طلب کیا یقیناً وہ کامیاب ہو گیا اور علم دین میں مشغول رہنا نفل نماز سے افضل ہے۔ (سیرت امام شافعی، ص ۷۵)

قال امام الانام، من احب ان یفتح الله علی قلبه نور الحکمة فعلیه بالخلوة قلة الاکل وترک مخالطة السفهاء وبغض العلماء الذین لیس معهم دین ولا ادب،، جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نور حکمت اس کے دل پر کھولے وہ خلوت اختیار کرے، کم کھائے اور احمقوں کی صحبت ترک کردے اور ان علماء سے اجتناب کرے جن کے پاس نہ ادب ہے نہ تہذیب ہے۔

قال الامام الشافعی، اظلم الناس لنفسه من تواضع من لایکرمه ورغب فی مودة من لاینفعه وقبل مدح من لایعرفه، اپنے نفس کے لئے سب سے بڑا ظالم وہ شخص ہے جو تواضع سے پیش آتا ہے اس آدمی کے ساتھ جو اس کی عزت نہیں کرتا اور محبت کرنا چاہتا ہے اس آدمی سے جو اس کے

لئے فائدہ مند نہ ہو اور ہر اس آدمی کی تعریف قبول کر لیتا ہے جس کو یہ نہیں جانتا۔

امام شافعی کے شیوخ واساتذہ

امام شافعی رضی اللہ عنہ کے شیوخ واساتذہ بے شمار ہیں، آپ نے جن مشاہیر شیوخ اور ائمہ دین کی درسگاہ سے علم دین حاصل کیا اور اکتساب فیض کیا، ان میں سے چند ائمہ کرام کے اسمائے گرامی اور ان کے مختصر حالات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ بلند پایہ محدث، ممتاز فقیہ اور امام المدینہ تھے، آپ پر اہل حجاز کو اعتماد و بھروسہ تھا (۹۰ھ) میں پیدا ہوئے اور (۱۷۹ھ) میں وفات پائی، مدینہ منورہ کی قبرستان جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

(۲) حضرت فضیل بن عیاض حنفی رحمۃ اللہ علیہ جو اولیائے کرام اور محدثین عظام میں سے ممتاز تھے، آپ خراسان کے رہنے والے تھے، آپ نے امام اعظم سے فقہ وحدیث اخذ کی کوفہ میں پھر مکہ معظّمہ میں قیام پذیر ہوئے، حضرت اعمش، یحیٰی بن سعید انصاری اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم سے روایت فرمائی ہے، تمام محدثین آپ کی علمی جلالت کے معترف تھے، آپ بڑے عابدوزاہد، متقی و پرہیزگار اور کثیر الحدیث تھے، آپ سے امام شافعی نے روایتیں کی ہیں، آپ نے (۱۸۷ھ) میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔

(۳) حضرت سفیان عیینہ ہیں جو حجۃ الاسلام، حافظ الحدیث، عابدوزاہد اور مکہ مکرمہ میں اپنے وقت کے زبردست عالم تھے، آپ امام اعظم کے شاگردوں میں ہیں، علم حدیث کی تحصیل آپ نے امام اعظم سے کی، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر امام مالک اور امام سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز میں علم حدیث نہ ہوتا، آپ نے ستر حج کئے، سفیان عیینہ خود فرماتے ہیں کہ میں میدان عرفات میں ی دعا کرتا ہوں کہ الٰہی اس مقدس مقام میں میرا یہ آخری حج نہ ہو، جب ستر حج مکمل ہو چکے تو مجھے خدا کے حضور سوال کرنے میں شرم آئی پھر دعا نہ کی، اسی سال (۱۹۸ھ) میں ۹۱ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

(۴) حضرت مسلم بن خالد زنجی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے عمر بن دینار، زید بن اسلم، ہشام بن عروہ اور محمد بن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہم سے احادیث روایت کی ہے، علم فقہ حضرت امام ملک بن عبد العزیز

فقیہ حرم سے حاصل کی۔ جو تین سال شیخ الحرم رہے، امام شافعی نے ابتداء علم فقہ انہیں سے حاصل کی۔ آپ نے (۱۸۰ھ) میں وفات پائی۔

مذکورہ بالا ان مخصوص اساتذہ کرام کے علاوہ آپ کے اور بہت سے شیوخ واساتذہ ہیں بعض کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

حضرت محمد بن علی بن شافع، ابراہیم بن سعد، سعید بن سالم القراح، عبدالوہاب بن عبدالمجید الثقفی، اسماعیل بن علیہ، ابوحمزہ، حاتم بن اسماعیل المدنی، ابراہیم بن محمد ابو یحییٰ، اسماعیل بن جعفر، محمد بن خالد جندی، عمر بن محمد بن علی بن شافع، عطاف بن خالد المخزومی، ہشام بن یوسف صندانی، عبدالعزیز بن ابو سلمہ، الماجسون، یحییٰ بن حان، مروانی بن معاویہ الفزاری، محمد بن اسماعیل بن ابی قدیک، ابن ابی سلمہ، داؤد بن عبدالرحمٰن المکی، عبدالعزیز بن محمد درادری، عبدالرحمٰن بن ابی بکر ملیکی، عبداللہ بن موسل المخزومی، ابراہیم بن عبدالعزیز، یزید بن ابی محذورہ، عبدالمجید بن عبدالعزیز بن ابی داؤد، محمد بن عثمان بن صفوان جمحی، حماد بن زبد المصری، محمد بن حسن شیبانی حنفی، عبداللہ بن نافع المدنی، عبدالکریم بن محمد الجرجانی، مطرف بن مازن، یحییٰ بن ابی حسان تیسنی، محمد بن عمر الواقدی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

(تذکرۃ الحفاظ، ج ا، ص ۳۲۰)

امام شافعی کے تلامذہ اور مختصر تعارف

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کی درسگاہ علم سے فیض حاصل کرنے اور علمی تشنگی بجھانے والوں کی صحیح تعداد متعین کرنا دشوار ہے حضرت ربیع بن سلیمان فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کے دروازے پر سات سو سواریاں دیکھی ہیں، لوگ دور دراز مقام سے حدیث وفقہ کا علم حاصل کرنے آیا کرتے ہیں ان حضرات میں سے چند ممتاز اور مخصوص شاگردوں کے اسماء اور مختصر تعارف قارئین کے حوالے کر رہا ہوں تا کہ یہ اندازہ ہو سکے کہ مشاہیر واکابر آپ سے استفادہ باعث فخر سمجھتے تھے۔

☆ امام احمد بن حنبل کا امام شافعی کے مخصوص شاگردوں میں شمار ہوتا ہے، جنہوں نے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مکمل توجہ علم حدیث کی طرف مبذول رکھی۔ آپ نے ماہ ربیع الاول (۲۴۱ھ) میں وفات پائی، تقریباً پندرہ لاکھ آدمیوں نے نماز جنازہ پڑھی، بغداد میں تدفین عمل میں آئی۔

☆ حرملہ بن یحییٰ مصری یہ امام شافعی کے خاص تلامذہ میں سے تھے، ان سے امام مسلم اور امام بن نے روایتیں کی ہیں، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قلمی مسودات کا ذخیرہ ان کے پاس کافی تھا، آپ کی پیدائش (۱۶۶ھ) میں اور (۲۴۴ھ) میں آپ کا انتقال ہوا۔

☆ حضرت امام حمیدی آپ کا اسم گرامی عبداللہ بن زبیر بن عیسیٰ بن عبداللہ حمیدی ہے، جو حافظ الحدیث اور امام الفقہ تھے، یہ امام شافعی کے بڑے تلامذہ میں شمار کئے جاتے تھے، آپ بڑے مخیّر تھے، امام بخاری، ذیلی، ابوزرعہ، ابوحاتم اور بشیر بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہم سے روایتیں کی ہیں آپ نے (۲۹۱ھ) مکہ معظّمہ کی مقدس سرزمین پر وفات پائی۔

☆ حضرت سلیمان بن داؤد یہ امام شافعی کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں، خود امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی درسگاہ میں دو شخصوں کو بڑا عقل مند پایا، ایک احمد بن حنبل اور دوسرے سلیمان بن داؤد ہیں، ان سے امام بخاری، ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم نے بواسطہ ہارون جمال روایتیں کی ہیں، آپ نے (۱۲۹ھ) میں سرزمین بغداد میں وفات پائی۔

☆ حضرت حسن بن محمد زعفرانی یہ امام شافعی کے خاص تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں، آپ زعفرانیہ کے رہنے والے تھے، اکثر امام شافعی کی درسگاہ میں زعفرانی طلبہ ہی زیر تعلیم تھے حضرت یوسف بن عبداللہ بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں حسن بن زعفرانی سے زیادہ فصیح اللسان اور لغت کا جاننے والا کوئی نہ تھا، یہ پہلے کوفی فقہ پر عمل کرتے تھے، لیکن پھر مستقل طور پر ہر مسلک شافعی کے تابع رہے، اور آپ سے امام بخاری، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ اور ابن خزیمہ رضی اللہ عنہم نے روایتیں کی ہیں، آپ کی وفات (۲۵۹ھ) میں ہوئی۔

حضرت یعقوب بویطی حضرت امام شافعی کے ارشد تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں، آپ بہت بڑے ذاکر اور عابد تھے، ہر وقت آپ کی زبان مبارک ذکر الٰہی سے ہلتی رہتی تھی، قبل انتقال امام شافعی نے آپ کو مسند امامت کی باگ ڈور سپرد فرمائی، آپ سے ربیع بن سلیمان، یحییٰ بن عثمان وغیرہ نے روایتیں کی ہیں، آپ کو مسئلہ خلق قرآن کے تعلق سے بغداد میں گرفتار کیا گیا، اور لوہے کی زنجیروں سے جکڑ دیا گیا تھا، بغداد کے جیل خانے میں ڈال دیا گیا، آپ ہر وقت اللہ کے حضور گریہ وزاری اور دعا کرتے ہوئے۔ (۲۳۱ھ) میں انتقال فرمایا۔

حضرت ربیع بن سلیمان امام شافعی کے محبوب مخصوص تلامذہ میں سے ہیں جوامام الفقہ تھے اور جامع عمرو بن العاص میں مؤذن تھے اور بڑی خوش الحانی سے اذان دیا کرتے تھے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ ربیع نے میری بڑی خدمت کی ہے، آپ ان سے فرماتے کہ اگر علم گھول کر پلانے کی چیز ہوتی تو میں تمہیں ضرور گھول کر پلا دیتا، حضرت ربیع بن سلیمان سے امام شافعی کی کتابوں کی بے حد اشاعت ہوئی، ان سے امام طحاوی اور ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم نے روایتیں کی ہیں، آپ (۱۷۴ھ) میں پیدا ہوئے اور (۲۷۰ھ) میں ۹۶ر سال کی عمر میں انتقال فرمائے۔

حضرت ابوابراہیم اسماعیل بن یحییٰ مزنی یہ امام شافعی کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں ان سے ابن ماجہ خزیمہ، طحاوی، زکریا ساجی اور ابن ابی حاتم نے روایتیں کی ہیں، آپ کا علم بے حد وسیع تھا، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اب کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ اگر یہ شیطان سے مناظرہ کرتے تو بھی غالب رہتے، وہ بڑے زاہد و عابد اور دنیا سے کنارہ کش تھے، اگر ان کی نماز باجماعت کسی وجہ سے قضا ہو جاتی تو اس کے عوض میں پچیس نفل نمازیں پڑھتے تھے، آپ مردوں کو خالصا بوجہ غسل دیتے تھے اور فرماتے تھے یہ اس لئے کرتا ہوں کہ کہیں میرے دل میں سختی نہ پیدا ہو جائے۔

ابواسحاق فرماتے ہیں کہ یہ بڑے زاہد، عالم، مجتہد، مناظر اور مشکل سے مشکل مسئلہ اور علمی مباحث کو سلجھانے والے تھے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ مزنی میرے مذہب کا ''ناصر،، ہے اور اے مزنی! اس مصر کی سرزمین پر تمہارا بلند رتبہ ہوگا۔ ربیع بن سلیمان فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے جن جن کے متعلق جو کچھ فرمایا تھا وہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوا، امام مزنی جب اپنی کتاب ''المختصر،، کے کسی بحث کو لکھ کر فارغ ہوتے تو دو رکعت نماز نفل ادا کرتے، آپ کی تصنیفات بکثرت ہیں ان میں سے چند کے اسماء ملاحظہ فرمائیں۔

جامع الصغیر، جامع الکبیر، المختصر، الترغیب فی العلم، کتاب الوثائق، کتاب العقارب، تاب نهایةالاختصار، المنصور، رسائل المعتبرد.

آپ کی پیدائش (۱۷۵ھ) میں ہوئی اور وفات (۲۶۴ھ) میں ہوئی اور آپ مستجاب الدعوات تھے۔ (اولیاء رجال الحدیث، ص ۱۷۸)

مذکورہ بالا حالات زندگی تلامذہ سے اندازہ لگائیں کہ جب شاگردوں کا یہ عالم ہے کہ ہر قسم کے علوم و

فنون کے جامع ہیں تو استاذ کا عالم کیا ہوگا۔

تصنیفات امام شافعی

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کی زندگی کا اکثر حصہ درس و تدریس، علمی مباحث استنباط مسائل اور فقہ وافتاء کی خدمت میں گزارا، اس کے ساتھ مختلف موضوعات وعنوانات پر گراں قدر تصانیف بھی آپ نے اس امت مرحومہ کو عطا فرمائیں۔

آپ کی تصنیف کردہ کتابوں کی تعداد میں اختلاف ہے، حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی صراحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں، آپ کی تصنیفات ایک سو تیرہ ہیں اور علامہ حموی نے آپ کی کتابوں کی مکمل فہرست میں ایک سو تینتالیس سے زیادہ کتابیں بتائی ہیں، ان کتابوں میں سے چند کے اسماء ملاحظہ فرمائیں۔

احکام القرآن، اختلاف الحدیث، اختلاف مالک والشافعی، اختلاف عداقین، اختلاف محمد بن الحسن، اختلاف علی وعبداللہ بن مسعود، جماع العلم، الکتاب العلل بیان الفرض، صفت الامر والنھی، ابطال الاستحسان، سیر الازاعی، سیر الواقدی، فضائل قریش، مسندامام شافعی، کتاب الام، کتاب الرسالۃ. (سیرت ائمہ اربعہ۔ص ۳۶۹)

امام شافعی رضی اللہ عنہ کی ان مذکورہ کتابوں میں دو بہت ہی مشہور ومعروف ہیں ایک ''کتاب الرسالۃ''، جو فصاحت وبلاغت کا مجموعہ اور بے حد مشکل کتاب ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ امام مزنی کا بیان ہے کہ ''میں نے امام شافعی سے پانچ سو مرتبہ مرتبہ ''کتاب الرسالۃ''، کو پڑھا، ہر مرتبہ ایک جدید لطف آیا اور عجیب عجیب انکشافات ہوئے۔

ایک مرتبہ امام شافعی سے عبدالرحمٰن بن مہدی نے عرض کیا کہ میرے لئے کوئی ایسی کتاب تصنیف فرمادیں جس میں قرآن عظیم کے معانی معتبرہ، احادیث، اجماع اور ناسخ ومنسوخ کا بھی بیان ہو، آپ ان کی طلب پر عین عنفوان شباب میں اپنی مشہور زمانہ کتاب ''الرسالہ''، تصنیف فرمائی، جو بہت سے مقاصد اور متعدد خوبیوں پر مشتمل ہے۔

مسند امام شافعی کی بھی اپنی جگہ بڑی اہمیت ہے، یہ کتاب ان احادیث مرفوعہ کا مجموعہ ہے جنہیں امام

شافعی خود اپنے طلبہ کے سامنے بیان کیا کرتے تھے، امام شافعی کی بعض روایات کو ابوالعباس محمد بن یعقوب رحیم نے ربیع بن سلیمان مزادی سے سماع کر کے ان کو کتاب ''الام،، اور مبسوط کے ضمن میں جمع کر دیا ہے، ابوالعباس رحم نے ان تمام روایات کو ایک جا کر کے اس کا نام مسند امام شافعی رکھا۔ (ماہ نامہ جام نور دہلی کا اجتہاد وتقلید نمبر، ص ۱۴۷)

امام حرملہ نے آپ کی ایک تصنیف کو مرتب کیا جس کا نام ''کتاب السنن،، ہے اور امام مزنی نے ایک کتاب تصنیف مرتب کیا جس کا نام ''مبسوط،، رکھا۔

امام اسحٰق راہویہ سے جب دریافت کیا گیا کہ اس قدر کم سنی میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اتنی بلند پایہ تصنیف کو کیسے مرتب کیا، تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ اس کم عمری خدائے تبارک وتعالیٰ نے ان کو مکمل عقل ودانائی عطا فرمادی تھی۔ (سیرت امام شافعی، ص ۸۷)

امام شافعی کا طریقۂ اجتہاد

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مقرر کردہ اصول وضوابط کی روشنی میں کتاب وسنت سے مسائل کا استنباط واستخراج کیا، آپ کے قواعد اجتہاد آپ کی کتاب ''الرسالہ،، میں درج ہیں جن کو بروئے کار لا کر آپ نے اجتہاد فرمایا، اور ان اصول وقواعد کے مطابق آپ نے اپنے فقہ کے جزئیات مدون فرمائے آپ کے یہ اصول وقواعد عملی تھے، محض نظری نہیں تھے، آپ کے ان اصولوں کے عملی ہونے کا بین ثبوت آپ کی مشہور زمانہ کتاب ''الام،، سے فراہم ہوتا ہے جہاں آپ نے اپنے استخراج کردہ مسائل کے ساتھ ان کے دلائل بھی درج کئے ہیں اور ساتھ ہی آپ نے اپنے قواعد اجتہاد اور اصول استنباط کا بھی ذکر کیا ہے، اور ان کو منطبق کر کے ثابت کیا ہے کہ آپ نے ہر مسئلہ کس طرح مستخرج کیا ہے۔

آپ کے قواعد اجتہاد میں سب سے پہلی اصل یہ ہے کہ آپ اولاً مسئلہ کی دلیل کتاب اللہ میں دیکھتے اور مسئلہ کی بنیاد کتاب اللہ کے ظاہر کو بتاتے اور اس وقت تک نص کے ظاہر میں تاویل سے پرہیز کرتے تھے جب تک نص میں تاویل کے وجوب پر دلیل قائم نہ ہو جائے، کتاب اللہ کے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر کرتے تھے اور اپنے نظریہ کی بنیاد سنت رسول پر رکھتے، یہاں تک کہ آپ ایسی خبر واحد کو اختیار کر لیتے

جس میں کوئی راوی منفرد ہو بشرطے کہ وہ منفرد راوی ثقہ ہو صدق میں معروف اور ضبط میں مشہور ہو، امام شافعی کے نہج استنباط اور طریقۂ اجتہاد کو دیکھنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ رسول اللہ کی سنت کو قرآن فہمی کا بنیادی ماخذ قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ سنت رسول سے بے نیاز ہو کر قرآن کریم کو سمجھنا ایک امر دشوار ہے، یہ سنت رسول ہی ہے جو قرآن کریم کی تشریح وتفسیر کی منزل میں ہے، قرآن پاک میں صرف احکام عامہ اور قواعد کلیہ بیان کئے گئے ہیں، اب یہ حدیث رسول کا کام ہے کہ وہ ان احکام عامہ اور قواعد کلیہ کی تشریح وتفسیر کرے، یہی حدیث ہے جو قرآن کے عام کو خاص کرتی ہے، مطلق کو مقید کرتی ہے اور مجمل کو بیان کرتی ہے۔

اسی لئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عمر عزیز کا ایک بڑا حصہ حدیث نبوی کی حفاظت اور اس کے دفاع میں صرف کیا، اور آپ نے خبر واحد کے حجت ہونے پر دلائل قائم فرمائے، امام شافعی کی اسی خدمت حدیث اور دفاع سنت نے اصحاب حدیث کے درمیان ان کی قدر ومنزلت میں اضافہ کر دیا، یہاں تک کہ آپ کا لقب ہی ''ناصر السنہ،، پڑ گیا، آپ نہ صرف یہ کہ حافظ حدیث تھے بلکہ علل حدیث کی معرفت میں درجہ کمال واجتہاد پر فائز تھے۔

حسن بن محمد زعفرانی نے آپ کی اس خصوصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ''**كان اصحاب الحديث رقودا فايقظهم الشافعي فتيقظوا**،، اصحاب حدیث محو خواب تھے ان کو امام شافعی رضی اللہ عنہ نے پیدا کیا تو وہ جاگے۔

امام نووی شافعی ''**المجموع**،، میں تحریر فرماتے ہیں ''**ومن ذلك شدة اجتهاده فى نصرفة الحديث واتباع السنة وجمعه فى مذهبه بين اطراف الادلة مع الاتقان والتحقيق والغوض التام على المعانى التدقيق حتى لقب حين قدم العراق بناصر الحديث وغلب فى عرف العلماء التقدمين والفقهاء الخراسانيين على متبعى مذهبه لقب اصحاب الحديث فى القديم والحديث**،، (المجموع، ج ۱، ص ۱۰)

امام شافعی کے فضائل ومراتب میں سے آپ کی نصرت حدیث کے سلسلہ میں جد وجہد، آپ کا اتباع سنت اور آپ کا اسے اپنے مذہب میں جمع کرنا دلائل کے ساتھ جو اتقان، تحقیق اور معانی پر غور وفکر پر مبنی ہیں یہاں تک کہ جب آپ عراق میں جلوہ گر ہوئے تو آپ کا لقب ''ناصر الحدیث،، رکھ دیا گیا، علماء

متقدمین اورخراسان کے فقہا کے عرف میں آپ کے مذہب کی اتباع کرنے والے حضرات کواصحاب حدیث کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔

اہل فقہ، اہل اصول، اہل حدیث اوراہل لغت سب کے سب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی امانت وعدالت، زہدوورع، تقوی اورعلوقدرومنزلت پر متفق ہیں، امام شافعی کی حیات میں ہمیں ان کاایک خاص وصف ان کی فن مناظرہ یں مہارت بھی نظرآتا ہے، آپ بہترین مناظر تھے، مگرآپ کامناظرہ کرنانہ اپنے مخالف کوزیرکرنے کیلئے تھااورنہ شہرت وناموری کی خاطر بلکہ آپ ہمیشہ مناظرے میں حق کے طالب ہواکرتے تھے۔اورصرف اسی لئے مناظرے کے میدان میں آتے تھے، تاکہ حق واضح ہوجائے، اس سلسلہ میں آپ کامشہورقول ملاحظہ فرمائیں "ما ناظرت احداً الا ولم ابالی یبین اللہ الحق علی لسانہ او لسانی،، میں نے جب بھی کسی سے مناظرہ کیاتومجھےاس کی پرواہ نہیں رہی کہ اللہ تعالیٰ میری زبان سے یامیرے مخالف کی زبان سے حق ظاہرفرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے امام شافعی کوفن مناظرہ میں بڑی قدرت عطافرمائی تھی، حافظ ابن حجرعسقلانی نے "توامی التاسیس،، میں تحریرفرماتے ہیں" لوان الشافعی ناظر علی ھٰذا العمود الذی من حجارۃ بانہ من خشب لغلب لاقتدارہ علی المناظر،، اگرامام شافعی اس پتھر کے ستون کولکڑی ثابت کرنے کیلئے مناظرہ فرمائیں تووہ اپنی قدرت مناظرہ کی وجہ سے غالب آجائیں گے۔

محمد بن عبدالحکم فرماتے ہیں" کنت اذا رأیت من یناظر الشافعی لرحمہ،، تم کسی کوامام شافعی سے مناظرہ کرتے دیکھتے تواس آدمی پرتم کورحم آجاتا۔

امام شافعی اورامام احمد بن حنبل کے درمیان مناظرہ

بیان کیاجاتاہے کہ تارک صلوٰۃ کے بارے میں حضرت امام شافعی اورامام احمد بن حنبل کے مابین مناظرہ ہوا، امام شافعی نے فرمایا، اے احمد! کیاتم تارک صلوٰۃ کوکافرقراردیتے ہو؟ احمد بن حنبل نے کہاجی ہاں، امام شافعی نے فرمایاپھروہ مسلمان ہوناچاہےتوکیاکرے؟ امام احمد بن حنبل نے فرمایا" لاالہ الااللہ محمدرسول اللہ،، کی گواہی دے، امام شافعی نےفرمایاوہ تو"لا الہ الا اللہ محمدرسول اللہ،، کاہمیشہ قائل ہے۔امام احمد بن حنبل نے کہاتووہ نمازپڑھنے سے مسلمان ہوگا۔

امام شافعی نے فرمایا''صلوٰۃ الکافر لایصح ولا یحکم بالاسلام بھا،، کافر کی نماز تو ہوتی ہی نہیں تو پھر اس کی نماز کے ذریعہ اسلام کا حکم کیسے لگایا جا سکتا ہے؟فانقطع احمد وسکت،، اس کے بعد امام احمد بن حنبل خاموش ہو گئے اوور سکوت اختیار کر لیا۔

امام شافعی کا وصال

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مکہ شریف سے (۱۵۹ھ) میں بغداد تشریف لے گئے اور دو سال وہا ں قیام پذیر رہے پھر مکہ مکرمہ آگئے اور چند روز قیام فرمانے کے بعد(۱۸۹ھ) میں مصر چلے گئے اور وہیں عمر عزیز کا اکثر حصہ گزارا۔(حلیۃ الاولیا، ج۹،ص۶۷)

حضرت ربیع بن سلیمان فرماتے ہیں کہ امام شافعی کے انتقال کے پندرہ روز پیشتر میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا انتقال ہو گیا ہے اور لوگ آپ کا جنازہ مبارک اٹھا رہے ہیں،حضرت ربیع یہ خواب دیکھ کر جاگ پڑے اور صبح ایک معبر سے اس خواب کی تعبیر دریافت کی تو اس نے بتایا کہ اس وقت جو زمانہ کا سب سے بڑا عالم اس کا انتقال ہو جائے گا۔کیونکہ ''وعلم آدم الاسماء کلھا،، کے مطابق علم خاصیت حضرت آدم علیہ السلام کی ہے،چنانچہ چند ہی دن گزرے تھے کہ حضرت امام شافعی کا انتقال ہو گیا۔(تذکرۃ الاولیاء،ص۲۵۹)

حضرت ابو سعید فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کو مندرجہ ذیل اشعار گنگناتے ہوئے سنا۔

انی اری نفسی تشوق الی مصر ومن دونھا ارض المھامۃ والفقر

اپنے نفس کو شہر مصر جانے کا مشتاق پاتا ہوں اور اس کے سوا بنجر اور آب وگیاہ وادی ہے

فواللہ مادری اللخفض والغنی اقاد الیھا ام اقاد الی القبر

پس خدا کی قسم میں نہیں جانتا ہوں کہ میں آسودگی اور تو انگری کی طرف جا رہا ہوں یا قبر کی طرف پہنچایا جا رہا ہوں

حضرت ابو سعید نے فرمایا کہ خدا کی قسم ابھی چند دن نہیں گزرے تھے کہ آپ دونوں مقام کی طرف پہو نچا دئے گئے۔

حضرت امام مزنی سے روایت ہے کہ جب امام شافعی کے وصال کا وقت قریب آیا تو میں ان کے پاس

موجود تھا، میں نے پوچھا کیا حال ہے؟ امام شافعی نے جواب دیا کہ دنیا سے روانگی اور احباب سے جدا ہونے کا وقت ہے، موت کا پیالہ پیش ہونے والا ہے اور نتیجۂ اعمال نکلنے والا ہے بہت جلد اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری ہوگی، کون جانے میری روح کدھر لے جائے گی۔

حضرت محمد بن عمر رازی فرماتے ہیں کہ آپ ماہ رجب کی آخری تاریخ (۲۰۴ھ) شب جمعہ میں بعد نماز عشاء انتقال فرمائے۔اور بروز جمعہ بعد نماز عصر تجہیز و تدفین کی رسم ادا کی گئی، اس وقت آپ کی عمر چون سال کی تھی، حضرت سری بن حکم نے نماز جنازہ پڑھائی، آپ کے قبر مبارک کے سرہانے ایک بڑا کتبہ نصب ہے اس پر مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہوئی ہے۔

”هٰذا قبر محمد بن ادريس الشافعي أمين الله،،

آپ کو جدید قاہرہ کے جنوب میں اور قدیم قاہرہ کے مشرق میں تھوڑے فاصلہ پر ایک جگہ قرافتہ الصغری ہے جو جبل مقطم کے پاس ہے وہیں دفن کیا گیا ہے، آپ کا مزار مقدس آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے اور آپ کے علمی اور روحانی فیوض و برکات کا دریا آج بھی رواں ہے۔(سیرت امام شافعی، ص۵۸)

حالات

حضرت سیدنا

امام احمد بن حنبل

رضی اللہ عنہ

فہرس

جب معتزلوں کی تحریک جوان تھی اوراس کی لپیٹ خلافت عباسیہ کے قصر شاہیں کوجھلسا رہی تھی، مامون، معتصم اورواثق باللہ اعتزال کے مبلغ وداعی بن گئے تھے، منطق وفلسفہ کاعقل وشعور پراس طرح غلبہ ہوا کہ ''العقل هی السلطان ،، کے واشگاف نعرہ سے خلافت کی گلی کوچے گونج اٹھے تھے، ہرجگہ بحث ومباحثہ کابازارگرم ہوگیا تھا، اسلام کی تعلیمات میں محض عقلی گھوڑے دوڑائے جانے لگے تھے، فطرتاً لوگ حدیث وسنت سے دوراور بدعت ومحدثات اورطرح طرح کی خرافات سے قریب ہوگئے تھے، ایسے ماحول میں اللہ تعالیٰ نے محی سنت ،ماحی بدعت حضرت امام امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کو پیدافرمایا جنہوں نے نہایت بیبا کی کے ساتھ اعلان حق فرمایا۔کوڑے کھاتے رہے مگرحق گوئی سے مہربلب نہ ہوئے ،جسم مبارک سے خون رس کر بہتارہا مگر ''القرآن مخلوق ،، کا قول نہ کیا۔

ہزارخوف ہولیکن زبان ہودل کی رفیق ☆ یہی رہاہےازل سےقلندروں کاطریق

ج کی بڑھتی ہوئی بیتابی وبیبا کی سے ☆ تازہ ہرعہدمیں ہےقصۂ فرعون وکلیم

حسب ونسب: آپ کااسم گرامی امام احمد بن حنبل ہے،کنیت ابوعبداللہ اورلقب شیخ الاسلام،امام السنہ ہے، والد ماجدکانام محمد ہے،آپ کا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہےحضرت امام احمد بن حنبل بن ہلال بن اسد بن ادریس بن عبداللہ بن حیان بن عبداللہ بن انس بن عوف بن قاسط بن مازن بن شیبان بن ذہل بن ثعلبہ بن عکابۃ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل بن قاسط بن ہنب بن اقصی بن دعمی بن جدیلہ بن ادس بن اربیعہ بن نزار بن معم بن عدنان بن اُدّ بن اُدَدِ بن الہمیسع بن حمل بن النبت بن قیداد بن اسماعیل بن ابراہیم خلیل اللہ علیہما السلام ۔(حلیۃ الاولیاءج۹ص۱۶۲)

آپ خالص عربی النسل تھے، خاندانی تعلق قبیلۂ بنی شیبان سے تھاجونبی کریم ﷺ کے جدامجد نزار بن معد بن عدنان سے جاملتاہے،نزار کے دوصاحبزادے تھےایک مضراوردوسرے ربیعہ، مضرکی نسل پاک سے حضوراکرم ﷺ ہیں اورربیعہ کی نسل سے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ایں سعادت بزور بازونیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ خاندان ہمیشہ سےاپنی شجاعت ودلیری اوسرغیرت وحمیت کےسلسلہ میں مشہورومعروف تھا،آپ

کے دادا ''حنبل،، امویوں کے عہد خلافت میں ''سرخس،، کے گورنر اور والد ماجد ''محمد،، ایک بہادر سپاہی تھے، جن کا تیس سال کی عمر میں انتقال ہوگیا، جب کہ اس وقت امام احمد بن حنبل صرف تین سال کے تھے، پرورش کا سارا بوجھ والدہ مالدہ کے سر رہا، دنیوی شان و شوکت کے ساتھ علمی اعتبار سے بھی یہ خاندان ممتاز آتا تھا اور اس میں متعدد علما، فضلاء، مقررین، شعراء اور ماہرین انساب گزرے ہیں۔

(تاریخ بن عساکر، ج ۲/ص ۲۸/۲۹)

ولادت باسعادت: حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (۱۶۴ھ) میں پیدا ہوئے ایک روایت کے مطابق ربیع الاول کا مہینہ تھا اور ایک روایت میں ربیع الآخر کا مہینہ بتایا جاتا ہے، امام صاحب شکم مادر ہی میں تھے کہ ان کی والدہ ماجدہ ''مروَ،، سے ''بغداد،، تشریف لے آئیں اور یہیں امام احمد بن حنبل کی ولادت ہوئی، اور ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ آپ ''مروَ،، میں پیدا ہوئے اور شیر خواری کے ایام ہی میں بغداد چلے آئے۔ (وفیات الاعیان، ج ۱/ص ۶۴)

تعلیم و تربیت: حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم کا سلسلہ بچپن ہی سے شروع ہوگیا تھا، چار سال کی عمر میں قرآن مجید مکمل حفظ کرلیا تھا اور حسب ضرورت لغت کے مسائل سیکھنے کے بعد تحریر و کتابت کی طرف التفات فرمایا، چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں ''میں ابھی بالکل بچہ ہی تھا کہ حفظ قرآن سے فراغت ہوگئی اور چودہ سال کی عمر میں تحریر و کتابت کی مشق و تحصیل میں مشغول ہوگیا۔

حضرت امام احمد بن حنبل کی نجابت و شرافت، دیانت و ثقاہت اور سعادت و مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے ہم نشینوں کے لئے موجب تقلید اور اپنے آباء و اجداد کے لئے باعث رشک بن گئے تھے، یہ لوگ اپنے بچوں کے لئے آپ کو بطور نمونہ پیش کرتے تھے، اور کہا کرتے تھے ''میں نے اپنے بچوں پر اتنا خرچ کیا، اسے اتنے استاذوں کے حوالے کیا کہ اسے ادب و تمیز سکھائیں، لیکن کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوا اور امام احمد بن حنبل کو دیکھو یہ یتیم لڑکا اپنے ادب اور حسن تعامل کے باعث کیسے پسندیدہ اور قابل رشک خصائص کا حامل بن گیا۔

شعور بلوغ کی منزل میں داخل ہوئے تو آپ نے امام اعظم کے شاگرد رشید قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ کی درسگاہ کا رخ کیا، اور سولہ سال کی عمر میں طلب حدیث کی طرف متوجہ ہوگئے، پانچ مرتبہ آپ نے حج بیت اللہ شرف حاصل کیا، اور حجازی علماء محدثین سے خوب خوب استفادہ کیا، علاوہ ازیں آپ نے کئی بار بصرہ

کا سفر کیا اور وہاں کے علمائے کرام سے استفادہ کیا، اس کے علاوہ شام، یمن اور کوفہ وغیرہ کا بھی سفر کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ خود اپنی تعلیمی سلسلۂ اسفار کے بارے میں تفصیلی خاکہ پیش فرماتے ہیں کہ میں نے (۱۷۹ھ) میں علی بن ہاشم بن یزید سے حدیث رسول سماعت کی، یہ میرے تعلیم حدیث کا ابتدائی سال تھا، اور اسی سال ہشیم بن بشیر سے پہلے سماع کیا، اسی سال عبداللہ بن مبارک آخری بار بغداد آئے ہوئے تھے میں نے ان کی مجلس درس کا رخ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ طرطوس چلے گئے، ان کا انتقال (۱۸۱ھ) میں ہوا، اس وقت میری عمر سولہ سال کی تھی اور ہشیم بن بشیر کی درسگاہ میں (۱۸۲ھ) تک زیر تعلیم رہا، اور اسی سال ان کا وصال ہوا، میں نے ان سے ''کتاب الحج،، لکھی جو ایک ہزار احادیث پر مشتمل تھی، نیز ''کتاب القضا،، بعض تفاسیر اور مختصر کتابیں لکھیں، اسی سال تقریباً تین ہزار احادیث جمع کیں اور ہشیم مجھ کو کتاب الجنائز املاء کرا رہے تھے کہ اسی درمیان حماد بن زید کے انتقال کی خبر پہونچی، ہشیم کے قبل انتقال میں نے عبدالمومن بن عبداللہ بن خالد عیسیٰ سے احادیث سماعت کی اور (۱۸۲ھ) میں ''رے،، کے عالم ابو مجاہد علی بن کابلی سے حدیث روایت کی، اسی سال ملک ''رے،، کا سفر کیا، (۱۸۶ھ) میں بصرہ کا پہلا سفر کیا، اور (۱۸۷ھ) میں مکہ مکرمہ سفیان عیینہ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا، ہمارے مکہ پہونچنے سے قبل فضیل بن عیاض کا وصال ہو چکا تھا، اسی سال میں نے پہلا حج کیا، ابراہیم بن سعد سے بھی حدیثیں لکھیں اور ان کی اقتداء میں کئی بار نماز ادا کی، (۱۸۶ھ) کے آخر عشرہ میں ''عبادان،، گیا، اسی سال معمر بن سلیمان کے یہاں گیا، (۱۹۸ھ) میں عبدالرزاق کے پاس تھا کہ وہیں سفیان بن عیینہ، عبدالرحمٰن بن مہدی اور یحی بن سعید قطان کے وصال کی خبر ملی، (۱۹۴ھ) میں بصرہ جا کر سلیمان بن حرب ابوالنعمان عازم اور ابو عمر حوضی سے حدیث سماعت کی، اگر میرے پاس پچاس درہم ہوتے تو میں جریر بن عبدالمجید کے پاس ''رے،، جاتا، حالانکہ میرے بعض ساتھی گئے، مگر میں نہیں جا سکا، کوفہ گیا تو ایسے مکان میں قیام پذیر ہوا جس میں اینٹ کا تکیہ تھا، وہاں مجھے بخار آ گیا تو والدہ ماجدہ کے پاس واپس چلا آیا، کوفہ کا یہ سفر والدہ ماجدہ کی اجازت کے بغیر ہوا تھا، پانچ مرتبہ بصرہ گیا پہلی مرتبہ ماہ رجب (۱۸۶ھ) میں گیا، اور معتمر بن سلیمان سے حدیث سماعت کی، دوسری مرتبہ (۱۹۰ھ) میں گیا، تیسری مرتبہ (۱۹۴ھ) میں گیا، اس وقت غندر کا وصال ہو

چکا تھا، تو یحیی بن سعید کے پاس چھ ماہ قیام کیا، ان کے پاس سے ''واسط،، میں یزید بن ہارون کی خدمت میں پہونچا جب ان کو (یحیی) معلوم ہوا کہ یزید بن ہارون کے پاس گیا ہوں تو کہا کہ ''واسط،، میں یزید بن ہارون کے یہاں کیا کریں گے، جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل علم میں یزید بن ہارون ے بڑھے ہوئے ہیں۔ (تاریخ بغداد، ج ا رص ۴۱۶)

امام احمد بن حنبل کے شیوخ واساتذہ

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ایک زمانہ مختلف بلاد اسلامیہ کا سفر کرکے محدثین زمانہ اورفقہائے وقت سے استفادہ کرتے رہے، اس لئے آپ کے شیوخ واساتذہ کی فہرست بہت لمبی ہے، علامہ ابن جوزی نے آپ کے اساتذہ وشیوخ کی فہرست ترتیب ابجدی کے اعتبار سے تیار کی ہے جوسو سے زیادہ ہیں، جن میں ظاہر ہے کہ آپ کے وہ سبھی شیوخ واساتذہ شامل ہیں جن سے آپ نے یا تو علم فقہ میں استفادہ کیا ہے یا کوئی حدیث حاصل کی ہے، یا کسی حدیث کی روایت کی ہے، ان میں سے چند استاذہ وشیوخ کے اسمائے گرامی یہ ہیں!

اسماعیل بن علیہ، ہشیم بن بشیر، حماد بن خالد خیاط، منصور بن سلمہ خزاعی، مظفر بن مدرک، عثمان بن عمر بن فارس، ابوالنصر ہاشم بن قاسم، ابوسعید، مولی بن ہاشم، محمد بن یزید واسطی، یزید بن ہارون، واسطی، محمد بن ابوعدی، محمد بن جعفر غندر، یحیی بن سعید قطان، عبدالرحمٰن بن مہدی، بشیر بن مفصل، محمد بن ابوبکر برسانی، ابوداؤد طیاسی، روح بن عبادہ، وکیع بن جراح، ابومعاویہ بن ضریر عبداللہ بن نمیر، ابواسامہ، سفیان بن عیینہ، م یحیی بن سلیم طائفی، ابراہیم بن سعید زہری، عبدالرزاق بن ہمام صنعانی، ابوقترہ موسیٰ بن طارق، ولید بن مسلم، ابومسہر دمشقی، ابوالیمان علی بن عیاش، بشیر بن شعیب بن ابوحمزہ ، امام ابویوسف۔ (تاریخ بغداد، ج ۴ رص ۴۱۲ ر ۴۱۳)

امام احمد بن حنبل کی امام شافعی سے ملاقات

امام احمد بن حنبل کے استاذہ میں سب سے زیادہ ممتاز اور باکمال شخصیت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے آپ نے ان سے علم فقہ کے علاوہ حدیث اور انساب کا بھی علم حاصل کیا ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب تک بغداد میں قیام پذیر رہے ہے، اس وقت تک آپ ان کے درس سے وابستہ رہے۔

ابن خدکان نے تحریر فرمایا ہے کہ امام احمد بن حنبل امام شافعی کے خاص تلامذہ میں سے تھے، وہ ان کے ساتھ برابر رہے، یہاں تک کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مصر چلے گئے اور امام احمد بن حنبل کے تعلق سے امام شافعی نے فرمایا کہ میں بغداد سے اس حال میں نکلا کہ احمد بن حنبل سے زیادہ متقی اور ان سے بڑا فقیہ نہیں چھوڑا۔ (وفیات الاعیان ج ۱ ص ۶۴)

امام احمد کی مجلس درس اور تلامذہ

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے علمی استفادہ کے بعد فیض رسانی کا دور شروع ہوا، آپ (۲۰۴ھ) چالیس سال کی عمر میں مسند تدریس وافتا پر جلوہ افروز ہوئے، اور للّٰہیت، خلوص نیت اور عزم واحتیاط کے ساتھ علوم دینیہ کے فروغ میں لگ گئے، تلامذہ کے ساتھ شفقت ومحبت سے پیش آتے، جو علما سلف کا طرۂ امتیاز رہا ہے، اس لئے شائقین علم حضرت امام کی بارگاہ میں کشاں کشاں آتے رہے اور علمی تشنگی بجھاتے رہے۔

آپ کی بارگاہ بڑی باوقار، سنجیدہ اور شائستہ ہوتی تھی، لوگ ہمہ تن گوش رہتے اوسر مذاق ومزاح کا کوئی کلمہ زبان سے لانے سے پرہیز کرتے، حضرت عبیدہ فرماتے ہیں کہ میں امام ابویوسف، امام احمد بن حسن شیبانی، یحیی بن سعید قطان اور عبدالرحمٰن بن مہدی جیسے باکمال محدثین وفقہا کے درس میں شریک رہا، لیکن امام احمد کی طرح مجھ پر کسی کی ہیبت ودہشت طاری نہیں ہوئی، ان کی مجلس درس نہایت باوقار اور پرجلال ہوتی تھی، درس میں حاضرین اور شرکاء کا جم غفیر ہوتا تھا، علما سیر کا بیان ہے کہ ان کے حلقۂ درس میں شریک ہونے والوں کی تعداد پانچ ہزار نفوس کے قریب تھی ان میں سے پانچ سو کے قریب وہ حضرات تھے جو لکھ بھی لیا کرتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۲۷)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی درسگاہ علم سے فیض یافتہ تلامذہ کی تعداد بکثرت پائی جاتی ہے جن میں عالم اسلام کے طلبہ داخل ہیں، اکابر شیوخ واساتذہ نے بھی آپ سے روایت کی، جن کی ایک مختصر فہرست قارئین کے پیش خدمت ہے۔

حضرت محمد بن ادریس شافعی، وکیع بن جراح، عبدالرحمٰن بن مہدی، عبدالرزاق صنعانی، اسماعیل بن علیہ، علی بن مدینی، معروف کرخی، یہ حضرات آپ کے اکابر اساتذہ میں شامل ہیں، اس کے باوجود بھی

انہوں نے آپ سے روایت کی، مزید برآں دیگر تلامذہ میں سے چند کے اسمائے گرامی پیش خدمت ہے ملاحظہ فرمائیں۔

صالح اور عبداللہ یہ دونوں حضرات آپ کے صاحبزادے ہیں اور چچازاد بھائی حنبل بن اسحاق کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے، حسن بن صباح بزار، محمد بن اسحاق صاغانی، عباس بن محمد دوری، محمد بن عبیدہ منادی، محمد بن اسماعیل بخاری، مسلم بن حجاج نیشاپوری، ابوزرعہ لازی، ابوحاتم زاری، ابوداؤد سختیانی، ابوبکر الاثرم، ابوبکر سروری، یعقوب بن شیبہ، احمد بن ابی خثیمہ، ابوزرعہ دمشقی، ابراہیم حربی، موسیٰ بن ہارون، عبداللہ بن محمد بغوی، یحیی بن آدم قریشی، یزید بن ہارون، قتیبہ بن سعید، داؤ محمد بن رافع، محمد بن یحی بن ابی سمنیہ، حرب کرمانی، بقی بن مخلد، شاہین بن سمیدع، جیش بن سندی، ابوبکر سندی، خواتیمی، ابوالقاسم بغوی۔ (مناقب امام احمد ص ۹۰)

امام احمد بن حنبل کا زہد وتقویٰ

اما احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ ایک جامع کمالات گوناگوں خوبیوں کے حامل، درویش صفت، متقی و پرہزگار، صالح اور نیک طبیعت کے مالک تھے اور دنیا سے بے تعلقی اور بیزاری امام صاحب کا شعار تھا، خورد ونوش اور معاملات زندگی میں سادگی اور کفالت شعاری ہمیشہ مدنظر رکھتے، امراء اور حکام سے نہ نظریں ملاتے اور نہ ان کے تحفہ وتحائف قبول فرماتے۔

حضرت محمد بن موسیٰ فرماتے ہیں کہ حسن بن عبدالعزیز کے پاس ایک لاکھ دینار میراث میں پہونچے، انہوں نے ایک ایک ہزار کی تین تھیلیاں امام احمد بن حنبل کی خدمت میں پیش کیے اور درخواست کی کہ انہیں قبول فرما کر اپنے اہل وعیال پر خرچ کیجئے گا، کیونکہ یہ حلال میراث سے پیش کر رہا ہوں، امام احمد بن حنبل نے وہ دینار قبول نہیں فرمایا اور یہ کہکر واپس کر دیا مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے، میرے پاس بقدر ضرورت خدا کا عطا کیا ہوا مال موجود ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بغداد سے روانہ ہوا تو میں نے اپنے پیچھے کسی کو احمد بن حنبل سے بڑھ کر متقی و پرہیزگار، زہد وورع والا، فقیہ اور عالم نہیں چھوڑا۔ (اکمال فی اسمائے الرجال، ص ۶۲۶)

امام بیہقی نے مزنی سے انہوں نے امام شافعی سے روایت کی ہے، امام شافعی نے ہارون رشید سے کہا کہ

یمن میں ایک قاضی کی ضرورت ہے، ہارون رشید نے کہا کسی کو چن کر یمن کا قاضی بنا دیں تو امام شافعی نے امام احمد بن حنبل کا انتخاب کیا جو کہ من جملہ آپ کے تلامذہ میں سے تھے، اور کہا کہ کیا آپ یمن کی قضاۃ قبول کریں گے؟ تو آپ نے اس عہدے کو سرے سے انکار کر دیا اور امام شافعی سے عرض کیا کہ میں آپ کے پاس محض علم کی بنیاد پر آتا ہوں، اور مجھے آپ یمن کا قاضی بنانا چاہتے ہیں، اگر علم کا معاملہ نہ ہوتا تو میں آج کے بعد سے بات نہ کرتا، یہ ہے امام احمد بن حنبل کی دنیا سے بیزاری، اللہ والوں کو کسی دنیوی ہدہ کی لالچ وحرص نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی وہ کسی دنیوی عہدے کے محتاج ہوتے ہیں اگر وہ چاہتے تو دنیا ان کے قدموں میں ہوتی، لیکن اس سے کوسوں دور بھاگتے ہیں اور یہی تو اللہ والوں کی پہچان ہے۔

آپ کے زہد وتقویٰ کا یہ عالم تھا کہ اپنے چچا اسحاق بن حنبل اور اپنے بیٹوں کی اقتداء میں نماز اس لئے نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہی ان سے باتیں کرتے تھے کہ متوکل باللہ کے انعامات کو قبول کر لیتے تھے، بلکہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ تین روز تک بھوکے تھے، کھانے کا کوئی انتظام نہیں ہوا، تو آپ اپنے کسی دوست کے یہاں سے بطور قرض آٹا لیا، اتفاق سے آپ کے اہل خانہ کو اس بات کی اطلاع ہوگئی، تو ان لوگوں نے جلدی سے آٹا گوندھا اور روٹی تیار کر کے آپ کی خدمت میں حاضر کر دیا، آپ نے فرمایا اتنی جلدی؟ تو لوگوں نے جواباً کہا کہ صالح کے گھر میں تنور جل رہا تھا، ہم نے وہاں سے روٹی پکا لائی ہے، اس پر آپ نے فرمایا اسے فوراً اٹھا لو، اور آپ کھانے سے باز رہے۔ امام بیہقی کہتے ہیں کہ صالح نے چونکہ بادشاہ وقت متوکل باللہ کا انعام قبول کر لیا تھا اس لئے ان کے تعلق سے آپ نے یہ موقف اختیار کیا۔ اور انہیں سے منقول ہے کہ خلیفہ متوکل انواع واقسام کے ماکولات ومشروبات سے سجا دستر خوان بھیجا کرتا تھا مگر آپ اس میں سے کچھ بھی تناول نہیں فرماتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ، ج ۱۰ ص ۴۲۰/۴۲۳)

اسی سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ سماعت فرمائیں۔ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اصفہان کے قاضی تھے، وہ دنوں میں روزہ رکھا کرتے اور رات میں نفل پڑھا کرتے تھے، ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل کے خادم نے آپ کے صاحبزادے کے گھر سے خمیر لے کر خمیر میں روٹی پکائی، اور آپ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے دریافت کہ اس روٹی میں کیا ملایا ہے جو ایسی پھولی ہے

ہے خادم نے عرض کیا آقا آپ کے صاحبزادے کے باورچی خانے سے میں نے خمیر لے کر آٹے میں ملا دیا ہے، آپ نے فرمایا وہ تو اصفہان کا قاضی ہے یہ روٹی اب میرے کھانے کے قابل نہیں اب میں اس کو کیا کروں گا، پھر فرمایا، جب کوئی سائل آئے تو اس کے دے دینا اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دینا کہ اس میں خمیر تو صالح کے گھر کا ملا ہوا ہے اور آٹا احمد بن حنبل کا ہے، اگر تمہارا جی چاہے تو لے لو۔
(تذکرۃ الاولیاء ص ۲۶۳)

اللہ کے نیک بندے بڑے متقی و پرہیزگار ہوتے ہیں کہ ذرہ برابر شک وشبہ پر بھی احتیاط فرماتے ہیں، پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہم جان بوجھ کر جائز چیزوں کے استعمال کرنے میں کوئی دریغ نہیں کرتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل کی محدثانہ عظمت

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ایک بلند پایہ جلیل القدر محدث ہیں حضرت ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ آپ کو تقریباً سات لاکھ حدیثیں حفظ تھیں اور ایک روایت کے مطابق دس لاکھ حدیثوں کا ذخیرہ آپ کے قلب مبارک میں محفوظ تھا، آپ کے علم حدیث پر ائمہ محدثین کو اعتماد تھا، چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے متعلق سے سخن گو ہیں ''اگر آپ کے پاس کوئی صحیح حدیث پہونچ جائے تو مجھے بھی اس سے اطلاع کر دیا کرنا خواہ وہ کسی حجازی سے پہنچی ہو یا کسی شامی یا عراقی یا یمنی سے۔

حضرت قاضی ابوالحسین محمد بن یعلی بغدادی ارشاد فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل متفقہ طور پر بغیر چون وچرا امام فی الحدیث ہیں۔ (طبقات حنابلہ، ج ۱ ص ۱۰)

امام احمد بن حنبل کی محدثانہ عظمت کا سب سے بڑا شاہکار آپ کی مسند ہے، جس کا نظری اور عملی جائزہ لینے سے قبل بہتر و مناسب ہوگا، کہ تدوین حدیث کا ایک مختصر تاریخی خاکہ پیش کر دوں تا کہ اندازہ ہو جائے کہ آپ نے علم حدیث پر کیسی گراں قدر خدمات انجام دیں ہیں۔

اولاً صحابہ کرام کا اس معاملے میں اختلاف رہا کہ حدیثیں جمع کی جائیں یا نہیں، لیکن پہلی صدی ہجری کے اختتام پر ارباب عقل وتدبر کو اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس ہونے لگی کہ منبع حدیث کا سرچشمہ ختم ہو جائے گا اور صحابہ اس روئے زمین سے ایک بعد دیگر رخصت ہو جائیں گے، اس لئے

اس سلسلے میں اولاً قدم کوحرکت دینے والے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے حضرت ابوبکر بن محمد بن عمر بن حزم کو پیغام ارسال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جمع کرو! مجھے خوف ہے کہ علماء وصال کر جائیں گے اور علم حدیث کا نام ونشان ختم ہوجائے گا، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے پوری سلطنت اسلامیہ کے اہل علم کو پیغام لکھ کر بھجوادیا کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں تلاش کریں اور جمع کریں۔ (ضحیٰ الاسلام۔ج ۲،ص ۲۰۶)

یہ (۹۹ھ) کی بات ہے جب ذخیرۂ احادیث صفحہ قرطاس پر نہیں تھا بلکہ صحابۂ کرام کے سینوں میں تھا یہ پہلا موقع تھا کہ جب خلیفۃ المومنین نے تدوین حدیث کا حکم صادر فرمایا، مگر اختتام کو نہ پہونچا کہ آپ کا درمیان میں ہی انتقال ہوگیا۔ اور یہ تمنا آپ کی حیات طیبہ میں پوری نہ ہوسکی۔ مگر جب دور عباسی کا آغاز ہوا اور اسی کے ساتھ علوم وفنون کی تدوین میں بھی قابل قدر اضافہ ہوا۔ تو سب سے پہلے جس علم کی تدوین ہوئی وہ علم حدیث تھا، چنانچہ بہت سے علمائے حدیث نے تدوین حدیث کا کام انجام دیا، لیکن کتابی شکل وصورت میں ہم تک صرف مؤطا امام مالک پہونچ سکی۔ جسے محدث مدینہ نے فقہی ابواب کے طرز پر مرتب کیا، اس کتاب سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ احادیث کے جمع کرنے کا اولین مقصد خدمت فقہ تھا۔ (ایضا، ج ۲،ص ۲۰۷)

تدوین حدیث کا یہ پہلا مرحلہ تھا جس میں ابواب فقہ کا اعتبار کیا گیا تھا، لیکن دوسری صدی ہجری کے اختتام پر اکثر ائمہ احادیث کا رجحان اس بات کی طرف ہوا کہ احادیث نبوی کو اقوال صحابہ سے جدا کردیا جائے اور احادیث رسول کو مستقل طور پر جمع کیا جائے، یہ کام (۲۰۰ھ) کے دور میں ہوا۔ چنانچہ عبیداللہ بن موسیٰ عبسی الکوفی، مسدد بن مسرہر مصری،، اسد بن موسیٰ اموی اور نعیم بن حماد خزاعی نے ایک ایک مسند کی ترتیب دی پھر ائمہ احادیث نے انہیں کی تقلید کی۔ چنانچہ بہت کم ہی حافظ حدیث ہوں گے جنہوں نے مسانید کی ترتیب نہ دی ہو۔ (ضحیٰ الاسلام ج ۲،ص ۲۰۸)

یہ تدوین حدیث کا دوسرا دور تھا، جس میں تدوین حدیث مسانید کے اعتبار سے مرتب ہوئی، عام طور سے اس میں ابواب فقہ کی رعایت نہیں کی جاتی تھی بلکہ یہ کتابیں راوی کے اعتبار سے مرتب ہوتی تھیں، چنانچہ ایک جگہ ایک صحابی کی روایت حدیث ذکر کرنے کے بعد دوسرے صحابی کی روایت شدہ احادیث ذکر کی جاتی تھیں، ترتیب میں صحابی کے مرتبہ ومقام کا خیال رکھا جاتا تھا۔

اسی دوسری مرحلے کی جمع شدہ مسانید میں حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کی مسند ہے جو ثقہ راویوں سے روایت کردہ حدیثوں کا ایک قیمتی ذخیرہ ہے جو حضرت امام کا علم حدیث پر گراں قدر علمی کارنامہ ہے جس کی جمع وتدوین کے لئے آپ نے روئے زمین کا چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ چھان مارا، اس کی تحصیل میں آپ نے دور دور مملکت اسلامیہ کے سفر کی صعوبتیں برداشت کیں، آپ کا یہ بیش بہا علمی سرمایہ آپ کی پوری حیات طیبہ کا علمی نچوڑ ہے۔

اس مسند کے علاوہ حدیث کے موضوع پر آپ کی اور بھی تصنیفات ہیں جن کو ہم انشاء اللہ آگے ذکر کریں گے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی جتنی بھی تصنیفات ہیں، خواہ وہ کسی موضوع پر ہوں سب کو مجموعہ احادیث تصور کیا جاسکتا ہے، کیونکہ آپنے اپنی ہر تحریر وتقریر میں اپنا مطمح نظر حدیث وخبر ہی کو بنایا ہے، اس لئے آپ کی ہر تحریر سے آپ کی محدثانہ عظمت بالکل عیاں ہے، آپ کی علمی شخصیت میں یہ اتنا بھرا ہوا پہلو تھا کہ بعض لوگوں نے آپ کے فقہی پہلو کو نظر انداز کرکے آپ کو صرف محدثین کے زمرے میں شمار کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل کی شان فقاہت اور مقام اجتہاد

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ پر احادیث وآثار کا ایسا غلبہ تھا کہ بعض حضرات آپ کو فقہا میں شمار نہیں کرتے بلکہ صرف محدثین کے زمرے میں شمار کرتے ہیں جیسا کہ ابن جریر طبری نے آپ کا مذہب من جملہ فقہی مذاہب میں شمار نہیں کرایا بلکہ وہ فرماتے ہیں" انما ھو رجلُ حدیثٍ لا رجال فقہ،، وہ صاحب حدیث تھے صاحب فقہ نہیں تھے، اسی طرح مقدسی نے بھی آپ کا فقہا میں نہ شمار کرکے محدثین کی فہرست میں رکھا، اسی طرح ابن قیتنہ نے اپنی کتاب "المعارف،، اور ابن عبدالبر نے اپنی کتاب "الانتقاء،، میں جہاں ائمہ ثلاثہ (ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی) کا تذکرہ کیا ہے امام احمد بن حنبل کو نہیں شمار کیا ہے۔ (ضحیٰ الاسلام ج ۲، ص ۲۳۵)

مگر حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل جہاں ایک بلند پایہ محدث تھے، وہیں ایک جلیل القدر صاحب مذہب فقیہ اور عظیم الشان مجتہد بھی تھے، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں" امام احمد بن حنبل دس چیزوں میں امام الوقت تھے، حدیث وفقہ، لغت وقرآن، فقر وزہد، تقویٰ وپرہیز گاری

اورسنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ۔(طبقات حنابلہ ج ۲،ص ۱۰)

حضرت ابوعبید قاسم بن سلام فرماتے ہیں ”علم چار شخصیتوں پرختم ہوجاتا ہے، (۱) احمد بن حنبل (۲) علی بن مدینی (۳) یحییٰ بن معین (۴) بکربن شیبہ، مگراحمد بن حنبل ان میں سب سے بڑے فقیہ تھے، بلکہ بعض لوگوں نے یہاں تک کہا کہ امام احمد بن حنبل سفیان ثوری سے زیادہ اعلم وافقہ ہیں، جیسا کہ ابوثور بغدادی نے کہا” احمد بن حنبل اعلم من الثوری وافقه،، (طبقات خنابلہ،ج ۱،ص ۱۵)

حضرت عبدالوہاب وراق حضرت احمد بن حنبل کے پایۂ علم اور فقہی منزلت کے بارے میں یوں فرما تے ہیں” ما رأيت مثل احمد بن حنبل، فقالوا وحدثنا واخبرنا،، میں نے احمد بن حنبل کے مثل کسی شخص کونہیں دیکھا،لوگوں نے پوچھا وہ کون سی چیز ہے جس کی بناء پران کے فضل کا کوں اعتراف کرتے ہو، جواب دیا کہ وہ ایسے شخص تھے کہ جن سے ساٹھ ہزارمسائل پوچھے گئے اوران کے جواب ”حدثنا،،اور”اخبرنا،، سے دیا،یعنی حدیث وخبر کی روشنی میں دیا۔(ابن حنبل، محمد ابوزہرہ،ص ۱۹۹)

مگرآپ کی شان فقاہت اورمقام اجتہاد کا تفصیلی جائزہ لینے سے قبل بہتر ہوگا کہ اسلام میں فقہ واجتہاد کا سرسری جائزہ پیش کردیا جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات طیبہ سے وصال فرمانے کے بعدامت مسلمہ کوقرآن اورآپ کے اقوال وافعال ملے جنہیں صحابہ کرام نے دیکھااوراس پرعمل کیا۔مگر جوں جوں اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا گیااورنت نئے مسائل پیش آئے ،صحابہ کرام نےقرآن وحدیث کی روشنی میں اجتہاد سے کام لیا، یہ فطری ضرورت تھی اس سے احتراز غیرممکن تھا، یہ اجتہاد کا پہلا دورتھا۔

ابن قیم نے اپنی کتاب ” اعلام الموقعین،، میں تحریر کیا ہے ”كان اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يجتهدون فی النوازل ويقيسون بعض الاحكام على بعض ويعتبرون النظير بنظير،، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نئے پیش آنے والے مسائل میں اجتہاد کرتے تھے،اور بعض احکام کوبعض پرقیاس کرتے تھے،ایک نظیر سے دوسری نظیرقائم کرتے تھے۔

احمدامین صحابہ کرام کی شان اجتہاد کے بارے میں فرماتے ہیں” وظهر بعد زلک مصدرٌ اٰخر وهو ان كبار الصحابة وعلمائهم كانت تعرض عليهم بعض الاحداث ممن لم يعرفوا فيها نصا من كتاب وال حديث فيجتهد برايہٖ، ويقول فيها قولاً وكان هذا القول فيها بعد يُعد

مستنداً من مستندات التشریع لانہ صدر عن صحابی کبیر عاشر النبی زھنا طویلا وعرف مناحی الشریعۃ ومجراھا،، زمانہ رسالت کے بعد قرآن وحدیث کے علاوہ شریعت کا ایک دوسرا ماخذ معرض وجود میں آیا اور یہ تھا کہ صحابہ کرام میں سے بڑے علماء کے سامنے نئے مسائل پیش کئے جاتے تو جس میں کوئی نص نہیں ملتی تو صحابہ کرام اپنی رائے سے اجتہاد فرماتے، جو بعد میں شریعت کے ماخذ میں سے ایک ماخذ شمار کیا جاتا، کیونکہ یہ حکم کسی ایسے بڑے صحابی سے صادر ہوا ہوتا جس نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ عرصہ دراز گزار ہو اور شریعت کے مصدر و ماخذ کو قاعدے سے پہچانا ہو۔ (ضحیٰ الاسلام، ج۲،ص۱۵۷)

جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تعلق سے مروی ہے کہ آپ سے ایک بار اس عورت کے بارے میں مسئلہ پوچھا گیا جس کا شوہر مر گیا ہو، اور اس کا مہر متعین نہ ہو تو آپ نے جواب دینے سے انکار کر دیا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو اس مسئلہ میں فیصلہ کرتے ہوئے نہیں پایا، مگر جب لوگوں نے اصرار کیا تو آپ نے اپنی اجتہادی رائے سے فتویٰ دیا کہ ایسی عورت کا مہر بلا کسی کمی اور زیادتی کے مہر مثل ہے، اسے عدت بھی گزارنی ہوگی اور وہ ترکہ کا حقدار بھی ہوگی۔

اس پر حضرت معقل بن یسار کھڑے ہوئے اور شہادت دیتے ہوئے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسی عورت کے بارے میں اسی طرح فیصلہ صادر فرماتے ہوئے سنا ہے یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اتنا خوش ہوئے کہ اتنی خوشی انہیں اسلام لانے کے بعد نہیں ہوئی۔

پھر صحابہ کے بعد تابعین کرام کا دور آیا جس میں پہلے سے کہیں زیادہ پیچیدہ اور نت نئے مسائل پیش آئے، اس لئے جہاں تابعین کرام کے لئے قرآن وحدیث کے علاوہ صحابہ کے فتاوی قابل نمونہ عمل بنے وہیں اجتہاد سے بھی چھٹکارا نہ مل سکا بلکہ زمانے کی نزاکت کے پیش نظر اجتہاد کا دروازہ وسیع ہو گیا۔

پھر تابعین کے بعد تبع تابعین کا دور آیا، جس میں نت نئے مسائل اور بڑھ گئے، کیونکہ اسلام میں نئی نئی قوموں کے دخول اور نئے نئے امور کے اندراج نے علماء کرام کو اجتہاد پر مجبور کر دیا۔ پھر اجتہاد و تقلید کا یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ اسلام میں چار مستقل مذاہب رونما ہوئے جن میں ہر کوئی امام کسی نہ کسی کا جزوی طور پر ہی صحیح مقلد رہا ہے، مثلاً فقہا عراق حضرت عبداللہ بن مسعود کے مقلد رہے، جیسا کہ امام اعظم کی فقہ سے عیاں ہے، اور اسی طرح فقہا مدینہ حضرت عبداللہ بن عباس کے مقلد رہے

جیسا کہ امام مالک کی فقہ کے اوراق شاہد ہیں۔

غرض یہ کہ ائمہ اربعہ کے اجتہادات بدعت نہیں بلکہ سنت صحابہ اور نزاکت زمانہ کی فطری ضرورت کے عکاس تھے، اسن اماموں کی تقلید کوئی نئی چیز نہیں تھی بلکہ صحابلہ کرام نبی کریم ﷺ کے براہ راست مقلد تھے، پھر تابعین نے صحابہ کے اجتہادی فتوؤں میں ان کی تقلید کی، اسی طرح تبع تابعین نے تابعین کرام کی اقتداء کی، یہاں تک کہ ائمہ اربعہ کے مستقل مذاہب معرض وجود میں آئے، مگر خیر القرون قرنی ثم الذی یلیہ، کے تناظر میں دائرہ اجتہاد سمٹتا گیا، اور تقلید کے دروازے ہر کسی کیلئے کھلتے گئے تاکہ نظام اسلام درہم برہم نہ ہو۔

امام احمد بن حنبل کے اصول اجتہاد واستنباط

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ چار مشہور ائمہ اسلام میں سے چوتھے امام کی حیثیت سے مشہور ومعروف ہیں، اور اصول اجتہاد واستنباط میں اعلیٰ قابلیت کے حامل تھے، آپ کے اجتہادی مسائل پر چوتھی صدی ہجری سے اب تک مسلمانوں کی ایک جماعت عمل پیرا ہے جو حنبلی کہلاتی ہے۔

ابن قیم نے آپ کے اجتہاد واستنباط کے تعلق سے فقہی پانچ اصول بیان کیا ہے۔ اول: نصوص قطعیہ، نص کی موجودگی میں کسی کے قول کو قبول نہیں کرتے۔ ثانی: صحابہ کرام کے فتاوی۔ جب صحابہ کا قول مل جاتا ہے اور اس کے مقابل کسی دوسرے کا قول نہیں ہے تو اسی پر عمل کرتے، اور دوسرے عمل، رائے اور قیاس کو ترک کردیتے۔ ثالث: جب صحابہ کرام کے اقوال مختلف ہوتے، تو ان میں سے جو قول کتاب وسنت سے زیادہ قریب ہوتا تھا تو اسے قبول کرتے اور اگر مختلف اقوال میں ترجیحی پہلو نظر نہیں آتا تو اختلاف بیان کردیتے اور کسی قول کو ترجیح نہیں دیتے۔ رابع: جب تینوں مذکورہ اصول میں کوئی صراحت نہیں ملتی تو حدیث مرسل، حدیث ضعیف کو لیتے اور قیاس کو چھوڑ دیتے۔ خامس: جب کسی مسئلہ میں نص، قول صحابی اور مرسل وضعیف حدیث نہیں تو ایسی صورت میں قیاس پر عمل کرتے تھے۔

لیکن ہم یہاں قیاس کا تذکرہ کرتے ہیں تاکہ آپ کی شان اجتہاد کا پہلو واضح ہوجائے اور ان لوگوں کی تردید بھی ہوجائے جو یہ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل قیاس سے کام نہیں لیتے ہیں بلکہ صرف آپ حدیث واخبار پر اعتماد کرتے ہیں گویا قیاس دین میں کوئی بدعت ہے جو امام کی سلفیت کے خلاف ہے

کے خلاف ہے جب کہ قیاس زمانۂ صحابہ ہی سے اسلام کے اہم اصول استنباط میں شمار کیا گیا ہے۔
روی خلال عن احمد بن حنبل سالت الشافعی عن القیاس فقال ''انما یصار الیه عند الضرورة او هٰذا معناه،، خلال نے امام احمد سے روایت کی انہوں نے حضرت امام شافعی سے قیاس کے تعلق سے دریافت یا تو آپ نے فرمایا ''ضرورت کے وقت اس سے کام لیا جاتا ہے (ابن حنبل ص۲۷۳)
جیسا کہ ماقبل میں گزرا کہ ابن قیم نے امام صاحب کے اصول استنباط میں قیاس کا ذکر کیا ہے، بلکہ یہی حنابلہ موقف بھی ہے کہ امام صاحب سخت ضرورت کے پیش نظر قیاس کی طرف رجوع کرتے تھے لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ آپ قیاس سے بالکل بے نیاز تھے اگر ایسا ہوتا تو حنابلہ کی کتابوں میں قیاس کے انبار نہ ملتے۔
ابوزہرہ فقہ حنبلی میں قیاس کے وجود کے تعلق سے تحریر فرماتے ہیں ''امام احمد بن حنبل کے قیاس سے کام لینے کی وجہ سے فقہ حنبلی میں قیاس کو خاص مقام حاصل ہے، بلکہ حنبلی فقہا امام صاحب سے زیادہ قیاس سے کام لینے کے عادی رہے ہیں۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس بات پر انہیں زمانہ کی ضروریات نے مجبور کر دیا لوگوں کے حادثات اور مسائل جیسے جیسے گونا گوں شکل اختیار کرتے گئے فقہائے حنابلہ اس پر مجبور ہوتے گئے، کہ فتاوی صحابہ اور امور منصوص پر قیاس کریں، اور فتوی دیں۔ وہ مجبور ہوگئے کہ اپنے اپنے امام کے قول سے تخریج کریں اور یہ کام بغیر قیاس کے ممکن نہ تھا، لہٰذا اسی طریقے پر چلے اور انہوں نے اجتہاد بھی کیا اور استنباط سے بھی کام لیا۔
اسی ضرورت کے پیش نظر علماء حنابلہ اصول فقہ پر متعدد کتابیں لکھیں اور اس علم کے قواعد واصول مرتب کرنے اور ان کی توضیح وتشریح کرنے میں کافی جدوجہد کی اور خصوصیت کے ساتھ قیاس کے تعلق سے قلم اٹھکر یہ واضح کر دیا کہ قیاس بھی اصول فقہ کا بنیادی رکن ہے اسے نظر انداز نہ کیا جائے (ابن حنبل ص ۱۹۹)

امام احمد بن حنبل کی شخصیت علم وبصیرت کی نظر میں

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور عظمت شان کے تعلق سے آپ کے ہم عصر علماء ومحدثین نے مختلف انداز میں مدح وسرائی اور تعریف وتوصیف کی ہے اب چند اقوال بطور نمونہ پیش ہیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”میں نے بغداد میں امام احمد بن حنبل سے زیادہ عابد وزاہد، متقی و پرہیز گار، عالم وفاضل اور فقیہ ومحدث کسی کو نہیں دیکھا۔ حضرت امام ہلال بن علاء نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ نے ان چار شخصوں کو پیدا فرما کر امت محمدیہ پر بڑا احسان فرمایا۔ ایک امام شافعی کہ احادیث رسول اور فقہ کو صحیح طریقے پر سمجھا، پھر اس کے مجمل ومفسر، خاص وعام اور ناسخ ومنسوخ کو بتایا۔ دوسرے ابو عبید، غریب احادیث سے آگاہی بخشی اور نادرات کی تفسیر وتوضیح فرمائی۔ تیسرے یحییٰ بن معین، جھوٹی احادیث سے لوگوں کو آگاہ کیا اور صحیح روایتوں کو معیار مقرر فرما کر فن حدیث کو مجلی فرمایا۔ چوتھے احمد بن حنبل، ابتلاء شدیدہ کے وقت ثبات قدمی اور استقامت کی شاہراہ پر گامزن ہو کر اتباع سنت کو مستحکم کیا۔ اگر یہ چار ہستیاں نہ ہوتیں تو لوگ ہلاک ہو جاتے۔

حضرت ابو ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ مزنی نے فرمایا کہ ”دنیا میں پانچ شخص ایسے ہوئے جنہوں نے پانچ مواقع پر بے نظیر ہمت نفس اور قربانی کا ثبوت دیا، ایک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اہل ردہ کے مقابلے میں، دوسرے عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بنی ساعدہ ثقیفہ کے موقع پر، تیسرے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی محصوری کے زمانے میں، چوتھے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین کے موقع پر، پانچویں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے خلق القرآن کے مسئلہ میں۔

حضرت قتیبہ استاذ امام بخاری وامام مسلم فرماتے ہیں کہ ”سفیان ثوری نے انتقال کیا تو تقویٰ مر گیا۔ امام شافعی نے وفات کی تو سنت پژمردہ ہوگئی۔ اور امام احمد بن حنبل کی موت کے بعد اصول دین کے سرخ اور بدعت کے شائع ہونے کا خدشہ ہوا۔ ایک دوسری روایت قتیبہ سے ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ احمد بن حنبل نے اس امت میں نیابت نبوت کے فرائض انجام دیئے یعنی ایسا جر کیا جو نبیوں کا طریقہ تھا،

حضرت ابو عمر بن النخاس نے ایک دن امام احمد بن حنبل کا ذکر کیا تو فرمایا اللہ ان پر رحم کرے، دین پر کیسے ثابت قدم رہے، اور ان کے اوصاف صالحین صحابہ اور تابعین سے کتنے ملتے جلتے تھے، دنیا ان کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے ٹھکرا دیا اور اسی طرح دین ایک نئی صورت میں ان کے روبرو کیا گیا، تو اسے بھی قبول نہ کیا اور قدیم واصلی دین پر قائم رہے۔ رازی کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل سے زیادہ فقیہ میں نے کسی کو نہیں پایا اس کے بعد یہ حدیث پڑھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا نہ کوئی اس کو ذلیل کر سکتا ہے اور نہ نقصان پہونچا سکتا ہے، یہاں تک کہ قیامت

آجائے۔ پھر کہا کہ عبداللہ بن مبارک اوراحمد بن حنبل جواہل حدیث ہیں اسی جماعت سے ہیں۔

حضرت اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں ''احمد بن حنبل اللہ اور بندے کے درمیان حجت ہیں، مجھے جب کسی مسئلہ میں احمد بن حنبل کی رائے معلوم ہوجاتی تو میں اس پر بلاتامل عمل کرتا، پھر فرمایا! ابوعبداللہ احمد بن حنبل کا کون مقابلہ کرسکتا ہے ان میں تو ایسی خوبیاں تھیں جو میں کسی عالم میں نہیں پاتا ہوں محدث، عالم، صاحب ورع اور زاہد سب کچھ وہ تھے۔ (سیرت ائمہ اربعہ، ص ۵۴۸)

تصنیفات امام احمد بن حنبل

جو کتابیں آپ کی حیات میں منظر عام پر آئیں وہ احادیث وآثار اور رد فرق باطلہ پر مشتمل تھیں۔ ان میں سے چند کتابوں کے اسماء پیش خدمت ہیں ملاحظہ فرمائیں: کتاب المسند، المناسک الکبیر، المناسک لصغیر، کتاب التفسیر، کتاب التاریخ، کتاب الناسخ والمنسوخ، کتاب الزھد، کتاب المقدم والمؤخر فی کتاب اللہ، کتاب فضائل الصحابة، کتاب جوابات القرآن، کتاب حدیث شعبه، کتاب الردعلی الجهمية، کتاب الرد علی الزنادقه. (مناقب امام احمد، ص ۱۵۱)

ان مستقل تصنیفات کے علاوہ آپ کے فتاوی اور مسائل بھی کتابی شکل میں موجود ہیں۔

مسند امام احمد

یوں تو امام صاحب کی تالیفات بکثرت پائی جاتی ہیں لیکن ان کی تالفات میں اہم علمی کارنامہ اور بہت بڑا امحدثانہ شاہکار مشہور ومقبول ترین کتاب آپ کی مسند ہے جو دوسری کتابوں کے اعتبار سے عظیم مرتبہ کی حامل ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

''مسند امام احمد اگرچہ خود امام صاحب کی تصنیف اور آپ ہی کی تحریر کی ہوئی ہے لیکن اس میں بہت سے زیادات ان کے صاحبزادے عبداللہ کے ہیں۔ اور بعض زیادات ابوبکر قطیعی کے بھی ہیں۔ جو اس کتاب کو ان کے صاحبزادے سے روایت کرتے ہیں یہ کتاب مستطاب اٹھارہ مسندوں پر مشتمل ہے۔

(۱) مسند عشرۂ مبشرہ (۲) مسند اہل بیت نبوی (۳) مسند ابن مسعود (۴) مسند عبداللہ بن عمر (۵) مسند عبداللہ بن عمرو بن العاص وابی رمثہ (۶) مسند عبداللہ بن عباس (۷) مسند ابی ہریرہ (۸) مسند انس

بن مالک(۹) مسندابی سعیدخذری (۱۰) مسندجابربن عبداللہ انصاری (۱۱) مسندحضرت عباس وابنائے عباس(۱۲) مسندمکیاں (۱۳)مسندمدنیاں (۱۴) مسندکوفیاں (۱۵) مسندبصریاں (۱۶) مسندشامیاں(۱۷)مسندانصار(۱۸)مسندعائشہ۔

اورتمام کتابوں کوایک سوبہتراجزاء پرتقسیم کیاہے یہ تقسیم حسن بن علی ابن المذنب کی ہے جوقطیعی سے اس کتاب کوروایت کرتے ہیں۔

حافظ شمس الدین جزری تحریرفرماتے ہیں کہ امام احمد نے مسندکومختلف اوراق میں لکھاہے اورمختلف اوراق میں پھیلارکھاتھااس کی مکمل ترتیب وتہذیب سے پہلے انتقال ہوگیا، یہ کتاب اسی حال میں رہ گئی لیکن ان کے بعدان کے صاحبزادے عبداللہ اس کی ترتیب میں منہمک ہوئے، مگراس میں بہت خطائیں ان سے ظاہرہوئیں، مدینہ والوں کوشامیوں اوراہل شام کواہل مدینہ میں جمع کردیاہے، چنانچہ بعض حفاظ حدیث متقدمین نے اسی ترتیب پررکھا۔اورمحدثین اصفہان نے بترتیب ابواب مرتب کیا، لیکن وہ نسخہ نظرنہیں آتا، حافظ ناصرالدین بن زریق نے بھی اسی ترتیب ابواب پرمرتب کیاتھا،لیکن یہ بھی نسخہ تیمورکے حادثہ میں مفقودہوگیا، حافظ ابوبکربن محبّ الدین نے اس کوحروف معجم پرترتیب دیاہے۔

حافظ ابوالحسن ہیتمی نے ان احادیث کوجوامام احمدبن حنبل کی مسندمیں صحاح ستہ کی حدیثوں سے زائدہیں علیحدہ کرکے ترتیب ابواب پرمشتمل کیاہے۔(بستان المحدثین اردو،ص۵۲)

جب امام صاحب اس مسودے سے فارغ ہوگئے،توانہوں نے اپنی تمام اولادکوجمع فرمایااوران کو یہ مسندسناکرفرمایاکہ یہ وہ کتاب ہے جس کومیں نے جمع کیاہے اورسات لاکھ پچاس ہزارروایتوں سے اخذکیاہے اگررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں سے کسی حدیث میں مسلمانوں کااختلاف ہوتووہ اپنامرجع اورمعیاراس کتاب کوبنائیں، اگراس کتاب میں اس کی اصل پائیں توفیھا ورنہ اس کوغیرمعتبرخیال کریں۔

حضرت شاہ عبدالعزیزمحدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اس سے مرادوہی احادیث ہیں جودرجۂ شہرت یاتواترکونہیں پہونچیں، ورنہ ایسی احادیث مشہورہ بہت ہیں جومسندمیں نہیں ہیں۔(بستان المحدثین،ص۵۳)

امام احمد بن حنبل کی عزیمت مسئلہ خلق قرآن میں

بیان کیا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے قرآن کے مخلوق ہونے کا قول کیا وہ جعد بن درہم تھا جو عہد اموی کا ایک فرد تھا، جس کو عید الاضحیٰ کے دن کوفہ میں خالد بن عبداللہ القسری نے اس جرم کے پاداش میں قتل کر دیا تھا، مگر اس کی فکر عربی معاشرے میں پلتی پڑھتی رہی۔ پھر جہم بن صفوان بھی صفات باری تعالیٰ کا منکر تھا، صفت کلام کا بھی انکار کرتا تھا اور یہ بھی کہتا تھا کہ قرآن مجید قدیم نہیں مخلوق ہے اس کے بہت سے عقائد باطل تھے، جس کی بنا پر امام اعظم ابوحنیفہ نے اس سے مناظرہ فرمایا۔ اس کے پاس تو دلائل تو تھے نہیں صرف ظن وتخمین اور تاویلات فاسدہ تھیں، ضد وعناد پر قائم رہا، تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا" اخرج عني يا كافر ،، اے کافر میرے پاس سے نکل جا۔ پھر بعدہ اس کو مروان بن محمد کے دور حکومت میں سیاسی اسباب کی بنیاد پر قتل کر دیا گیا۔

پھر معتزلہ کا دور شروع ہوا، انہوں نے بھی صفات باری تعالیٰ کا انکار کیا اور ان کی یہ تحریر ہارون رشید کے دور ہی سے شروع ہوگئی تھی، لیکن وہ اس سے متاثر نہیں ہوا، مصری علما میں بشر بن غیاث نامی ایک شخص تھا جو معتزلہ کی طرف مائل ہوگیا تھا، اور یہ امام ابویوسف کے شاگردوں میں سے تھا۔ امام ابویوسف نے اسے لاکھ سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ نہیں مانا، تو آپ نے اپنی مجلس سے نکال دیا۔ جب بشر بن غیاث کے عقائد کا علم ہارون رشید کو ہوا تو اس نے قسم کھالی کہ وہ مجھے مل گیا تو اسے ضرور قتل کر دوں گا۔ لیکن ہارون رشید کے دور تک روپوش رہا، جب مامون، معتصم اور واثق کا زمانہ آیا تو اس دور میں "خلق قرآن،، کا مسئلہ ابھر کے سامنے آگیا اور باضابطہ اس کی ترویج واشاعت میں سرکاری تعاون حاصل ہوا۔ مامون نے دیگر ممالک سے فلسفہ ومنطق کی کتابیں جمع کیں اور ان کا ترجمہ کرا کر خوب شائع کیا، جس کی وجہ سے طرح طرح کے شک وشبہات رونما ہونے لگے اور علماء محدثین ان کا دفاع کرتے رہے، "فتنۂ خلق قرآن،، کا اصل موجد قاضی داؤد تھا جو اپنی قابلیت ولیاقت کی وجہ سے مامون کے دل ودماغ پر چھا گیا تھا کہ اس نے اس کو اپنا مشیر خاص بنالیا تھا اور تمام احکامات اسی کے اشارے پر دیئے جاتے تھے، اور مامون دوسرے علمائے کرام کی گفتگو سننے کا روادار نہیں تھا، جس کی پاداش میں خلیفہ مامون نے اس کو مستقل تحریک کی صورت میں جاری رکھا۔

علامہ جلال الدین سیوطی ''تاریخ الخلفا،، میں تحریر فرماتے ہیں'' (۲۱۲ھ) میں مامون نے اعلان کیا کہ قرآن مجید مخلوق ہے جو شخص قرآن کریم کو مخلوق تسلیم نہیں کریگا، اسے سخت سے سخت سزا دی جائے گی۔اور ساتھ یہ بھی اعلان شامل کیا کہ حضرت علی، حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں، ان عقائد کی اشاعت کی وجہ سے لوگوں میں نفرت کی لہر دوڑ گئی۔اور قریب تھا کہ شہر میں ایک فتنہ برپا ہو جائے اس ماحول کے پیش نظر مامون اپنے فاسد ارادے میں کامیاب نہیں ہوا۔آخر کار اسے اپنے ان عقائد کی عدم قبولیت پر صبر کرنا پڑا۔

(۲۱۵ھ)'' میں مامون جنگ کے ارادے سے سرزمین روم کا سفر کیا۔اور رومی سلطنت کے قلعہ جات ''قرہ عنوہ،، اور ''ماجدہ،، فتح کرلیا، پھر وہاں سے دمشق روانہ ہوا۔اور وہاوں ایک سال تک قیام پذیر رہا۔اور (۲۱۶ھ) میں پھر روم پر حملہ آور ہوا، اس مرتبہ بہت سے شہر فتح کرنے کے بعد دمشق واپس آ گیا پھر مصر روانہ ہوا۔ مامون عباسی حکمراں میں پہلا حکمراں ہے جو مصر میں داخل ہوا۔ مصر سے (۲۱۷ھ) میں پھر دمشق آیا پھر وہاں سے روم کی طرف روانہ ہوا۔(تاریخ الخلفاء اردو، ص ۴۲۳)

(۲۱۸ھ) میں مامون نے ''عقیدۂ خلق قرآن،، کے بارے میں لوگوں کی آزمائش کرنی چاہی کہ لوگوں نے قرآن کا مخلوق ہونا تسلیم کیا ہے یا نہیں۔چنانچہ اس نے اپنے نائب سلطنت بغداد اسحاق بن ابراہیم کے پاس علما بغداد کے بارے میں لکھا کہ قرآن مجید مخلوق ہے اس کے بارے میں علما بغداد کی رائے طلب کی جائے اور مجھے اس کی اطلاع دی جائے۔

اسحاق بن ابراہیم نے علما اور محدثین کی ایک جماعت جمع کر کے ان کے سامنے مامون کا خط پڑھا جس میں یہ حضرات حاضر تھے، حضرت امام احمد بن حنبل، بشر بن ابو ولید کندی، ابوحسان زیادی، علی بن ابی مقاتل، فضل عالم، عبیداللہ بن عمر قواریری، علی بن جعم، سجادہ، ذیال بن ہثیم، قتیبہ بن سعید، سعدویہ واسطی، اسحاق بن ابی اسرائیل، ابن الہرس، ابن عنبہ الاکبر، محمد بن نوح عجلی، یحییٰ بن عبدالرحمٰن عمری، ابونصر تمار، ابومعمر قطیعی، محمد بن حاتم بن یمون وغیرہم۔

خط سن کر حاضرین نے جواب دئے، لیکن ان جوابات سے انکار و اقرار پتہ نہیں چلتا تھا، اس لئے اسحاق نے فرداً فرداً پوچھنا شروع کیا، سب سے پہلے بشر بن ابو ولید کندی سے دریافت کیا کہ مسئلہ مذکورہ میں تماری کیا رائے ہے؟ جواب دیا کہ مجھے تو مدتوں سے امیر المومنین کے بارے میں معلوم ہے

کہ وہ اسی عقیدہ کے حامل ہیں، اسحاق نے کہا کہ تم اس بارے میں کیا رائے پیش کرتے ہو، انہوں نے جواب دیا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اس نے کہا میں یہ دریافت نہیں کرر ہاہوں، بلکہ یہ بتاؤ کہ قرآن مخلوق ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا کہ تم سے جو کچھ کہہ چکا ہوں اس سے بہتر نہیں کہہ سکتا، میرے اور امیر المومنین کے مابین یہ معاہدہ ہو چکا ہے کہ میں اب اس مسئلہ پر گفتگو نہیں کرونگا۔

اس کے بعد علی بن ابی مقاتل کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا کہ تم اس سلسلہ میں کیا کہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اور امیر المومنین اس بارے میں جو بھی حکم صادر کریں ہم ماننے کیلئے تیار ہیں۔ ابوحسان زیادی نے بھی کچھ اسی قسم کا جواب دیا، اس کے بعد اسحاق نے احمد بن حنبل سے دریافت کیا آپ کا کیا کہنا ہے اس مسئلہ میں؟ انہوں نے فرمایا، قرآن کلام اللہ ہے، اس نے کہا یہ بتائیے کہ وہ مخلوق ہے یا نہیں؟ آپ نے جواباً فرمایا وہ اللہ کا کلام ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا، اسی طرح بقیہ حضرات کا جائزہ لیا اور سب کے جوابات لکھ لئے۔

ابن البکاء الاکبر نے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ وہ مجعول اور محدث ہے اس کے بارے میں نص وارد ہے، اسحاق نے کہا جو چیز مجعول ہے وہ حادث ہے، ابن البکاء نے کہا ہاں، اسحاق نے کہا تو قرآن مخلوق ہے، ابن البکاء نے کہا کہ میں اسے مخلوق نہیں کہتا۔

اسحاق بن ابراہیم نے تمام جوابات تحریر کر کے مامون کے پاس بھیجدیا، مامون نے اسحاق کو لکھا کہ تمہارا ارسال کردہ تحریر نامہ وصول ہوا اور ہمیں اس کے ذریعہ علم ہوا کہ جو لوگ اپنے آپ کو اہل قبلہ یعنی مسلمان ظاہر کرتے ہیں، اور شرف وسروری ک طالب ہیں حالانکہ وہ لوگ نہ اہل قبلہ ہیں اور نہ اہل سیاست ہیں میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ جو شخص قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل نہ ہو اس کو فتوی دینے، روایت حدیث بیان کرنے اور درس قرآن دینے سے منع کردو۔ اور یہ بھی لکھا کہ بشر بن ابو ولید نے جو کچھ تم سے کہا ہے وہ دروغ بیانی ہے۔ امیر المومنین اور اس کے مابین کوئی معاہدہ نہیں ہوا ہے، امیر المومنین کا اعتقاد کلمۂ اخلاص ہے اور یہ عقیدہ کہ قرآن مخلوق ہے سب کو معلوم ہے، لہٰذا تم اس کو بلاؤ اگر اپنے عقیدہ سے تائب ہور ہے ہیں تو اعلان کریں۔ اور وہ شرک پر مصر رہیں، اور اپنے کفر واتحاد کے سبب قرآن کو مخلوق تسلیم نہیں کرر ہے ہیں تو ان کی گردن ماردو اور اس کا سر میرے پاس بھیجدو، اب رہا ابراہیم بن مہدی کا معاملہ تو پہلے ان کا امتحان لو اگر وہ قبول کرلیں تو فبہا ورنہ ان کی بھی گردن ماردو۔

مامون نے اس کے علاوہ دیگر علما کے متعلق بہت کچھ سخت الفاظ لکھے اور حقارت آمیز تنقیدیں بھی کی، نیز امام احمد بن حنبل کے تعلق سے لکھا کہ احمد سے کہدو کہ خلیفہ اس کے جاہلانہ عقیدے سے واقف ہیں۔ اور وہ جان لے کہ اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

مامون نے اسحاق کو لکھا کہ میں نے جن جن لوگوں کا نام تحریر کیا ہے اگر وہ لوگ اپنے شرک سے باز نہ آئیں تو سوائے بشر بن ابو ولید اور عبدالرحمٰن بن مہدی کے سب کے سر قلم کردو، مامون کا یہ حکم نامہ سن کر احمد بن حنبل، سجادہ، محمد بن نوح اور قوادیری کے علاوہ تمام علماء نے خلق قرآن کا اقرار کرلیا۔ ان چاروں حضرات کو جیل خانہ میں ڈال دیا گیا، پھر دوسرے روز قید خانہ میں جاکر حالت قید میں سوالات کئے، تو سجادہ نے اسی وقت اقرار کرلیا۔ اور اسحاق کے اصرار کرنے پر قوادیری نے بھی خلق قرآن کا اقرار کرلیا، اب دو حضرات احمد بن حنبل اور محمد بن نوح اپنے عقیدے پر اٹل رہے چنانچہ ان دونوں حضرات کو اسحاق بن ابراہیم نے مامون کے پاس روانہ کردیا۔

پھر مامون کو یہ خبر ملی کہ جن لوگوں نے عقیدہ خلق قرآن کا اقرار کیا ہے وہ جبر وتشدد کے باعث اقرار کیا ہے اس پر مامون کو غصہ آیا اور اسحاق کو لکھا کہ جن لوگوں نے جبراً قبول کیا ہے، احمد بن حنبل کے ساتھ انہیں بھی میرے پاس روانہ کردو۔ اسحاق نے سب کو روانہ کردیا، مگر یہ لوگ ابھی مقام ''رقہ،، میں ہی تھے کہ مامون کا انتقال ہوگیا، اللہ تعالیٰ نے ان پر لطف ومہربانی فرمائی اور انہیں بڑی مصیبت سے محفوظ رکھا۔ (تاریخ الخلفاء اردو، ص ۴۲۹)

مامون نے مرتے وقت یہ وصیت کی کہ میرے بعد آنے والا خلیفہ لوگوں کو عقیدہ خلق قرآن کا اقرار کرائے اور قاضی ابوداؤد کو اپنے دربار سے وابستہ رکھے، مامون کے بعد انتقال حکومت کی باگ ڈور (۲۱۸ھ) میں معتصم باللہ نے سنبھالی، اس نے مامون کے وصیت پر پورا پورا عمل کیا اور اس آزمائش میں بہت سے علما ظلم وستم اور مصائب کے تختہ مشق بنائے گئے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس وقت امام المحدثین، سنت وشریعت کے امین نے صبر واستقلال، شجاعت وجرأت اور عزیمت کا جو بہترین نمونہ پیش فرمایا، وہ بہترین شاہکار رہے، امام احمد بن حنبل کو مقام رقہ سے بغداد لایا گیا، تین روز تک مسلسل مناظرہ کیا گیا، چونکہ آپ ایک مرکزی ہستی تھے، اس لئے معتزلہ کی انتہائی کوشش یہی تھی کہ کسی طرح آپ سے منولیا جائے، معتزلہ کو بڑا دعویٰ تھا، لیکن جو سامنے آتا لاجواب ہوجاتا۔

جب احمد بن حنبل کو معتصم باللہ کے سامنے کیا گیا تو اس نے عبدالرحمٰن بن اسحاق کو مناظرہ کا حکم دیا تو انہوں نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ قرآن کو مخلوق کہتے ہیں یا غیر مخلوق؟ امام صاحب نے جواباً ارشاد فرمایا پہلے تم یہ بتاؤ کہ اللہ کا علم مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ عبدالرحمٰن خاموش ہوگیا۔ اور کچھ جواب نہ دے سکا، اسی طرح دوسرے علما کو مناظرہ کے لئے کھڑا کیا، لیکن سب لوگ حیران و ششدر رہو گئے، بالآخر معتصم باللہ نے آپ کو خلوت میں بلایا اور سمجھایا، امام صاحب نے فرمایا، ادھر ادھر کی بات چھوڑ یئے، اور کتاب وسنت سے بات کیجئے، اس پر معتصم کو غصہ آیا اور حکم دیا کہ پوری طاقت سے کوڑے لگائے جائیں، ۲۸؍کوڑے لگائے گئے، ایک تازہ دم جلاد صرف دو کوڑے لگاتا، پھر دوسرا جلاد بلایا جاتا، اور معتصم باللہ ہر بار کہتا خوب زور سے کوڑے لگاؤ۔ امام احمد بن حنبل ہر کوڑے پر فرماتے ''اعطونی شیئا من کتاب الله وسنة رسوله ان اقول به،، میرے سامنے اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنت سے کوئی دلیل پیش کرو تاکہ میں اس کو مان لوں۔ امام احمد بن حنبل کو ۲۸؍ہفتے قید خانہ میں رکھا گیا، اس درمیان آپ کو ۳۴؍کوڑے لگائے گئے۔ بعض کتابوں میں ہے، جب ۱۹؍کوڑے لگ چکے تو معتصم باللہ نے بڑھ کر کہا کہ میں بخدا بیٹے سے بھی زیادہ محبت کرتا ہوں اقرار کرلو ابھی چھوڑ دیتا ہوں لیکن آپ صبر واستقلال کے پیکر بن کر ثبات قدمی پر کاربند رہے۔ (سیف المقلدین، ج۲، ص۲۸۲؍۲۸۳)

میمون بن اصبع کا بیان ہے کہ میں بغداد میں موجود تھا کہ شوروغل کی آواز سنائی دی، لوگوں سے معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ احمد بن حنبل کی آزمائش ہورہی ہے، چنانچہ میں بھی اس مقام پر حاضر ہوا، جب آپ پر پہلا کوڑا مارا گیا تو آپ نے فرمایا ''بسم الله،، اور دوسرے کوڑے پر ''لاحول ولا قوة الا بالله،، کہا، تیسرے کوڑے پر فرمایا ''القرآن كلام الله غير مخلوقٍ،، قرآن الہ کا کلام غیر مخلوق ہے، چوتھے کوڑے پر ارشاد فرمایا ''لن يصيبنا الا ما كتب الله لنا،، اللہ نے جتنی مصیبت ہمارے لئے لکھی اتنی ہی ملے گی۔ (التوبۃ، ۵۱؍پ۱۰) اسی طرح آپ ہر کوڑے پر کوئی نہ کوئی آیت یا عبارت پڑھتے، بالآخر آپ کو ۲۹؍کوڑے لگائے گئے، آپ نے کپڑے میں ازار بند ڈال رکھا تھا جو کوڑے کی ضرب کٹ گیا اور پائجامہ ناف سے نیچے آگیا، تو آپ نے آسمان کی طرف منہ کرکے دعا کی رے میرے رب تو جانتا ہے کہ میں حق پر ہوں تو میری بے ستری سے حفاظت فرمایا تو پائجامہ نیچے کے بجائے ناف کے اوپر ہو گیا۔ ایک ہفتہ بعد میں نے امام کی بارگاہ میں حاضری دی۔ اور عرض کیا کہ آپ نے

آزمائش کے وقت آسمان کی طرف دیکھ کر ہونٹوں کو حرکت دی تھی، تو اس وقت کیا پڑھا تھا، فرمایا" اللھم انی اسئلک باسمک الذی ملات به العرش ان کنت تعلم انی علی الصواب فلا تھتک لی سترا،، اے اللہ میں ترے نام کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں جس سے تونے عرش کو پر رکھا ہے اگر ترے نزدیک میں حق پر ہوں تو میرا بے ستری نہ ہونے دے۔ (اکمال فی اسمائے الرجال، ص۶۲۲)

۱۹/ربیع الاول بروز دوشنبہ (۳۲۷ھ) میں معتصم باللہ کا انتقال ہوا۔اس کے بعد اس کے لڑکے واثق باللہ نے حکومت کی زمام سمبھالی، اس کا بھی رویہ حضرت امام احمد بن حنبل کے ساتھ گرچہ اپنے والد کی طرح سفاکانہ نہ رہا۔ اور اس نے آپ کو جسمانی اذیت دینے گریز کیا مگر اس نے آپ کو لوگوں سے مل جل کر رہنے سے روک دیا تھا اور امام صاحب کیلئے یہ حکم جاری کردیا کہ" تمہارے پاس کسی کو ملنے اور آنے کی اجازت نہیں ہے، اور نہ تم اس شہر میں اقامت اختیار کرو جہاں میرا قیام ہے۔

اس حکم کے بعد حضرت امام احمد بن حنبل اپنے گھر میں محصور ہو گئے حتی کہ نماز وغیرہ کیلئے بھی گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے، آپ کا دور ابتلاء وآزمائش یوں ہی گرزتا رہا، یہاں تک کہ ماہ ذی الحجہ (۳۳۲ھ) میں واثق باللہ کا بھی انتقال ہوگیا۔ اور متوکل باللہ نے زمام اقتدار سنبھالا۔ اسی کے ساتھ معتزلیوں کا سورج ڈھلنے لگا۔ اور احیاء سنت کا دور شروع ہوا۔ اور اس فتنے کا اثر بالکل ختم ہوگیا۔ (البدایہ والنہایہ، ج۱، ص۳۳۵)

اس عظیم آزمائش میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے جس ہمت و جوانمردی کا ثبوت پیش کیا ہے اس سے ان کی شہرت ومقبولیت میں اور اضافہ ہو گیا۔ جس طرح سونا دہکتے انگاروں پر جلنے کے بعد نکھر جاتا ہے یوں ہی حضرت امام احمد بن حنبل کی شخصیت اس آزمائش سے گزرنے کے بعد کندن ہوگئی اور دین حق کا پرچم سربلند رکھا سرنگوں نہ ہونے دیا، دوسرے کارہائے خیر میں امام احمد بن حنبل کے علاوہ دوسرے لوگ بھی شریک ملتے ہیں، لیکن اس میدان میں آپ یکتا اور تنہا نظر آتے ہیں، آپ کے دیگر ساتھیوں نے تقیہ کا سہارا لے کر اپنی جان بخشی کروالی، لیکن آپ نے تقیہ کا سہارا لینے کو مناسب نہیں سمجھا، بلکہ عزیمت کی تصویر بنے رہے، آپ کے چچا اسحاق بن حنبل جو آپ کی رہائی کے لئیکوشاں تھے، انہوں نے کہا بھتیجے تمہارے ساتھی چھوٹ گئے اور تم قید کی مصیبت جھیل رہے ہو تم بھی اقرار کرلو، آپ نے فرمایا، اے چچا جان! جاہل لوگ تو خیر ناواقف ہی ہیں، لیکن جب علما تقیہ کا سہارا

لیں گے تو آخر حق کس طرح واضح ہوگا، اس جواب پر آپ کے چچا اسحاق کو لاجواب ہونا پڑا، تین جابرو ظالم حکمرانوں کے ظلم وتشدد اور غیر معمولی مشکلات کے باجود عزیمت وپامردی میں کوئی فرق نہیں آیا اور نہ ہی کوئی چیز آپ کو حق گوئی اور بے باکی سے روک سکی۔

مشہور محدث اور امام بخاری کے استاذ حضرت امام علی بن مدینی ارشاد فرماتے ہیں " ان اللہ اعز ھٰذا الدین برجلین لیس لھما ثالث ابوبکر الصدیق یوم الردۃ، واحمدبن حنبل یوم المحنۃ،، اللہ تعالیٰ نے اس دین کو دو آدمیوں کے ذریعہ اعزاز بخشا، ان دو کے علاوہ تیسرے کو یہ منصب حاصل نہ ہوا، ارتداد کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذریعہ اور فتنۂ خلق قرآن کے سلسلہ میں آزمائش کے موقع پر احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ۔ (تاریخ بغداد، ج۴، ص۴۱۸)

امام احمد بن حنبل کی نظر میں تقلید کی اہمیت

مصر کے ایک مشہور قلم کار ڈاکٹر شوقی ضیف نے دانستہ یا نادانستہ طور پر عصر حاضر کے "وہابیوں،، کو حنبلی المذہب بتایا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ " غیر ان مذھبہ لم یکتب لہ الانتشار کما کتب للمذاھب الثلاثۃ السالفۃ، وان کان قد ازدھر حدیثا بین الوابیین،، مگر امام احمد بن حنبل کا مذہب سابقہ تین مذاہب کی طرح رواج نہ پاسکا گرچہ عصر حاضر میں وہابیوں کے درمیان اس مذہب کی ترقی ہوئی۔ (دائرہ معارف اسلامیہ اردو، ج۲، ص۶۴)

اس تحریر کے پس منظر میں وہابیوں کا وہ شور شامل ہے جس کا راگ وہ الاپتے رہتے ہیں اور ایک طرف تو اپنے حنبلی ہونے کا دعوی کرتے ہیں اور دوسری طرف تقلید اور دوسری ضروریات دین کا مذاق اراتے ہیں، درحقیقت یہی مزاج متضاد غالی سلفیت کے فکری اضطراب کا عکاس ہے، اب ہم پیش کرتے ہیں امام کی چند ایسی فکریں جن سے خود بخود وہابیت کے حنبلی تانے بانے ان سے بیزار دکھائی دیں گے۔

ابن قیم نے "اعلام الموقعین،، میں حضرت امام احمد بن حنبل کے متعلق تحریر کیا ہے " وقال الامام احمد لبعض اصحابہ ایاک ان تتکلم فی مسألۃ لیس لک فیہ امامٌ،، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے بعض شاگردوں سے فرمایا! خبردار کسی ایسے مسئلے میں کلام مت کرنا جس میں تمہارا کوئی امام نہ ہو۔ (تاریخ عربی ادب، ص۱۳۲)

اس کے علاوہ صحابہ کرام اورتابعین عظام کے فتاوی کے متعلق سے آپ کا محتاط موقف تقلید کیلئے روشن دلیل ہے کہ آپ اس وقت تک اجتہاد وقیاس کا دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے جب تک کہ آپ کے سامنے نصوص یا صحابہ کرام اورتابعین عظام کے فتاوی موجود ہوتے، بلکہ ایسی صورت میں صحابہ اورتابعین یا کسی بڑے امام کے مقلد ہوتے، ہاں جب یہ سب باتیں نہیں پائی جاتیں،تواس وقت قیاس واجتہاد سے کام لیتے پھرآپ اجتہادی رائے قائم فرماتے،جس سے جہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ ایک بڑے مجتہداورصاحب مذہب فقیہ تھے وہیں آپ کے عمل وسلوک سے تقلید کا بھی ثبوت ظاہر ہوتا ہے۔

امام احمد بن حنبل کی نظر میں تبرکات کا مقام

عام طور پر دیکھا اورسنا جاتا ہے کہ وہابی اوردیوبندی تبرکات کی توہین کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں، اولیاءکرام اوربزرگان دین کے آثاروتبرکات کی تعظیم سے اس گروہ کو ہمیشہ شرک وبدعت ہی کی بومحسوس ہوتی ہے، ایسی نشانیوں کومٹانا، ان کے خلاف بھڑکانے پرتحریک چھیڑنا جن سے بزرگوں کی محبت کی خوشبو پھوٹے،اس گروہ کا اولین مقصداور جہاد فی سبیل اللہ ہوتا ہے،مگرآیئے دیکھیں تبرکات کے متعلق سے اسی ذات بابرکت کا موقف کیا ہے،جس کی طرف یہ لوگ اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو ابتلاء کے ایام میں خلیفہ کے حکم سے ٹکٹکی (سزا دینے کی جگہ) کے پاس لے جاکرکھڑا کیا گیا۔جلادوں نے آگے بڑھ کرکرتا آپ کے جسم مبارک سے اتارلیا اورکرتے میں ایک طرف کوئی چیز بندھی ہوئی نظرآئی،تو آپ سے پوچھا گیااس میں کیا چیز بندھی ہوئی ہے،آپ نے جواب دیا کہ اس میں میری زندگی کا سب قیمتی سرمایہ ہے اس میں حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک ہیں جو مجھے ابن الفضل بن ربیع نے بطورعطیہ دیئے تھے۔ (ابن حنبل لابی زہرۃ،ص ۲۰۱)

سبحان اللہ، چہ نسبت خاک رابا عالم پاک، یہ ہے ستودہ صفات ہستی جس کی آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا یہ عالم تھا،لیکن آج کل اپنے آپ کو حنبلی کہنے والے جیسے حضرات اسی ذات گرامی باوقار کے روضے کی زیارت میں شرک نظرآتا ہے تواس سے بڑھ کراورکیا کذب وافتراء ہے؟

امام احمد بن حنبل کی وفات

آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کا بیان ہے کہ میرے والد ماجد احمد بن حنبل کا انتقال ۱۲ر ربیع الاول ۲۴۱ھ بروز جمعہ چاشت کے وقت یارات میں ہوا۔ اس وقت عمر شریف بروایت مختلف ۷۵ر سال کی تھی، آپ کو شہیدوں کے قبرستان مقابر الشہداء میں حرب کے دروازے کے قریب دفن کیا گیا، محمد بن طاہر نے نماز جنازہ کے فراغت کے بعد شرکاء کے تخمینہ کا حکم دیا، تو آپ کی نماز جنازہ میں شریک ہونے والوں کی تعداد تیرہ لاکھ تھی۔ آپ کی نماز جنازہ امیر بغداد محمد بن عبداللہ بن طاہر نے پڑھائی، بھیڑ کی وجہ سے آپ کی نماز جنازہ کئی مرتبہ پڑھی گئی، بلکہ بعد تدفین قبر پر بھی پڑھی گئی اور لوگوں کی کثرت کی وجہ سے تدفین کا سلسلہ نماز عصر کے بعد تک چلتا رہا۔ آپ کا مزار مقدس اب تک زیارت گاہ خلائق ہے۔

(۵۷۴ھ) میں خلیفہ مستضی باللہ نے آپ کے قبر مبارک پر ایک کتبہ لگوایا جس میں اس یگانہ روزگار محدث کو سنت کے زبردست ترین حامی کے طور پر بہت سراپا گیا۔ (دائرہ معارف اسلامیہ اردو، ج ۲، ص ۶۴)